اَللّٰھُمَّ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ وَ اَخْرِجْنَا مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوْرِ

اے اللہ ہمیں سیدھے راستے پر چلا اور ہمیں اندھیروں سے نکال کر نور عطا فرما

اَسْرارِطریقت

از

شیخ طریقت حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم محمد ادریس حبان رحیمی ایم ڈی چرتھاولی حفظہ اللہ

خلیفہ ومجاز حضرت حاذق الامت رح پر نامبٹ (خلیفہ ومجاز حضرت مسیح الامت بلال آبادی) بانی ومہتمم دارالعلوم محمدیہ وخانقاہ رحیمی

مرتب

مولانا حکیم محمد عثمان حبان دلدار قاسمی

ناظمِ تعلیمات دارالعلوم محمدیہ بنگلور

مکتبہ طیبہ دیوبند ۲۴۷۵۵۴

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : اسرارِطریقت

از : حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم محمد ادریس حبان رحیمی حفظہ اللہ

مرتب : مولانا حکیم محمد عثمان حبان دلدار قاسمی

کتابت وتزئین : عبید الرحمٰن قاسمی رمولانا فہیم احمد قاسمی حبان گرافکس بنگلور

باہتمام : مولانا محمد طیب قاسمی

تعداد : گیارہ (۱۱۰۰) سو

قیمت :

ناشر : مکتبہ طیبہ نزد مسجد سفید، دیوبند، سہارنپور-247554 (یوپی)

مرتب کا مکمل پتہ

RAHEEMI SHIFA KHANA

#248, 6th Cross, Gangondanahalli Main Road,
Nayandhalli Post, Maysore Road
BANGALORE - 560039 (INDIA)
Ph.: 080-23180000, 23397836/72
www.raheemishifakhana.com
E-mail.: raheemishifakhana@yahoo.com

فہرست

نمبرشمار	مضامین	صفحہ
1	انتساب اورثواب	18
2	شکروسپاس	19
3	وہ اہل التقویٰ اوراہل المغفرہ ہے	20
4	وہ بادشاہ ہے قادرمطلق ہے	20
5	جس نے قلم کوذریعۂ علم بنایا	20
6	موت وحیات کا وہی خالق ہے	20
7	دنیاوآخرت سب اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے	21
8	دن کورات میں،رات کودن میں داخل کرتا ہے	21
9	اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے	21
10	ان مجاہدوں سے محبت کرتا ہے جوصف باندھ کرباطل سے.....	21
11	وہ فاسقوں کوہدایت نہیں دیتا	22
12	وہ ظالموں کوہدایت نہیں دیتا	22

13	وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے	22
14	قیامت کے روز دیدارالٰہی	23
15	سب کولوٹ کرہماری طرف آنا ہے	23
16	سب کا حساب ہم خودلیں گے	23
17	سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کائنات میں کونسی چیز پیدافرمائی؟	23
18	دنیاکے خادم نہ بنو	25
19	میں نے صرف آٹھ مسئلے سیکھے	26
20	ہرچیز کے دو پہلو	29
21	بھائی چارے کا فلسفہ	30
22	قرآن سے شفا	31
23	قانون سازاثر	32
24	صحت کے رہنمااصول	32
25	قرآن کے براہ راست شفائی اثرات	32
26	ذکراللہ کے شفائی اثرات	33
27	بے پردگی کا سیلاب آچکا ہے	34
28	عورت کی عقل پر پردہ	35
29	پروپیگنڈے کا اثر	35
30	بیعت کا مقصدحقیقی	36
31	قاضی تکی سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا	37
32	مولانا گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اصلاح میں سختی	39
33	رگ رگ سے کھوٹ نکل جائے تب جنت میں جائے گا	40
34	حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی چونّی	40
35	غم معتدل کی حکمت	41

36	موت کی یاد میں اعتدال	42
37	دفع وساوس میں اعتدال	42
38	خواب کا اعتدال	42
39	استخارہ میں اعتدال	43
40	تعویذات کا اعتدال	43
41	تبرکات کی زیارت میں اعتدال	44
42	طہارت میں اعتدال	44
43	صفائی ونظامت میں اعتدال	45
44	روح کے امراض اور علاج	46
45	تکبر خطرناک مرض ہے	47
46	امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی آہ وزاری	48
47	علماء اور صوفیاء کی قدر ومنزلت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ میں	48
48	مولانا احمد حسن صاحب امرتسری حکیم الامت کے خلیفہ	49
49	ہندوستان میں دین بزرگوں سے پھیلا	50
50	بزرگوں کے ملفوظات کا فائدہ	52
51	مصلح الامت کا کشف	53
52	بازار میں بھی یاد الٰہی	54
53	اصلاح کا یہ بھی طریقہ ہے!	54
54	سادگی کی انتہا	55
55	ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ کا اظہار حق اور شاہجہاں کی ندامت	56
56	اشیاء خورد ونوش اور ملبوسات میں اصل جواز ہے	57
57	مشائخ کا ادب اور ان کے قلوب کی حفاظت کے ثمرات	58
58	بزرگوں کے واقعات	60

59	بدنیتی کا انکشاف	61
60	تصرف شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کا	61
61	ادب کی برکات	62
62	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تواضع	63
63	اعتراض کرنے میں جلدی نہیں کرنی چاہئے	63
64	اپنے اعضاء کو خُدائی مشین سمجھو	65
65	قضاء اور خطابت میں میراث نہیں	66
66	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا جنازہ	67
67	اب اصلاح کی امید نہ رکھو	67
68	ذالقرنین کی ایک قوم سے ملاقات	68
69	حضرت حکیم الامت کے آنے سے دل تازہ ہونا	71
70	مذہب حنفی احادیث میں روشن نظر آتا ہے	71
71	پاؤں دبوانے میں راحت	72
72	شباہت تو ایسی!	72
73	اللہ کی امانت میں دینے کا فائدہ	72
74	انسان کا حق	75
75	جان ومال کا تحفظ	76
76	اسلام کا نقطۂ نظر یہ!	77
77	عزت وناموس کی حفاظت	79
78	مال ودولت کی حیثیت	80
79	انفاق فی سبیل اللہ	80
80	اسلام کا اولین مقصد	81
81	راہِ خدا میں مال صرف نہ کرنے کا عذاب	82

82	مختلف بیعت	82
83	پانچ گناہوں کی نحوست	83
84	مال بھی اللہ کی امانت ہے	85
85	زکوٰۃ ادا کرنے میں حکمت	86
86	خوش بختی کے تین اسباب	87
87	ہلاکت کے تین اسباب	87
88	مبارک لوگ	87
89	اللہ تعالیٰ کا پیغام نبی ﷺ کے نام	88
90	بامقصد زندگی	88
91	اللہ تعالیٰ کی نظر میں عزت دار کون؟	89
92	بہترین اخلاق میں شمار	90
93	معاشرہ کی تاریکی ختم ہوگئی	91
94	اسلام کا دوٹوک انداز	92
95	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خواب	94
96	حضرت خضر کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات	95
97	قرآن مجید کا معجزہ	97
98	اخوت اور محبت کا فلسفہ	98
99	دوستی کی حد	99
100	صدقہ کا اثر	100
101	مرد صالح کا اثر	100
102	معرفت الٰہی سے متعلق سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قول	101
103	اہل معرفت کون ہیں؟	101
104	اللہ تعالیٰ ماں سے زیادہ مہربان ہے	101

105	معرفت الٰہی کی علامت	102
106	ایک سانپ کا عجیب وغریب واقعہ	103
107	برگ شجر طوبیٰ	105
108	اللہ تعالیٰ کے نام کا اکرام	106
109	گھوڑے کی پیدائش	107
110	حضور ﷺ کے گھوڑے کے نام	108
111	اللہ تعالیٰ کی قدردانی وبندہ نوازی	109
112	امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا تعظیم کرنا	110
113	آپ کے تقویٰ کی برکات	110
114	وفات کے بعد	111
115	باغ خمسون	112
116	ابن عمر رضی اللہ عنہ کا انفاق	112
117	محبت الٰہی کی تمثیل پر ایک بچہ کا واقعہ	113
118	شیطان کا وسوسہ خطرناک	114
119	آخری جنات	115
120	ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی حکمت	117
121	کھجور کا درخت	117
122	شیطان کا مال تجارت	119
122	علامہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کی تعبیر	120
124	ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کا امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق خواب	120
125	علم کیوں حاصل کیا جائے؟	121
126	گناہگار پر اللہ کی چار نعمتیں	123
127	حق تعالیٰ کی بندے سے محبت کی دلیل	123

128	آداب بندگی	124
129	بوسنیا کے صدر علی عزت نے کہا!	125
130	قرآن کی دو آیت نے ڈاکٹر ''کوشو'' کو ڈاکٹر عبداللہ بنادیا!	127
131	آپ سجدہ میں کیا پڑھتے ہیں؟	127
132	جدید دور میں علم اور اس کا استعمال	128
133	عیسائی مبلغین نے اسلام قبول کرلیا	131
134	مفکر اسلام حضرت مولانا عبدالکریم پاریکھؒ کا ایک واقعہ	134
135	محبت حال ہے یا مقام ہے	138
136	اللہ کا محبوب بننے کی ترکیب	138
137	تعلق مع اللہ بڑی دولت ہے	139
138	حُبِّ عقلی اور حُبِّ عشقی	139
139	جنات کی پیدائش اور ابلیس کا رول	139
140	جناب میں آٹھ سو نبی ہوئے	140
141	جنات کا قتل	140
142	اللہ تعالیٰ سے ابلیس کا سوال	141
143	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نصیحت	141
144	سکون قلب کیوں نہیں	143
145	دل کی سختی کا علاج	145
146	مدارس اسلامیہ میں دینی انحطاط کا سبب	146
147	تلخ حقیقت	147
148	قابل تقلید اقدام	148
149	مخارج مسوڑھوں سے بھی ادا ہوسکتے ہیں	150
150	۳۷-ذکر جہر میں ریا نہیں ہوسکتا	150

151	عصائے موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیات	151
152	حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شان	152
153	قلب جاری ہونا	153
154	ناصحانہ جواب	154
155	حجاج کی پہلی شرارت	154
156	دعا مانگنا رضا بالقضاء کے منافی نہیں	155
157	پیر سے مناسبت ضروری ہے	156
158	دولت مندی دل کی بے نیازی کا نام	157
159	بے نیازی مومن کی شان	159
160	تلاوتِ قرآن کا ایک فائدہ	160
161	دعا بہت بڑی نعمت ہے	160
162	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میزبانی	160
163	عصائے موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام	161
164	امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک وعظ، سالکین کیلئے	162
165	دعا قبول نہیں ہوگی	164
166	فرشتے کی نداء	164
167	روایات، اقوال اسلاف	165
168	چارے کے مشتبہ ہونے کے باعث دودھ نہ پیا	166
169	حلال وحرام کے درجات	167
170	اعلیٰ درجات کے متقی	169
171	غصہ کو پی جانے والے اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں	171
172	سالکین کیلئے سبق آموز واقعہ	175
173	فضول کاموں کا شوق ہے	176

174	بعض اوقات کھانے کو نماز پر مقدم کرنے کی حکمت	178
175	حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا بصیرت افروز ارشاد	178
176	متحمل شخص کو زینت جائز ہے	179
177	میں تو دل سے بیعت ہو چکا	179
178	اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا	180
179	اللہ والوں سے علم وفہم حاصل کرو	181
180	حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی رعایتِ حُدود	181
181	جنت کا مزہ مصیبت زدہ کو زیادہ ملے گا	182
182	عوام الناس کو معافی کی خبر نہیں	183
183	حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی شان	183
184	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے محبوب مشغلہ؟	184
185	حکمت ودانائی، مومن کا گمشدہ خزانہ	187
186	خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون کا اصول اور طریقہ کار	192
187	تنخواہ کاٹنے کی درخواست	193
188	اپنے فرائض صحیح طور پر انجام دو	193
189	حلال اور حرام میں فرق ہے	194
190	عاریت کی چیز امانت ہے	195
191	شریعت کی مصلحت، عمل کرنے کے بعد ظہور میں آتی ہیں	195
192	پسینہ بھی نکلا یا نہیں؟	197
193	خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ کا اہتمام نماز	197
194	ارشادات حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ	198
195	خلاصہ	198
196	حکم کی تعمیل گوہر کی حفاظت سے زیادہ اہم ہے	201

197	نسبت کے لحاظ سے کامیابی حاصل ہوتی ہے	202
198	اللہ والوں کی نسبت کا اثر	202
199	حضرت شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کی جاں سپردگی کا عالم	203
200	حسن تلاوت کا لحاظ	203
201	شیخ عبدالقدوس گنگوہی غایت درجہ متبع سنت تھے	203
202	تعلیم کی اہمیت	204
203	حالت مغلوبیت میں بھی احکام شرعیہ کی پابندی	204
204	حضرت نظام الدین اولیاء کا سفرِ آخرت	205
205	وقت کا سب سے بڑا قانون	205
206	حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے پہلے.....	206
207	علی مرتضیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت میں	207
208	سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا واقعہ	208
209	حضرت جمال البحر معشوق ربانی ثانی رحمۃ اللہ علیہ	209
210	متصرف حقیقی اللہ تعالیٰ ہیں بندہ صرف واسطہ ہے	210
211	صوفیائے کرام کی سماجی خدمات	211
212	تصوف کیا ہے؟	211
213	ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی انگلیوں پر	216
214	بیماری اور تنگ دستی سے نجات کا ذریعہ	216
215	رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک بھی طریقت کا جزو ہے	217
216	مومن وہ ہے جو پڑوسی کے حقوق ادا کرے	218
217	مہمانوں، یتیموں، بیواؤں اور مسکینوں کے حقوق	219
218	ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے	220
219	حسنِ اخلاق سے پیش آنا ضروری	221

220	سفید داڑھی والے سے اللہ تعالیٰ بھی حیا کرتے ہیں	222
221	والدین کی عظمت	222
222	اولاد کے حقوق	224
223	شوہر کے حقوق	225
224	بیوی کے حقوق	225
225	بہنوں، بھائیوں چچا اور خالہ کے حقوق	227
226	ولایت کے لئے کرامت کا ظاہر ہونا شرط نہیں ہے	228
227	شہد کی مکھی اللہ کی ایک نشانی	230
228	شاہ روم کے سات سوالات اور جوابات	231
229	دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے بہت کم ہے	233
230	شیطان انسان کو اندھیر نگری کی طرف لے جارہا ہے	236
231	اے یوروپ اور امریکہ والو! مسلمان ہوجاؤ!	240
232	ایک حبشی غلام کی سخاوت اور ایثار	241
233	علم کی عظمت واہمیت اور اہل علم کا مقام	243
234	ہواؤں کو تابع فرمان کردیا	246
235	شاندار مثال	247
236	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی چھ نصیحتیں	248
237	غریبی اور خوش حالی	248
238	صفوں کو سیدھا اور برابر رکھنے کا حکم ہے	249
239	غیبت مردار کھانے سے بھی زیادہ سخت ہے	253
240	کسب حلال کی اہمیت اور فضیلت	257
241	چوری	258
242	ناپ تول میں کمی	259

243	رشوت	259
244	شراب کی خرید وفروخت	260
245	سود	260
246	جوا	261
247	پانچ قیمتی عادتیں	261
248	حلال کی برکت اور حرام کی نحوست	265
249	حرام مال کی نحوستیں	267
250	ناجائز ذرائع آمد پر وعیدیں	267
251	ملاوٹ کی نحوست	268
252	حضور اکرم ﷺ کی نظر میں طاق اعداد ''تین مفید عادتیں''	268
253	تین سعادتیں	269
254	تین مبارک صفات	269
255	تین محروم	270
256	تین تباہ کاریاں	270
257	تین چیزوں سے حفاظت	271
258	تین قیمتی چیزیں	271
259	تین نعمتیں دنیا جہاں سے بہتر	272
260	انسان کے تین دوست	272
261	دعوت وتبلیغ کا حق کس کو ہے؟	273
262	ایک عبادت گزار بندے کی ہلاکت کا واقعہ	274
263	اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی اہمیت	275
264	دنیا بدصورت بڑھیا کی صورت میں	276
265	دنیا سے محبت کا انجام تباہی	277

266	دنیا کی محبت سے دل مرجاتا ہے	279
267	تقدیر پر راضی رہنے کی عجیب وغریب مثال	280
268	انفاق فی سبیل اللہ کی مثال!	280
269	جانوروں پر بزرگوں کے اثرات	281
270	خانقاہ والوں کیلئے جنت میں یاقوت کے ستون، زمرد کے بالاخانے	283
271	مجالس ذکر سے گناہ نیکیوں میں بدل جاتے ہیں	286
272	مجلس ذکر پر اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے فخر فرمانا	286
273	اللہ کے حضور مقبولیت کی عجب مثال	287
274	بت پرستوں کی حمایت پر عبرت ناک انجام	288
275	عذاب قبر کا عبرت ناک واقعہ	292
276	ایک چرواہے کا اعلیٰ مقام	295
277	اسود چرواہا	296
278	حضور ﷺ سے مکالمہ	296
279	اسود مسلمان ہوگیا	297
280	پہلے بکریاں مالکوں تک پہونچاؤ	298
281	سخت حالات میں امانت کی پاسداری	298
282	تلوار کے سائے میں عبادت	299
283	جنت الفردوس میں پہنچ گیا	299
284	امانت کی اہمیت کا اندازہ لگائیں	300
285	شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ پر ابلیس لعین نے جال پھینکا	301
286	اخلاق سے واقف ہونا الگ ہے اور مزین ہونا الگ	302
287	علم اور عمل دو الگ الگ چیزیں ہیں	302
288	اپنے ہاتھ میں کسی نفع ونقصان کو نہ سمجھے	303

289	مسلمانوں کے عیوب بیان کرنا غیبت ہے	304
290	ایک بزرگ کا واقعہ ہے	306
291	والدین کا نافرمان جنت کی خوشبو سے محروم رہتا ہے	307
292	نگاہیں نیچی رکھنے کی خیر وبرکات	311
293	قلعے کا محاصرہ کرنا	311
294	مومن کی فراست سے بچو	312
295	پورا لشکر بازار سے گزر گیا	313
296	یہ منظر دیکھ کر اسلام لائے	313
297	کیا اسلام تلوار سے پھیلا ہے؟	314
298	مرید کون ہے اور مراد کس کو کہتے ہیں؟	314
299	شکر، نفس انسانی کے درجۂ کمال کی نشانی ہے!	316
300	مغفرت تو ہوگئی رزق کریم کا انتظار ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا	321
301	کیسی شان بندگی ہے	321
302	صدقہ اور خیرات کی اہمیت	322
303	شوہر کے مال سے بیوی کا صدقہ کرنا	324
304	بدبخت ہیں وہ لوگ	326
305	بعض مشائخ صفتِ تعظیم میں خدا کا شریک بننا چاہتے ہیں؟	330
306	شیطان کا حملہ چار اطراف سے	332
307	اپنے لقموں کو پاکیزہ بنانے والے	333
308	پرہیزگار لوگ	334
309	ولی	334
310	عارف	334
311	''مرید کے اوصاف''	337

312	ظاہری و باطنی طہارت	337
313	عشقِ مجازی کا عجیب واقعہ	341
314	عشقِ الٰہی سے سرشار اولیاء کی کیفیات	343
315	قرآن مجید سے محبت کا عجیب وغریب واقعہ	347
316	واعظین کے لئے ضروری سبق	348
317	مومن کی صفتِ خاص	350
318	آج کے دور میں خیانت کا بازار گرم ہے	350

انتساب اور ثواب

بحمد اللہ تعالیٰ اسرارِطریقت کا انتساب اور ثواب میں اپنے دادا جان حضرت الحاج محمد عمران صاحب نوراللہ مرقدہٗ اور محترمہ دادی اماں اصغری بیگم صاحب خلد آشیاں کے نام معنون کررہا ہوں جن کی آغوشِ تربیت میں والد بزرگوار حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم محمد ادریس حبان رحیمی عمت فیوضہم پروان چڑھے اور جن کے سایۂ عاطفت میں ہم تمام برادران اور ہمشیرہ صاحبان کی تربیت اور پرورش ہوئی۔ اے اللہ! ان کی قبروں کو نور سے منور فرما اور ان کے درجات کو اپنی شایانِ شان بلند فرما، آمین!

دعا کا طالب

محمد عثمان حبان دلدار قاسمی

ناظم تعلیمات دارالعلوم محمدیہ بنگلور

مورخہ ۱۲؍جون ۲۰۱۴ء مطابق ۱۳؍شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ بروز جمعرات

شکروسپاس

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ. اَمَّابَعْد

یہ محض اللہ تعالیٰ کا شکر واحسان ہے کہ نہایت قلیل عرصہ میں میرے والد اور میرے شیخ حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم محمد ادریس حبان رحیمی حفظہ اللہ کی بہت سی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں، مثلاً ''خوابوں کی تعبیر اور ان کی حقیقت اور انوار السالکین، انوارِطریقت، تصوف کی حقیقت قرآن وحدیث کی روشنی میں'' اور اب ''اسرارِطریقت'' بھی آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ باقاعدہ تصنیف نہیں ہے بلکہ حضرتِ والا کی عمومی اور خصوصی مجالس میں جو مضامین اکابر واسلاف اور صالحین کے سنائے جاتے ہیں یا حضرتِ والا جو مضامین خود ارشاد فرماتے ہیں ان کو یکجا کرنے کا اہتمام رہتا ہے۔ اس مجموعے میں اکثر مضامین حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ہیں دیگر اکابر علمائے کرام اور مشائخ عظام کے ارشادات بھی شامل ہیں۔ ان کو جمع کرکے ترتیب دیا گیا ہے۔ حضرتِ والا نے ان کو خوب پسند فرمایا اور شائع کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

اللہ تعالیٰ اس مجموعہ ''اسرارِطریقت'' کو خواص وعوام کے لئے نافع بنائے اور مجھ حقیر کے لئے توشۂ آخرت بنائے آمین ثم آمین یارب العالمین۔

دعا کا طالب

محمد عثمان حبان دلدار قاسمی

ناظم تعلیمات دارالعلوم محمدیہ بنگلور

مورخہ ۱۲؍جون ۲۰۱۴ء مطابق ۱۳؍شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ بروز جمعرات

وہ اہل التقویٰ اور اہل المغفرہ ہے

وَمَا یَذْکُرُوْنَ اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ. ھُوَ اَھْلُ التَّقْوٰی وَاَھْلُ الْمَغْفِرَۃِ.

ترجمہ: اور وہ نصیحت قبول نہیں کریں گے بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ چاہتے، وہی اس قابل ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور وہی بخشنے کے لائق ہے۔ (سورہ المدثر:۵۶)

وہ بادشاہ ہے قادر مطلق ہے

فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ مُّقْتَدِرٍ.

ترجمہ: بڑی پسندیدہ جگہ میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے پاس (بیٹھے) ہوں گے۔ (سورہ القمر:۵۵)

جس نے قلم کو ذریعۂ علم بنایا

اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ. ترجمہ: جس نے علم سکھایا قلم کے واسطے سے۔ (سورہ الرحمٰن:۴)

موت وحیات کا وہی خالق ہے

لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ.

ترجمہ: اسی کے لئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ (سورہ الحدید:۲)

دنیا و آخرت سب اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے

فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى

ترجمہ: پس اللہ کے دست قدرت میں ہے آخرت اور دنیا۔ (سورہ النجم:۲۵)

دن کو رات میں، رات کو دن میں داخل کرتا ہے

يُوْلِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَهُوَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ.

ترجمہ: داخل فرماتا ہے رات (کا کچھ حصہ) دن میں اور داخل کرتا ہے دن (کا کچھ حصہ) رات میں اور وہ خوب جانتا ہے جو سینوں میں (پوشیدہ) ہے۔ (سورہ الحدید:۶)

اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں منع نہیں کرتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ نہیں کی اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا کہ تم ان کے ساتھ احسان کرو اور ان کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرو بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (سورہ الممتحنہ:۸)

اُن مجاہدین سے محبت جو صف باندھ کر باطل سے جنگ کرتے ہیں

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ.

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے ان (مجاہدوں) سے جو اس کی راہ میں جنگ کرتے ہیں صف باندھ کر گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ (سورہ الصّف:۴)

وہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يَا قَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ.

ترجمہ: اور یاد کر جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! تم مجھے کیوں ستاتے ہو۔ حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں پس جنہوں نے کجروی اختیار کی تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا اور اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں ہدایت نہیں دیتا۔ (سورہ الصّف:۵)

وہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰى اِلَى الْاِسْلَامِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ.

ترجمہ: اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھتا ہے حالانکہ اسے بلایا جا رہا ہے اسلام کی طرف اور اللہ تعالیٰ (ایسے) ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ (سورہ الصّف:۷)

وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا نِ انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ.

ترجمہ:اور(بعض لوگوں نے)جب دیکھا کسی تجارت یا تماشا کوتو بکھر گئے اس کی طرف اور آپ کو کھڑا چھوڑ دیا۔ (اے حبیب!انہیں)فرمایئے کہ جو نعمتیں اللہ کے پاس ہیں وہ کہیں بہتر ہیں لہو اور تجارت سے اور اللہ تعالیٰ بہترین رزق دینے والا ہے۔
(سورہ الجمعہ:۱۱)

قیامت کے روز دیدارِ الٰہی

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ. اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ.

ترجمہ: کئی چہرے اس روز تروتازہ ہوں گے اور اپنے رب(انوار جمال)کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔(سورہ القیمۃ:۲۳)

سب کو لوٹ کر ہماری طرف آنا ہے

اِنَّ اِلَيْنَا اِيَابَهُمْ. ترجمہ: بے شک انہیں(آخر)ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے۔(سورہ الغاشیہ:۲۵)

سب کا حساب ہم خود لیں گے

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ.

ترجمہ: پھر یقیناً ہمارے ہی ذمہ ان کا حساب لینا ہے۔(سورہ الغاشیہ:۲۶)

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کائنات میں کونسی چیز پیدا فرمائی؟

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ ہم سب کو نور اور روشنی عطا فرمائے بے شک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے وہ ان کو اندھیروں سے ''نور'' کی طرف نکالتا ہے.....اَللّٰهُمَّ اِهْدِنَا

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ وَاَخْرِجْنَا مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ. ''اے ہمارے پروردگار ہمیں سیدھے راستے پر چلا اور ہمیں اندھیروں سے نکال کر نور عطا فرما۔

حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بہت نور عطا فرمایا تھا مگر آپ ﷺ پھر بھی نور کا سوال کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے نور ہی نور اور نور ہی نور مانگتے تھے۔

''اے پروردگار میرے دل میں نور عطا فرما، میری قبر میں نور عطا فرما، میرے آگے پیچھے، دائیں بائیں، اوپر نیچے نور عطا فرما۔ میرے بالوں میں، میرے گوشت میں، ہڈیوں میں، کھال میں اور خون میں نور عطا فرما، یا اللہ میرے نور کو بڑھا اور مجھے نور عطا فرما''۔

نور مانگنے کی یہ دعائیں حدیث شریف میں مختلف الفاظ سے آئی ہیں اور آپ ﷺ مسجد جاتے وقت اور تہجد کے بعد خاص طور سے نور کی دعا مانگا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْراً وَفِيْ لِسَانِيْ نُوْراً وَّاجْعَلْ فِيْ سَمْعِيْ نُوْراً وَّاجْعَلْ فِيْ بَصَرِيْ نُوْراً وَّاجْعَلْ مِنْ خَلْفِيْ نُوْراً وَّمِنْ اَمَامِيْ نُوْراً وَّاجْعَلْ مِنْ فَوْقِيْ نُوْراً وَّمِنْ تَحْتِيْ نُوْراً اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ نُوْراً. (مسلم)

زبان میں نور، آنکھوں میں نور، کانوں میں نور ہر طرف نور ہی نور۔

بات بالکل واضح ہے کہ ہم ہر طرف سے اندھیروں میں گھرے ہوئے ہیں اور ہم نور کے بے حد محتاج ہیں اور اللہ تعالیٰ خود نور ہے۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. اور ہر نور اسی کی طرف سے ملتا ہے اور روشنی اسی کی طرف سے آتی ہے اور ہر نور کو اسی نے پیدا کیا ہے۔

''حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے بتایئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا؟'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جابر! اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں سے پہلے تمہارے نبی ﷺ کے نور کو اپنے نور کے فیض سے پیدا کیا پھر وہ نور جہاں اللہ تعالیٰ نے چاہا سیر کرتا رہا۔ اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم تھا، نہ جنت تھی نہ جہنم تھی، نہ فرشتہ تھا نہ آسمان تھا، نہ زمین تھی نہ سورج تھا، نہ چاند تھا نہ ستارے نہ انسان تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور سے چار حصے کئے ایک حصے سے قلم، دوسرے سے اور تیسرے سے عرش پیدا کیا''۔

(رواہ عبدالرزاق بسند، نشر الطیب)

حضور اکرم ﷺ سید البشر تھے۔ اور آپ ﷺ اولاد آدم علیہ السلام میں سے تھے۔ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ. (الکہف) آپ ﷺ سب انبیاء کے آخر میں تشریف لائے مگر آپ ﷺ کا نور مخلوق میں سب سے پہلے بنایا گیا، ایک روایت میں ہے۔

''حضرت آدم علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کا مبارک نام عرش پر لکھا ہوا دیکھا تھا اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا: اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔

(رواہ الحاکم صحیحہ، نشر الطیب)

دنیا کے خادم نہ بنو

دنیا میں مقسوم اس طرح مت کھا کہ وہ بیٹھی ہوئی ہو اور تو کھڑا ہو۔ بلکہ اس کو بادشاہ کے دروازہ پر اس طرح کھا کہ تو بیٹھا ہوا ہو اور وہ طباق اپنے سر پر رکھے ہوئے کھڑی ہو۔ دنیا خدمت کرتی ہے اس کی جو حق تعالیٰ کے دروازے پر کھڑا ہوتا ہے۔ اور جو دنیا کے دروازے پر کھڑا ہوا ہے اس کو ذلیل کرتی ہے۔ دنیا ہاتھ میں رکھنی جائز، جیب میں رکھنی جائز کسی اچھی نیت سے اس کو جمع رکھنا جائز، باقی قلب میں رکھنا جائز نہیں۔ دروازے پر اس کا کھڑا ہونا جائز باقی دروازے سے آگے گھسنا نہ جائز ہے نہ تیرے لئے عزت ہے۔ (شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ)

میں نے صرف آٹھ مسئلے سیکھے

ایک روز شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے حاتم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ تم نے کتنے دن میرے ساتھ گذارے ہیں؟ حاتم نے کہا تینتیس سال، شفیق نے کہا اس عرصے میں تم نے مجھ سے کیا سیکھا ہے؟ حاتم نے عرض کیا اس عرصے میں میں نے آٹھ مسئلے سیکھے ہیں، شفیق رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا کہ میں نے اپنی پوری زندگی تمہارے ساتھ ضائع کردی اور تم نے صرف آٹھ مسئلے حاصل کئے ہیں حاتم نے عرض کیا کہ اس سے زیادہ میں نے کچھ حاصل نہیں کیا۔ جھوٹ بولنا مجھے پسند نہیں۔ انہوں نے فرمایا اچھا بتلاؤ وہ کون کون سے مسائل ہیں جو تم نے اس عرصے میں مجھ سے سیکھے ہیں۔ حاتم نے ہر مسئلے کی الگ الگ تفصیل بیان کی۔

پہلا یہ ہے کہ میں نے ہر مخلوق پر نظر ڈالی۔ میں نے دیکھا کہ ہر شخص کا ایک محبوب ہے وہ قبر تک اپنے محبوب کے ساتھ رہتا ہے لیکن قبر میں پہنچنے کے بعد اسے اپنے محبوب سے جدا ہونا پڑتا ہے اس لئے میں نے نیکیوں کو اپنا محبوب ٹھہرایا تاکہ جب میں قبر میں جاؤں تو میرا محبوب بھی میرے ساتھ رہے۔

دوسرا یہ ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں غور وفکر کیا۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى. فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى. اور جو شخص دنیا میں اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو حرام خواہش سے روکا ہوگا سو جنت میں اس کا ٹھکانا ہوگا۔ (سورہ النازعات: ۴۰)

میں نے سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان حق ہے۔ اس لئے میں نے اپنے نفس کو خواہشات سے دور رکھنے کے لئے محنت کی، یہاں تک کہ وہ معبود حقیقی کی اطاعت پر جم گیا۔

تیسرا یہ ہے کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ قدر و قیمت رکھنے والی چیزوں کی دل وجان سے حفاظت کرتے ہیں اس کے بعد میری نظر اس آیت پر پڑی۔

مَا عِندَكُمْ يَنفَدُ وَمَا عِندَ اللّٰهِ بَاقٍ. اور جو کچھ تمہارے پاس (دنیا میں) ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ دائم رہے گا۔ (سورہ النحل:۹۶)

چنانچہ جو قیمتی چیز میرے ہاتھ لگی اسے اپنے پاس محفوظ رکھنے کے بجائے میں نے اللہ تعالیٰ کے یہاں بھیج دیا۔ چوتھا یہ ہے کہ میں نے ہر شخص کو مال، حسب ونسب اور عزت کی خواہش میں گرفتار پایا۔ حالانکہ حقیقت میں یہ سب چیزیں ہیچ ہیں۔ پھر میں نے اللہ کے اس ارشاد پر غور وفکر کیا۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ. اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ (سورہ حجرات:۱۳)

چنانچہ خدا تعالیٰ کے نزدیک عزت حاصل کرنے کیلئے میں نے تقویٰ اختیار کیا۔ پانچواں یہ ہے کہ میں نے لوگوں کو ایک دوسرے پر بدگمانی کرتے ہوئے دیکھا اس کی واحد وجہ جذبہ، حسد ہے، اسکے بعد میں نے باری تعالیٰ کے اس ارشاد پر غور کیا۔

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا.

دنیاوی زندگی میں ان کی روزی ہم نے تقسیم کر رکھی ہے۔ (سورہ الزخرف:۳۲)

چھٹا یہ ہے کہ میں نے لوگوں کو آپس میں دست وگریباں دیکھا، حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے صرف شیطان کو انسان کا دشمن قرار دیا ہے۔

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا.

یہ شیطان بے شک تمہارا دشمن ہے سو تم اس کو دشمن سمجھتے رہو۔ (سورہ فاطر:۶)

اس بنا پر میں نے صرف شیطان کو اپنا دشمن سمجھا اور یہ کوشش کی کہ اس سے بچتا رہوں۔ اس کے علاوہ میں نے کسی کی عداوت کو دل میں جگہ نہیں دی۔

ساتواں یہ ہے کہ میں نے دیکھا ہر شخص روٹی کے لئے بھاگ دوڑ میں مصروف ہے اس کے لئے اپنے کو ذلیل وخوار کر رہا ہے اور حلال وحرام کا امتیاز کو بیٹھا ہے حالانکہ قرآن پاک میں ہے۔

وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا. اور کوئی جاندار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو۔ (سورہ ہود:۶)

میں نے یہ خیال کیا کہ میں بھی ان حیوانوں میں سے ایک ہوں جن کے رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لی ہے چنانچہ تلاش معاش کے بجائے میں ان امور میں مصروف ہوا جو اللہ نے مجھ پر فرض کئے ہیں۔

آٹھواں یہ ہے کہ میں نے دیکھا کہ ہر شخص کسی نہ کسی چیز پر تکیہ کئے بیٹھا ہے۔ کوئی تجارت پر، کوئی اپنے پیشے پر، کوئی زمین وجائداد پر، کوئی صحت وتندرستی پر، جب کہ قرآن پاک میں یہ فرمایا گیا ہے۔

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ

اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ اس کے لئے کافی ہے۔ (سورہ الطلاق:۳)

اس لئے میں نے خدا تعالیٰ پر توکل کیا کہ درحقیقت وہی ذات میرے لئے بہت کافی ہے، شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اے حاتم! اللہ تجھے حسن عمل کی توفیق سے نوازے، جو کچھ تو نے اب تک سمجھا ہے وہی درحقیقت چاروں آسمانی کتابوں (قرآن، زبور، انجیل، اور تورات) کی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔ جو شخص ان آٹھ مسئلوں پر عمل کرتا ہے وہ شخص گویا ان چاروں کتابوں پر عمل پیرا ہے۔

حاصل گفتگو یہ ہے کہ اس طرح کا علم علمائے آخرت ہی حاصل کرتے ہیں۔ علماء دنیا تو ان علوم کی تحصیل میں مشغول رہتے ہیں جن کے ذریعہ مال مل سکے اور

منصب حاصل ہو سکے، ان علوم پر کوئی توجہ بھی نہیں دیتے جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ (ماخوذ از احیاء العلوم، ص: ۱۶۸، ۱۶۹)

ہر چیز کے دو پہلو

حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ دونوں ہم زمانہ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک بار شفیع بلخی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دوست ابراہیم ادہم کے پاس آئے اور کہا کہ میں ایک تجارتی سفر پر جا رہا ہوں سوچا کہ جانے سے پہلے آپ سے ملاقات کرلوں، کیونکہ انداز ہے کہ سفر میں کئی مہینے لگ جائیں گے اس ملاقات کے چند دنوں بعد ابراہیم ادہم نے دیکھا کہ شفیق بلخی دوبارہ مسجد میں موجود ہیں۔

پوچھا! آپ سفر پر نہیں گئے؟ فرمایا گیا تھا لیکن راستے میں ایک واقعہ دیکھ کر واپس ہوا، ایک غیر آباد جگہ پہنچا اور وہیں پراؤ ڈالا وہاں میں نے ایک چڑیا دیکھی جو اڑنے سے محروم تھی۔ مجھے اس کو دیکھ کر ترس آیا میں نے سوچا اس ویران جگہ پر چڑیا اپنی خوراک کیسے پاتی ہوگی۔ میں اس سوچ میں تھا کہ اتنے میں ایک چڑیا آئی اس نے اپنی چونچ میں کوئی چیز دبا رکھی تھی۔ وہ معذور چڑیا کے پاس اتری تو اس کے چونچ کی چیز اس کے پاس گر گئی معذور چڑیا نے اس کو اٹھا کر کھالیا اس کے بعد آنے والی طاقتور چڑیا اڑ گئی۔ یہ منظر دیکھ کر میں نے کہا سبحان اللہ! خدا جب ایک چڑیا کا رزق اس طرح اس کے پاس پہونچا سکتا ہے تو مجھ کو شہر در شہر پھرنے کی کیا ضرورت کیا ہے۔ چنانچہ میں نے آگے جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور وہیں سے واپس چلا آیا۔

ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شفیق تم نے اپاہج پرندے کی طرح بننا کیوں پسند کیا؟ تم نے یہ کیوں نہیں چاہا تمہاری مثال اس پرندے کی سی ہو جو اپنے قوت بازوں سے خود بھی کھاتا ہے اور اپنے ہم جنسوں کو بھی کھلاتا ہے شفیق بلخی نے یہ سنا تو

ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ چوم لیا اور کہا کہ ابو اسحاق تم نے میری آنکھ کا پردہ ہٹا دیا وہی بات صحیح ہے جو تم نے کہی، ایک ہی واقعہ ہے اس سے ایک شخص نے بے ہمتی کا سبق لیا اور دوسرے شخص نے ہمت کا۔

اس طرح ہر اوقعے میں بیک وقت دو پہلو موجود ہوتے ہیں۔ یہ آدمی کا اپنا امتحان ہے کہ وہ کس واقعے کو کس زاویہ نگاہ سے دیکھتا ہے ایک زاویہ سے دیکھنے میں ایک چیز بری نظر آتی ہے دوسرے زاویہ سے دیکھنے میں وہی چیز اچھی بن جاتی ہے۔ ایک رخ سے دیکھنے میں ایک واقعہ میں منفی سبق ہوتا ہے اور دوسرے رخ سے دیکھنے میں مثبت سبق۔ (راز حیات)

بھائی چارے کا فلسفہ

ہندوستان کے مہاتما گاندی نے ایک مرتبہ کہا کہ: اسلام امن اور شانتی کا مذہب ہے۔ ہندوستان کی کلچرل زندگی میں اسلام نے بھائی چارے کا فلسفہ اور خدائی وحدت کا نظریہ دیا قرآن پاک نے واضح ہدایت دی ہے کہ مذہب کی تبدیلی کے معاملے میں جبر کی اجازت نہیں ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا ہے کہ کافروں کو اپنے دائرے میں لانے کے لئے زور زبردستی نہیں ہونی چاہئے۔ آج تک میرے سامنے ایسا کوئی معاملہ نہیں آیا جس میں کسی مسلمان نے زبردستی کسی کو مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کر دیا ہو۔ میں نے قرآن پاک کا کئی بار مطالعہ کیا ہے چونکہ میں اسلام کو خدا کیا نازل کا ہوا مذہب تصور کرتا ہوں اس لئے قرآن کو بھی الہامی کتاب سمجھتا ہوں۔ قرآن عدم تشدد کی تحریک دیتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''لوگو! تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آئی ہے یہ وہ چیز ہے جو دلوں کے امراض کے لئے شفا ہے اور جو اسے قبول کرلیں ان کے لئے رہنمائی اور رحمت ہے''۔ (سورہ یونس)

معالجین اب صدیوں پرانی اس حقیقت کے معترف ہوگئے ہیں کہ شفا من جانب اللہ ہوتی ہے اور معالج صرف ایک ذریعہ ہوتا ہے۔ معالج ایک ہی مرض میں مبتلا دو مریضوں کو یکساں دوا دیتے ہیں یا یکساں آپریشن کرتے ہیں۔ دونوں مریضوں کو لاحق خطرات کی نوعیت یکساں ہوتی ہے لیکن ان میں سے ایک صحت مند ہوجاتا ہے اور دوسرا زندگی ہار بیٹھتا ہے۔ اسے محض قسمت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ یہ اس سے بھی اعلیٰ اور ارفع چیز ہوتی ہے۔ پروردگار عالم فرماتا ہے ''اور اگر اللہ تمہیں کسی قسم کا نقصان پہنچائے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو تمہیں نقصان سے بچاسکے''۔ (سورہ الانعام)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تھا ''اور جب میں بیمار ہوتا تو وہی مجھے شفا دیتا ہے''۔ (سورہ الشعراء)

بقول سقراط ''میں زخموں کی مرہم پٹی کرتا ہوں، انہیں اچھا اللہ کرتا ہے''۔

قرآن سے شفا

مسلمانوں کی الہامی کتاب قرآن مجید طب کی درستی کتاب نہیں ہے۔ لیکن اس میں بعض ایسی ہدایات ضروری دی گئی ہیں جن پر عمل پیرا ہوکر صحت وشفا کا سامان کیا جاسکتا ہے۔ قرآن خود کو بھی کتاب شفا قرار دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آئی ہے یہ وہ چیز ہے جو دلوں کے امراض کے لئے شفا ہے اور جو اسے قبول کرلیں ان کے لئے رہنمائی اور رحمت ہے''۔ (سورہ یونس)

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے ''ہم اس قرآن کے سلسلہ تنزیل میں وہ کچھ نازل کررہے ہیں جو ماننے والوں کے لئے شفا اور رحمت ہے''۔ (سورہ بنی اسرائیل)

قرآن مجید سے تین قسم کی شفا نصیب ہوتی ہے۔

قانون سازاثر

اس میں اس بات پر ایمان بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کبیر یا نہ صرف خالق ہے بلکہ رازق، حامی، اور محافظ بھی ہے۔ اس میں فرض کردہ نمازوں، روزوں، خیرات اور حج سے حاصل ہونے والے طبی فوائد بھی شامل ہیں۔

صحت کے رہنما اصول

قرآن کریم اور احادیث رسول ﷺ میں جن صحت بخش اجزاء کا ذکر کیا ہے ان میں شہد کے استعمال، زیتون کے پھل اور اس کے تیل کے فوائد اور بغیر چربی کے عضلاتی گوشت کی خوبیوں کا ذکر بھی ہے۔ اس کے ساتھ بسیار خوری (بہت زیادہ کھانے) اور خنزیر کے گوشت اور دوسرے غلط اور حرام کاموں سے پرہیز شامل ہے۔

قرآن کے براہ راست شفائی اثرات

یہ بات دیکھی گئی ہے کہ جب بھی مریض خود یا اس کیلئے کوئی اور شخص قرآن کی تلاوت کرتا ہے تو اس کا مریض پر براہ راست شفائی اثر مرتب ہوتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ یہ اثرات ''گونج'' کے طبی فوائد کا نتیجہ ہوں۔ آواز کی گونج ایک نہایت طاقتور قوت ہے جس سے پہاڑ تک اڑ جاتے ہیں۔ اب اسی گونج کو چھوٹے اور محدود پیمانے پر استعمال کرکے طب نہ صرف گردوں اور پتے کی پتھریاں لیتھوٹرپسی کے ذریعہ توڑ رہی ہے بلکہ قلب کی شریانوں کی بیکٹریائی رسولیوں کا علاج بھی کررہی ہے۔

تلاوت قرآن کے اثرات سے ظاہر ہوا کہ قرأت کے سننے سے بلڈ پریشر کم ہوجاتا ہے، قلب کی رفتار معقول اور متوازن ہوجاتی ہے اور عضلات ڈھیلے پڑ جاتے

ہیں۔ یہ اثرات مسلمان عربوں کے علاوہ غیرعرب مسلمانوں اور غیر مسلموں تک میں دیکھے گئے ہیں۔ یہ فرض کیا جاتا ہے کہ الم کی گونج قلب اور سورہ یٰسین کی گونج دماغ کے کاغذنخامیہ (پچویڑی گلینڈ) کو متاثر کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے خاموشی کے بجائے بلند آواز سے تلاوت قرآن کی ہدایت فرمائی ہے۔

حضور ﷺ نے خاموش تلاوت اور باآواز بلند قرأت قرآن کا مقابلہ عطر کی بند اور کھلی شیشی سے اٹھنے والی خوشبو جیسی ہوتی ہے''۔

ذکراللہ کے شفائی اثرات

ہمیں جس ذکر کی ہدایت کی گئی ہے اس سے مراد دراصل ذات باری تعالیٰ کو یاد کرکے اس سے اپنا تعلق (تعلق مع اللہ) قائم کرنا ہے ارشاد الٰہی ہے: ''اور اے نبی ﷺ! میرے بندے! اگر تم سے میرے بارے میں پوچھیں تو انہیں بتادو کہ میں ان سے قریب ہی ہوں۔ پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہوں۔ لہٰذا انہیں چاہئے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں۔'' (سورہ البقر) ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے ''تمہارا رب کہتا ہے، مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا'' اللہ عالیٰ کا فرمان ہے ''ایسے ہی لوگ ہیں وہ جنہوں نے (اس نبی کی دعوت کو) مان لیا ہے اور ان کے دلوں کو اللہ کی یاد سے اطمینان نصیب ہوتا ہے اور میرا شکر ادا کرو، کفران نعمت نہ کرو''۔ (سورہ البقر)

ایک اور جگہ فرمایا گیا ہے: ''اپنے رب کو بہت یاد کرنا اور صبح وشام میری تسبیح کرتے رہنا''۔ (سورہ آل عمران)

ایک اور جگہ فرمایا ہے: ''اور مرد اور عورتیں اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں، اللہ نے ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے''۔ (سورۃ الاحزاب)

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کو کثرت سے یاد کرو اور صبح وشام اس کی تسبیح کرتے رہو''۔ (سورہ الاحزاب)

مغربی ممالک جس راستے پر جارہے ہیں، اسی راستے پر ہم بھی چل پڑے ہیں اور جس طرح وہاں مرد وعورت کا آزادانہ اختلاط ہے ہر ہر قدم پر مرد اور عورت گھلے ملے ہیں اور دونوں میں کوئی امتیاز نہیں، وہی حال ہمارے یہاں ہو رہا ہے، ہماری شادیوں کی دعوتوں میں بھی خواتین بن سنور کر، بناؤ سنگھار کے ساتھ، زیب وزینت کے ساتھ آتی ہیں اور آنے کا بڑا مقصد اپنے لباس اور اپنے زیور کی نمائش ہوتی ہے اور ان دعوتوں میں مرد وعورت کا مخلوط اجتماع ہوتا ہے، ایک زمانہ وہ تھا جب مردوں کی نشست الگ ہوتی تھی، عورتوں کی نشست الگ ہوتی تھی اب وہ قصہ ہی گم ہوگیا۔ اب تو شادی بیاہ کی تقریبات میں مرد وعورت آزادانہ ایک دوسرے سے مل رہے ہیں ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں اس کے نتیجے میں معاشرے کے اندر جو فساد پھیل رہا ہے وہ ہر شخص دیکھ سکتا ہے دن رات گھروں میں لڑائیاں ہیں، فتنے ہیں اور ناجائز تعلقات قائم ہو رہے ہیں۔

بے پردگی کا سیلاب آچکا ہے

یہ سب نبی کریم ﷺ کی تعلیمات سے بغاوت کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ قرآن کریم کہہ رہا ہے کہ عفت اختیار کرو، عصمت اختیار کرو، پاک دامن بنو، لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ان چیزوں کو حاصل کرنے کے لئے جو راستے شریعت نے بتائے ہیں ان میں سے جو ایک اہم راستہ ''پردہ'' کا تھا وہ ہم نے چھوڑ دیا ہے۔ اور بے پردگی کا یہ سیلاب پچھلے تقریباً سو سال سے امڈا ہے ورنہ اس سے پہلے اس بات کا تصور تک نہیں تھا کہ مسلمان عورت بے پردہ ہوکر باہر نکلے گی۔ اور پردہ کا یہ سلسلہ صدیوں

سے چلا آرہا تھا۔لیکن جب انگریز کے اقتدار کا زمانہ آیا تو اس نے لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ مہذب ہونے، تعلیم یافتہ ہونے اور موڈرن ہونے کی ایک نشانی یہ ہے کہ عورت بے پردہ ہو، اس وقت سے ہمارے معاشرے میں بے پردگی شروع ہوئی۔اور جب یہ بے پردگی شروع ہوئی تھی اس وقت اِکّا دُکّا خواتین نے پردہ چھوڑ تھا، بیشتر خواتین پھر بھی پردے سے رہتی تھیں، لیکن رفتہ رفتہ بے پردگی کی مقدار بڑھتی چلی گئی۔اس وقت اکبرالہ آبادی نے کہا تھا کہ:

بے پردہ نظر آئیں کل جو چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو اُن سے پردہ تمہارا وہ کیا ہوا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

عورت کی عقل پر پردہ

اکبر مرحوم نے بڑی حقیقت کی بات بیان کی کہ درحقیقت یہ پردہ جو عورت کا تھا، مرد کی عقل پڑ گیا، لیکن میں کہوں گا کہ عورت کی عقل پر زیادہ پڑ گیا اس لئے کہ وہ مغرب کے فریب اور دھوکے میں آ گئی اور اپنی عقل سے کچھ نہیں سوچا کہ میرے لئے کیا مفید ہے اور کیا نقصاندہ ہے۔سب سے زیادہ فراڈ تو اس عورت کے ساتھ کھیلا گیا اور سب سے زیادہ پردہ تو اسی کی عقل پر پڑا کہ اس نے اپنے عفت وعصمت کا مقام چھوڑ کر اور عزت واحترام کا مقام چھوڑ کر اپنے آپ کو ایک بکاؤ مال بنا دیا۔

پروپیگنڈے کا اثر

اللہ بچائے یہ پروپیگنڈہ ایسی چیز ہے جو جھوٹ کو سچ بنا دیتا ہے، چنانچہ پردہ کے معاملے میں پروپیگنڈے کے ذریعے جھوٹ کو ایسا سچ بنایا گیا ہے کہ آج مرد

وعورت سب اس جھوٹ کے فریب کے اندر مبتلا ہیں، آج مغربی قوم کا یہ وطیرہ ہو گیا ہے کہ پروپیگنڈے کے زور پر جس جھوٹ کو چاہے سچ بنا کر دکھا دے، اس جھوٹے پروپیگنڈے نے سارا نظام الٹ کر کے رکھ دیا ہے۔

حضور سرورِ کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''عاقل وہ ہے جو اپنے نفس کے ساتھ محاسبہ کرتا رہے اور مرنے کے بعد کے لئے درستی اعمال اختیار کرے اور احمق وہ ہے جو اپنے نفس اور خواہشات کے پیچھے دوڑتا رہے اس پر بھی خدا سے مغفرت کی امید رکھے۔ان دونوں باتوں کے جاننے کے بعد تم سمجھو کہ یہ لوگ اپنے آپ کو ساری مخلوقات سے حقیر وذلیل سمجھتے ہیں۔

لَا یَرَوْنَھَا اَھْلاً لِشَیْئٍ مِّنَ الْخَیْرِ لَا دِیْنًا وَلَا دُنْیَا (وہ اپنے آپ کو کسی خیر وصلاح کا اہل نہیں پاتے، دنیاوی ہو یا دینی) کیونکہ ان لوگوں نے دیکھا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے نبوت کی بزرگی کے باوجود فرمایا: وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ (میں اپنے نفس کو پاک نہیں سمجھتا، کیوں کہ یہ برائی کی طرف لے جاتا ہے)۔

بیعت کا مقصد حقیقی

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ ومولانا محمد طاہر صاحب رحمۃ اللہ علیہ دونوں صاحبزادوں کو شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پاس بٹھایا اور باضابطہ بیعت فرمایا اس کے بعد آدھ گھنٹے تک مختلف نصیحتیں فرماتے رہے۔ان نصیحتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ بیعت کا مقصد یہ نہیں ہے کہ اس سے کوئی دنیاوی عزت یا دولت مل جائے گی بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ نفس اور باطن کی اصلاح ہو جائے۔اور وہ مذہبی اور پاکیزہ ہو جائے۔کیونکہ انسان کے نفس کے ساتھ ہزاروں روگ لگے ہوئے ہیں۔جیسے

تکبر، حسد، حرص، کینہ، بغض، عداوت اور عناد وغیرہ۔ دنیاوی فسادات بھی انہی سے پیدا ہوتے ہیں اور انسان کی آخرت بھی انہی سے برباد ہوتی ہے۔ بیعت کا منشا یہ ہے کہ اخلاق ذمیمہ مغلوب ہو جائیں اور اخلاق فاضلہ غالب آ جائیں، جیسے انابت الی اللہ، صبر و شکر، حیا و سخا، غیرت و حمیت اعتماد علی اللہ اور توکل وغیرہ۔ اور یہ چیزیں کثرت ذکر سے پیدا ہوتی ہیں جس قدر ذکر کیا جائے گا اخلاق فاضلہ اسی انداز سے قوی ہوں گے اور طاعت کی رغبت پیدا ہوگی۔ اور اسی کے ساتھ معصیت سے نفرت بڑھتی جائے گی۔ (حکیم الاسلام)

قاضی یحییٰ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک استاد تھے جن کا نام قاضی یحییٰ ابن اکثم رحمۃ اللہ علیہ تھا مرنے کے بعد ان سے خدا تعالیٰ نے مواخذہ فرمایا کہ او بوڑھے تو نے ایسا کیوں کیا؟ یہ خاموش کھڑے ہو گئے، کہا بولتے کیوں نہیں، سوچ کیا رہے ہو۔ کہا آپ کے رسول کے ذریعے جو بات معلوم ہوئی تھی اس کے خلاف معاملہ دیکھ رہا ہوں۔ اس لئے یہ سوچ رہا ہوں کہ اس حدیث کی سند میں غلطی ہوگئی ہے۔ یا متن حدیث میں غلطی ہوگئی ہے فرمایا کیا حدیث ہے؟ عرض کیا کہ سند سے یہ حدیث پہونچی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بوڑھے مسلمان سے شرم آتی ہے۔ اور میں بوڑھا ہوں اور معاملہ یہ دیکھ رہا ہوں۔ فرمایا کہ سند بھی درست ہے راوی بھی سب ٹھیک ہیں متن حدیث بھی سب صحیح ہے واقعی ہم بوڑھے مسلمان سے حیا کرتے ہیں جاؤ تم کو اسی بناء پر بخشتے ہیں۔

حاصل یہ کہ اپنی اولاد کے بارے میں حسن ظن رکھے کہ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ ان کو ضائع نہیں کرے گا۔ یہی نہیں کہ صرف دینی امور میں حسن ظن کا حکم ہے اور دنیاوی میں نہیں۔ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے دنیا کے بارے میں اور روزی کے بارے

میں بھی اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھنا چاہئے کہ جو معاملہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے وہ خیر ہی خیر فرمائیں گے۔ اسی میں ہماری ہر طرح کی بھلائی ہوگی۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں بیعت کے وقت جب کسی کا ہاتھ پکڑتا ہوں تو نیت یہ ہوتی ہے کہ اگر کل قیامت کے دن میرا ہاتھ غالب رہا تو اس کو بخشواؤں گا۔ اور اگر اس کا (یعنی مرید کا) ہاتھ غالب رہا تو انشاء اللہ وہ مجھے بخشوائے گا۔ سبحان اللہ۔

حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں یہ تھا کہ جب محبت انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو محبوب کے اوصاف محبّ میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ مجنون کا یہ حال تھا کہ جب کوئی لیلیٰ کو پکارتا تھا تو وہ یہ سمجھتا تھا کہ مجھے پکارا گیا ہے اور یہ کہتا تھا کہ لیلیٰ تو میں ہی ہوں!

اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ صبح سے ایک بات میرے جی میں بھی آ رہی ہے کہ محبت میں جب محبوب کی صفات محبّ میں آ جاتے ہیں اور محبّ اپنے آپ کو یہی سمجھنے لگتا ہے کہ میں ہی محبوب ہوں جیسا کہ مجنون اپنے آپ کو لیلیٰ سمجھتا تھا۔

تو منصور نے جو انا الحق کہا وہاں بھی یہی صورت ہوئی کہ منصور نے اپنے آپ کو فنا کر لیا تھا اور ان کا وجود ذات باری تعالیٰ میں فنا ہو چکا تھا اس لئے انہوں نے انا الحق کہا چونکہ مبتداء خبر میں جو حمل ہوتا ہے وہ دونوں مفہوم کے اعتبار سے الگ الگ ہوتے ہیں لیکن وجود کے اعتبار سے ایک ہوتے ہیں مثلاً زید ''شاعر'' اس جملہ اسمیہ میں زید کا مفہوم الگ ہے۔ اور شاعر کا الگ ہے لیکن شاعر زید کے اندر ایسا فنا ہو چکا ہے کہ زید کی جو شخصیت ہے وہی شاعر بھی ہے۔

اسی طرح انا الحق میں انا فنا ہو کر حق میں ایسا ختم ہو چکا ہے کہ انا کا کوئی مستقل وجود باقی نہیں رہا۔ اس کے برعکس فرعون نے جو 'انا ربکم الاعلیٰ' کا دعویٰ کیا اس میں

اس نے اپنی ذات اور انانیت کو فنا کر کے ربکم الاعلیٰ میں صنم کرنے کے بجائے ربکم الاعلیٰ کو اپنے اندر ختم کرنا چاہا تھا تو وہ مارا گیا۔

انا الحق کی اور توجیہہ بھی ہوسکتی ہیں ان میں سے ایک توجیہہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ انا الحق خود متکلم کا کلام نہیں ہے بلکہ ایک آواز ہے جو انہوں نے سنی تھی۔

مولانا گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اصلاح میں سختی

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ اصلاح میں سختی کرتے تھے بہت ڈانٹتے تھے، اور ایسی سختی کرتے کہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے آدمی گھبرا گئے۔ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے خود لکھا ہے (یعنی کانپور سے گنج مرادآباد مولانا سے ملنے جانے کا واقعہ پھر فرمایا کہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے یہاں حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی آئے ہیں اور وہ تین دعا کر کے آئے۔

ایک تو یہ کہ کسی سے راستہ پوچھنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ بغیر راستہ پوچھے وہاں تک پہونچ جاؤں۔ ایک یہ کہ مجھ سے ناراض نہ ہوں۔ ایک یہ کہ مجھے دعا دیدیں۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ راستہ پوچھنے کی نوبت نہیں آئی بغیر راستہ پوچھے وہاں پہنچ گئے، ناراض بھی نہیں ہوئے ان پر اور دعا بھی دیدی پھر فرمایا کہ مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کے یہاں آئے ہیں ان کو دور سے آتے دیکھ کر ہی ناراض ہوگئے کہ یہاں آنے کی ضرورت نہیں۔ واپس ہوجاؤ، وہ واپس ہوگئے۔ اس کے بعد یکا یک الہام ہوا کہ بڑے اونچے آدمی ہیں، فوراً ایک آدمی بھیجا کہ ایسی ایسی صورت کے آدمی ہیں ان کو بلا کر لاؤ وہ گیا اور مفتی صاحب کو بلا لایا یہ آگئے تب ان کا اعزاز فرمایا۔

رگ رگ سے کھوٹ نکل جائے تب جنت میں جائے گا

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوب میں مثال دی ہے۔ ایک کپڑا ہے اس میں میل لگا ہوا ہے اس کو دھوبی کے یہاں دیا جاتا ہے دھوبی اس کو دھوتا ہے اٹھا اٹھا کر سر کے اوپر سے پتھر پر دے مارتا ہے لاٹھی سے پٹائی کرتا ہے اس کے اوپر ریہہ ڈالتا ہے راستہ میں بچھا دیتا ہے چلنے والے اس کے اوپر سے گذرتے ہیں بھٹی پر رکھتا ہے اس کو جلاتا ہے اس کو خوب پکاتا ہے تاکہ اس کے تاگہ تاگہ سے رگ رگ سے میل نکل جائے لکڑی سے کوٹتا ہے ابرق اس پر ڈالتا ہے اس کو پھیلا دیتا ہے ان سارے مراحل کے بعد وہ اس قابل ہوتا ہے کہ وہ شہزادے کا لباس بن سکے شہزادہ اس کو پہن سکے یہ اس کی ذلت ہوئی نیچے بچھا دیا لوگ اس کے اوپر کو چل رہے ہیں ریہہ ڈالدی لاٹھی سے پٹائی کی اس کے بعد اس کو کتنا بڑا عہدہ ملا مقام کتنا بڑا ملا اسی طریقہ پر جنت میں جانے کے لئے جو مقام حاصل کرنا ہے اس کے واسطے ضرورت ہے کہ اپنی رگ رگ سے ریشہ ریشہ سے کھوٹ نکل جائے، وہ یہیں ختم ہوجائے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی چَونّی

ارشاد فرمایا کہ ایک صاحب حج کو جارہے تھے راستہ میں بغداد پڑا تو وہاں ایک بزرگ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ رہتے تھے انہوں نے سوچا کہ ان سے بھی ملتا چلوں چنانچہ ان سے ملنے لگے تو حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا کہ کہاں جارہے ہو انہوں نے عرض کیا کہ حج کو جارہا ہوں تو حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے ایک چَونّی (درہم) دی یہ لے کر چلے تو راستہ میں ہر جگہ ان کو اپنی ضروریات مہیا ہوتی جاتی تھی کہیں ان کو خرچ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ واپسی پر حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت

فرمایا کہ ہماری چونّی (درہم) کی مہر کیسی پائی تو عرض کیا کہ بہت چالو پائی۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بس لاؤ ہماری چونی دیدو، چنانچہ انہوں نے واپس دیدی۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم راستے سے گزر رہے تھے۔ دیکھا کہ ایک صاحب اپنی جھونپڑی کی مرمت کررہے ہیں۔ جب آپ قریب سے گزرے آپ نے ان سے پوچھا کہ کیا کررہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہماری جھونپڑی کچھ کمزور ہوگئی تھی۔ میں اس کی کچھ مرمت کررہا ہوں۔ آپ نے ان کو منع فرمایا کہ یہ مرمت مت کرو لیکن بس ایک جملہ ارشاد فرمادیا کہ **ما اریٰ الا اعجل من ذلک** یعنی جو وقت موت کا آنے والا ہے وہ مجھے اس سے بھی جلدی نظر آتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کا جو وقت ہے جلدی آسکتا ہے کہ اگر اس کا استحضار ہو تو پھر آدمی کو اس بات کی فکر نہیں ہو۔ میری جھونپڑی کمزور ہوگئی ہے۔ اس کو درست کرلوں۔ اشارہ اس بات کا فرمادیا کہ اس جھونپڑی کو اور اس گھر کو درست کرتے ہوئے ذہن میں یہ آجائے کہ یہ میرا ہمیشہ کا گھر ہے اور ہمیشہ مجھے اس میں رہنا ہے۔ بلکہ یہ خود کہ تمہیں تو آگے جانا ہے۔ یہ گھر تو تمہارے سفر کی ایک منزل ہے سفر کی منزل بقدر ضرورت انتظام کرلو اس سے زیادہ مت کرو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت کا یہ انداز تھا۔

غم معتدل کی حکمت

غم کا علاج یہ ہے کہ سوچو مت، خیال مت کرو، تذکرہ مت کرو، صورت میں غم تو ہوگا مگر معتدل غم ہوگا اور وہ مضر نہیں بلکہ مفید ہے کیونکہ قدر طور پر غم میں بھی حکمت اور نفع ہے اگر غم نہ ہو تو تمدن نہ ہو اور غم کی بڑی مصلحت ہے کہ وہ محافظ ہے ترحم کا۔ پس غم مفید ہے چیز ہے مگر کس قدر؟ جس قدر حق تعالیٰ کا ہوا ہے یعنی طبعی، باقی آگے حواشی جو ہم نے بڑھا لئے ہیں وہ برے ہیں۔ (کمالات اشرفیہ ص ۴۹)

صبر و مقاومت کرنا بڑی ہمت کا کام ہے مگر امتثال امر میں بعض ہو جاتا ہے چنانچہ اہل ظاہر نے اس غلو سے ضروری اجتہاد کو بھی ترک کردیا یہ بھی چاہئے افراد و تفریط تو ہر چیز میں مذموم ہے ضرورت ہر امر میں اعتدال کی ہے۔ (آداب المصاب)

اسی طرح صبر کو دشوار نہ کرو، اہل مصیبت کا دل نہ گھوٹو، ان کو.. تذکرہ کی اور آنسو بہالینے اور کسی قدر رو لینے کی اجازت دو کہ اس سے تکلیف آسان ہو جاتی ہے۔ (آداب المصاب)

موت کی یاد میں اعتدال

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: **اَکْثِرُوْا ذِکْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ** ۔ یعنی لذتوں کو قطع کرنے والی موت کو بہت یاد رکھو۔ (ترمذی و ابن ماجہ) کیونکہ اس کی بدولت گناہ چھوٹ جاتے ہیں۔ لیکن موت کی یاد بھی اس وقت تک مستحسن ہے جب تک ذکر اللہ سے دل گھبرائے اور اگر خود ذکر اللہ کی طرف دھیان ہو تو ذکر اللہ کو چھوڑ کر ذکر الموت نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ موت کی یاد سے بھی مقصود یہی ہے کہ ذکر اللہ کی طرف دھیان ہونے لگے۔

دفع وساوس میں اعتدال

دفع وسوسات میں کوشش مبالغہ کے ساتھ نہ کریں اور اعتدال رکھیں۔ لیکن اعتدال ہر شخص کا جدا ہے جس میں تعب زیادہ ہو یا اصل مقصود میں خلل پڑنے لگے وہ اس شخص کا اعتدال نہیں۔ اس سے بھی خفیف اور سرسری کوشش کریں۔

(انفاس عیسیٰ، ج ۱ ص ۱۲۴)

خواب کا اعتدال

رویا صالحہ کا درجہ بھی شریعت میں متعین ہے نہ وہ محض از قبیل اوہام و اضغاث احلام (پریشان خیالات) ہے جیسا کہ بعض فلاسفہ اہل تفریط کا خیال ہے ورنہ لسان

شارع میں اس کا لقب مبشر نہ ہوتا اور نہ وہ حجت فی الاحکام اور مثبت حلال وحرام ہے جیسا کہ اکثر عوام وبعض خواص کا لعوام اہل افراط کا مقال ہے۔ (بوادرالنوادر)

اسی طرح بعض لوگ سرے سے خوابوں ہی کے منکر ہیں ان کے نزدیک خواب کی کوئی حقیقت نہیں حالانکہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر خوابوں کا ذکر ہے اسی طرح بعض اہل افراط نے اپنی جیتی جاگتی زندگی میں خوابوں کی دنیا کو اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے وہ اپنے ہر عمل کی دلیل خواب سے لاتے ہیں حالانکہ احکام شرعیہ کے مقابلہ میں خواب کوئی حجت نہیں۔

استخارہ میں اعتدال

حضرت رسول اللہ ﷺ تمام کاموں میں استخارہ کی تعلیم اس تاکید سے فرماتے جیسا کہ قرآن پاک کی سورت اہتمام کے ساتھ سکھلایا کرتے اور فرماتے جس کام میں تردد ہو دو رکعت نفل کے بعد دعائے مسنونہ استخارہ جو نماز کی ہر کتاب میں موجود ہے پڑھے۔ مقام افسوس ہے کہ اکثر مسلمان آج کل اس مسنون عمل کو ترک کر چکے ہیں اور بعض اہل افراط استخارہ اس غرض سے کرتے ہیں کہ کوئی واقعہ ماضیہ یا مستقبل معلوم ہوگا پس استخارہ اس غرض سے شریعت میں منقول نہیں۔ یہ تو محض کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے تردد کو رفع کرنے کے لئے ہے نہ کہ واقعات معلوم کرنے کیلئے بلکہ اس کے ثمرہ پر یقین کرنا بھی ناجائز ہے۔ (اغلاط العوام فی باب الاحکام)

تعویذات کا اعتدال

تعویذ دراصل ان باتوں کے لئے ہے جن کی دوا نہیں جیسے آسیب، نظر بد اور جن کا علاج وغیرہ۔ (حسن العزیز، ج۴، ص۳۹۶)

آج کل لوگ ہر بیماری کا علاج تعویذ سے کرنا چاہتے ہیں حالانکہ بیماری میں علاج معالجہ کرنا اور دوا کا استعمال کرنا سنت ہے۔

اسی طرح تعویذ گنڈوں میں اس قدر مشغولی کہ نماز باجماعت بھی چھوڑ دے یا عورتوں کا اختلاط یہ سب مذموم ہے۔

تبرکات کی زیارت میں اعتدال

تبرکات کے سلسلہ میں جہاں کوئی دلیل مکذب نہ ہو ہم کو تکذیب کی حاجت نہیں بالخصوص جہاں قرائن سے صدق غالب ہو وہ ظناً تبرک ہے گو یقیناً نہ سہی۔ اگر خلوت یا جلوت خاص میں بلا پابندیٔ رسوم (عورتوں مردوں کے مجمع میں اشعار ندائیہ پڑھنا یا زیارت کرانے والے کا معاوضہ مانگنا جو حرام اور رشوت ہے) زیارت سے مشرف ہو جائے اور کبھی کبھی بلاتعین وقت بطور خدمت کے خادم تبرکات کی خدمت میں کچھ پیش کر دیا جائے اس کا مضائقہ نہیں۔ (اصلاح الرسوم، ص:۱۴۹)

تبرکات کی زیارت موجب برکت ضرور ہے مگر اتنا اہتمام کہ اس کے لئے سفر کر کے جایا جائے ٹھیک نہیں یہ تو اس کا عرس بنانا ہے بحیثیت مجموعی سفر نہ کیا جائے، بدعت اسی طرح شروع ہوا کرتی ہے۔ (مجالس الحکمت، ص:۷)

طہارت میں اعتدال

عارف باللہ حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ مجھے استنجے میں بڑے وسوسے آتے ہیں۔ بہت دیر میں بمشکل تمام خشک ہوتا ہے ملنے سے کچھ نہ کچھ نکلتا ہی رہتا ہے فرمایا کہ ایسا ہرگز نہ کیجئے معمولی طور سے استنجا کر کے دھو لینا چاہئے۔

عوارف المعارف میں لکھا ہے کہ اس کا حال تھن کا سا ہے کہ جب تک ملتے رہیں کچھ نہ کچھ نکلتا رہتا ہے اور اگر یوں ہی چھوڑ دیں تو کچھ بھی نہیں احقر نے عرض کیا کہ بعد کو قطرہ نکل آتا ہے فرمایا کہ کچھ خیال نہ کیجئے چاہے بعد کو نمازوں کا اعادہ کر لیجئے گا۔ لیکن جب تک بہ تکلف جبر کر کے وسوسے کے خلاف نہ کیجئے گا یہ مرض نہ جائے گا۔ اس کی وجہ سے آپ بڑی تکلیف میں ہیں احقر نے عرض کیا کہ رطوبت کی وجہ سے ایک وقت کے وضو میں دوسرے وقت کے وضو میں شک پڑ جاتا ہے اور اس کی وجہ سے رومال بھی دھونا پڑتا ہے فرمایا کہ نہ ضو کرو نہ رومال دھو۔ چند روز بہ تکلف بے التفاتی کرنے سے وسوسے رہیں گے۔ (حسن العزیز، ج ۱، ص ۴۷ تا ۴۸)

صفائی ونظامت میں اعتدال

ایک شخص نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ میں خواہش کرتا ہوں کہ میرا جوتا اچھا ہو، میرے کپڑے اچھے ہوں کیا یہ تکبر میں شامل نہیں ہے؟ آنحضور ﷺ نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالِ (بے شک حق تعالیٰ جمیل ہیں جمال کو پسند کرتا ہے) حاصل جواب کا مطلب نہیں کہ خدا تو دے عمدہ اور پاکیزہ کھانا کپڑا اور تم وہی سڑی ہوئی اور بھسا ہوا کھانا کھاؤ۔ یہ بے نفسی نہیں بدتمیزی ہے ہاں حد اعتدال سے آگے نہ بڑھو۔

حضور ﷺ کا اعتدال دیکھئے کہ فرماتے ہیں: اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ النَّظَافَۃَ یعنی بیشک اللہ تعالیٰ نظافت کو پسند فرماتے ہیں: اَلْبَذَاذَۃُ مِنَ الْاِیْمَانِ یعنی سادگی ایمان سے ہے۔ مطلب یہ کہ سادگی رکھو نہ میلا پن اور نہ تکھا صابن میاں کا منہ ہی نہ ڈھلے، بغیر آئینہ عمامہ ہی نہ باندھا جائے کہ کہیں جائے یہ تکلیف ہے جس سے بعض وقت اوروں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔

غرض ضروری نہیں کہ استری ہی کے کپڑے ہوں، صابن بھی ضرور ہو بلکہ اگر یہاں کے نہ بھی دھلے ہوں تو اپنے ہاتھ سے صاف کر لئے جائیں۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دارالعلوم کراچی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آج ہمارے پاس کوئی اعتراض کرنے والا آتا ہے تو ہم فوراً اس کی غلطی پکڑتے ہیں اور اس کو نہ ماننے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ لیکن بزرگوں کا دستور یہ تھا کہ جب کوئی اعتراض کرتا تو فوراً اپنے اوپر غور کرتے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کچھ اعتراض کیا۔ آپ کی سمجھ میں وہ آ گیا۔ فرمایا: تم نے ٹھیک کہا ہے۔ مجھ سے غلطی ہوئی اور بار بار اس کو دہرایا بھئی! میں نے غلط کہا ہے۔ انہوں نے ٹھیک بتایا ہے۔

ان تمام بزرگوں میں غلو نہیں ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہم کو نہ علو چاہئے نہ غلو۔ ہم کو خلو چاہئے۔ کبھی یہ خیال نہیں ہوتا کہ اپنی بات کو سچ کریں۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ کا خاصہ یہ ہے کہ اس میں تواضع آتی ہے۔ اگر تواضع نہ آئی تو اس کو نسبت سے کوئی فائدہ نہ پہنچا۔

روح کے امراض اور علاج

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روح کے امراض معاصی اور گناہ ہیں اور اس کی غذا ''ذکر اللہ'' اور اسکی طاعت ہے اور جب یہ غذا نہ ملے تو روح بیمار ہو جاتی ہے۔ دھوکہ جھوٹ چوری، عیاشی یہ ساری بیماریاں ہیں اب نمونیہ ہو کسی کو اور پھوڑا نکلا ہوا ہو اور دوسری کئی بیماریاں ہوں ان کا صحت یاب ہونا مشکل ہو جاتا ہے اور ایک بیماری بعض اوقات دوسری بیماری کو کھینچ لاتی ہے۔ اطباء اس کو خوب سمجھتے ہیں۔ ایسے ہی ایک گناہ دوسرے گناہ کو کھینچ لاتا ہے۔

مختلف اثرات بیماریوں کے ہوتے ہیں ان کی بہت قسمیں ہیں، ہر مرض میں خاص علاج کیا جاتا ہے۔ روح کی بیماریاں ایک نفسانی خواہشات ہیں کہ اس سے غفلت پیش آتی ہے۔ ایک جاہی گناہ ہے اپنے کو بڑا سمجھنا یہ براہ راست قلب کا گناہ ہے۔ نفسانی گناہ اعضاء کے الگ الگ ہیں اور جاہی گناہ براہ راست قلبی ہے۔

تکبر خطرناک مرض ہے

سارے بدن کو کتنی ہی بیماریاں ہوں، زیادہ توجہ کے قابل نہیں لیکن قلب پر اثر کرنے والی بیماری بہت خطرناک ہے، اسی طرح نفسانی خواہشات ہاتھ پاؤں کان، آنکھ، ناک کے گناہ سب بیماریاں ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ خطرناک قلب کی بیماری ہے اور وہ اپنے کو بڑا بنانا اور اس کی خواہش کرنا ہے۔

فرمایا کہ: تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ نَجْعَلُھَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّ فِی الْاَرْضِ .الخ ''ہم نے یہ دار آخرت بنایا ہے ان لوگوں کے لئے جو کبر پسند نہیں کرتے''۔

ہر بیماری کا علاج آسان نہیں تو بہت مشکل بھی نہیں۔ لیکن خطرناک نہیں ہے۔ بس قلبی بیماری سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ اپنی عقل کو عقل سمجھے، دوسرے کو کچھ نہ سمجھے اور پھر یہ سمجھے کہ یہ کوئی بیماری نہیں۔ سب سے خطرناک بیماری یہ کہ جو کہتا ہے کہ میں بیمار ہی نہیں وہ حکیم کے پاس جائے گا بھی نہیں اور اس کا علاج بھی بہت مشکل ہے۔ قرآن وحدیث میں بہت زیادہ زور دیا ہے، اس بیماری پر اور اس کے علاج پر کہ نفس کو ابھرنے نہ دیں۔ ایک بچہ بھی کہہ دے کہ آپ نے فلاں کا غلط کیا ہے؟ فوراً سوچ میں پڑ جائے ایک ناواقف نے کچھ کہہ دیا کہ حضرت! یہ فلاں کام آپ نے غلط کیا۔ بس اس کو کچھ نہ کہا، فوراً اپنے اعمال پر نظر ڈالی۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی آہ وزاری

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک روز عشاء کی نماز میں امام نے سورہ زلزلت پڑھی جس میں آخر میں: مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْراً یَّرَہٗ. وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرّاً یَّرَہٗ۔ جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی اس کو دیکھ لے گا۔ نماز ختم ہونے کے بعد اور سب لوگ تو اپنے اپنے مکان چلے گئے اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اسی آیت نے پکڑ لیا۔ اپنی داڑھی پکڑ کر ساری رات روتے رہے اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے رہے کہ اے وہ ذات جو ذرہ برابر نیکی کا بدلہ نیکی سے دیگی اور ذرہ برابر بدی کا بدلہ بدی سے دیگی اپنے اس بندے نعمان پر رحم فرما اور اس کو دوزخ کی آگ سے بچالے۔

علماء اور صوفیاء کی قدر ومنزلت

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ میں

علماء شریعت پہونچانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاء یعنی علماء ہی انبیاء کرام کے وارث اور ان کے جانشین ہیں۔ ان کے نائب ہیں۔ یہ بڑے درجے کے لوگ ہیں۔

حضرت فرماتے تھے کہ مجھ کو محبت صوفیاء سے زیادہ ہے اور عظمت علماء کی زیادہ ہے سبحان اللہ کیسی عمدہ بات فرمائی کہ صوفیاء سے محبت رکھتا ہوں اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں۔

مگر یہ کہ تعظیم علماء کی زیادہ کرتا ہوں اس لئے کہ شریعت کا مدار انہیں پر ہے۔ شریعت جو دنیا میں باقی رہے گی وہ علماء ہی سے۔ اسلئے کہ یہ نائب ہیں انبیاء کے۔

علماء محبت کوفرض فرمارہے ہیں اور میں کہتا ہوں کہ جس طرح محبت فرض ہے اسی طرح نفس کو مارنا بھی فرض ہے جب تک یہ نفس ذرا بھی رہے گا چلنے نہیں دے گا طرح طرح سے بہکائے گا۔

کسی شخص کو لوگ سزا دے رہے تھے اور کوڑے مار رہے تھے اس نے اف تک نہیں کیا آخر میں جب ایک کوڑا لگا تو بڑی زور سے آہ کی۔ لوگوں نے تحقیق کی کہ آخر کیا بات ہے کہ اتنے کوڑوں پر تو اف نہیں کیا اور ایک کوڑے پر چیخ نکل گئی۔ معلوم ہوا کہ جب تک وہ کوڑے لگ رہے تھے محبوب سامنے تھا جس کے دیدار میں ایسا محو تھا کہ اس کو کوڑے کی تکلیف محسوس ہی نہیں ہوئی اور جس کوڑے پر اس نے آہ کی تھی وہ ایسے وقت میں لگا تھا کہ وہ محبوب سامنے سے ہٹ گیا تھا اس لئے اس کی تکلیف محسوس ہوگئی۔ یہ تو آپ کے عاشقین مجازی کا حال ہے اسی سے اندازہ لگا لیجئے کہ جس کے قلب میں محبوب حقیقی کی محبت ہوگی وہ تلخیوں کو کیسا کچھ گوارا کرلے گا۔

مولانا احمد حسن صاحب امرتسری حکیم الامت کے خلیفہ

ان کے پیر میں کچھ تکلیف ہوئی۔ ڈاکٹروں نے پاؤں کا کاٹنا تجویز کیا جب کٹنے کا وقت آیا تو سب ڈاکٹروں نے کہا کہ ہم بے ہوش کریں گے انہوں نے کہا کہ نہیں آپ اسی طرح کاٹئے چنانچہ اسی طرح ٹانگ کاٹی گئی جس میں کئی گھنٹے لگے اور جب آپریشن کے کمرہ سے باہر لائے گئے تو ہنستے ہوئے آئے لوگوں نے پوچھا کہ حضرت اتنی تکلیف دہ چیز پیش آئی اور آپنے اف تک نہ کیا فرمایا کہ بھائی ہوا یہ کہ میں نے ادھر توجہ کرلی چنانچہ اس پر جو اجر وثواب مجھ کو آخرت میں ملنے والا تھا وہ سامنے کردیا گیا جس کے مشاہدہ میں ایسا غرق ہوا کہ مجھے اس تکلیف کا احساس ہی نہیں ہوا۔ انہوں نے یہ جو فرمایا اسی کو دوسرے لفظوں میں محبت کہہ لیجئے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی

محبت جو ان کے قلب میں تھی اس نے اپنا کام کیا یعنی مشاہدۂ الٰہی میں غرق ہوگئے جس کی لذت کی بناء پر کچھ تکلیف معلوم نہ ہوئی۔

ہندوستان میں دین بزرگوں سے پھیلا

اہل تاریخ بیان کرتے ہیں اور تاریخ ہی کے ذریعہ علماء لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں دین وعظ سے نہیں پھیلا مشائخ سے پھیلا آپ یہ سن کر شائد خفا ہوتے ہوں گے کہ یہ کیا کہتے ہیں لیکن میں تو اہل تاریخ علماء کا قول نقل کررہا ہوں انہوں نے لکھا ہے کہ یہاں دین مشائخ سے پھیلا اس طرح کہ ایک بزرگ کسی خطہ میں جاکر بیٹھ گئے نہ وہاں کسی سے کچھ مانگتے ہیں اور نہ وعظ وپند کرتے ہیں کیونکہ وعظ وپند کا سننا بھی آسان نہیں ہے اس سے بھی لوگ گھبراتے ہیں مگر چونکہ وہ مخلص لوگ تھے اس لئے ان کا اثر ضائع کہاں جاتا۔ لوگ آنا شروع ہوئے پھر انہوں نے کسی سے کہدیا فلاں جگہ جاکر بیٹھو اسی طرح وہاں اثر ہوا پھر اس نے آنے والوں میں سے کسی سے کہدیا کہ تم فلاں جگہ چلے جاؤ اسی طرح سے تمام ہندوستان میں دین پھیل گیا۔ بڑی اچھی بات کہی ہے کام واقعی اسی طرح ہوا۔

سیدنا رفاعی رحمۃ اللہ علیہ علماء رسم کو تنبیہ کرنے کے بعد رسمی صوفیوں سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے صوفی یہ کیا بیہودگی ہے۔ پہلے صوفی بن جاتا کہ ہم بھی تجھے صوفی کہیں میرے پیارے! تیرا یہ گمان ہے کہ طریقت تیرے باپ کی میراث ہے۔ تیرے دادا سے سلسلہ چلی آرہی ہے۔ تیرے پاس بکر وعمر کے نام سے آجائے گی تیرے شجرہ نسب میں داخل ہوجائے گی۔ تیرے خرقہ کے گریبان پر تیرے کلاہ پر منقش ہوجائے گی۔ تو نے اس سرمایہ (یعنی طریقت) کو سمجھ لیا ہے کہ ادنی لباس ہو ایک کلاہ ہو، ایک لاٹھی ہو ایک گدڑی اور بڑا سا عمامہ ہو۔ بزرگوں کی سی شان وصورت ہو۔ تمہیں خدا کی قسم اللہ تعالیٰ ان چیزوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ

تیرے دل کو دیکھتا ہے تیرے دل میں خدا کے اسرار اور اس کے قرب کی برکت کیونکر ڈالی جائے کہ وہ تو کلاہ اور خرقہ تسبیح اور عصا اور ٹاٹ کے حجابوں میں گرفتار ہو کر اللہ تعالیٰ سے غافل ہو رہا ہے۔ یہ عقل کس کام کی جو نور معرفت سے کوری ہے یہ سر کس کام کا جو جوہر عقل سے خالی ہے۔ اے مسکین تو نے اس جماعت جیسے کام تو کئے نہیں اور ان کا لباس پہن لیا ہے عزیز من! اگر تو اپنے دل کو مار کر خوف کا لباس پہنتا اور ظاہر کو لباس ادب سے آراستہ کرتا اور نفس کو ذلت کا لباس پہناتا اور انانیت کو مٹنے کا لباس پہناتا اور زبان کو ذکر کے لباس سے آراستہ کرتا اور ان سب حجابوں سے جن میں پھنسا ہوا ہے چھوٹ جاتا اور اس کے بعد یہ لباس پہنتا تو تیرے لئے اچھا ہوتا، بہت بہتر ہوتا مگر تجھ سے یہ باتیں کیوں کر کہی جائیں یہ تیری سمجھ میں نہ آئیں گی تو نے تو یہ سمجھ لیا ہے کہ میرا کلاہ اس جماعت جیسا کلاہ ہے۔ میرا لباس ان کے لباس جیسا ہے۔ سب کی صورتیں ملی ہوئی ہیں مجھ میں اور ان میں کیا فرق ہے۔ حالانکہ دل مختلف ہے اور سب س زیادہ ضرورت دل ہی کے ملنے کی ہے اگر تجھ کو اپنی حقیقت معلوم ہوتی ہے تو ماں باپ، دادا، چچا اور لمبا کرتا اور کلاہ اور تخت وزینہ سب سے الگ ہو جاتا اور خدا کی قسم خدا کو ڈھونڈھنے کیلئے ہمارے پاس آتا پھر اچھی طرح ادب حاصل کر کے یہ لباس پہنتا اور میرا گمان تو یہ ہے کہ حسن ادب حاصل ہو جانے کے بعد تو اپنے نفس کو اس لباس اور تمام فضولیات سے جو اللہ سے غافل کرنے والی ہے خود ہی الگ کر لے گا۔ اے مسکین تو اس وقت اپنے وہم پر چل رہا ہے اور اپنے خیال پر راستہ طے کر رہا ہے۔ اپنے جھوٹ اور عجب وغرور کے ساتھ چل رہا ہے۔ انانیت اور تکبر کی ناپاکی لادے ہوئے ہے اور سمجھتا ہے کہ میں بھی کچھ ہوں۔ بھلا یہ کیوں کر ہو سکتا ہے۔ تکبر کے ساتھ یہ راستہ ایک قدم بھی نہیں طے ہو سکتا۔ تواضع کا علم سیکھ۔ حیرت کا سبق پڑھ مسکنت اور انکسار کا علم حاصل کر۔ (السبیان المشید)

بزرگوں کے ملفوظات کا فائدہ

مصلح الامت حضرت شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مجلس میں ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ والی ملتان نے بابا فرید شکر گنج کے پاس کسی شخص کے ذریعہ کچھ ہدیہ بھیجا اس نے یہ کیا کہ آدھا خود رکھ لیا اور آدھا حضرت کی خدمت میں پیش کر دیا۔ یہ سمجھا ہوگا کہ نہ حضرت پوچھیں گے کہ کتنا بھیجا تھا اور نہ بادشاہ ہی پوچھے گا کہ کتنا آپ کو ملا۔ اس لئے اس کا علم ہی کسی کو نہ ہوگا لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو کشف سے اس کی چوری کا حال معلوم ہو گیا اس سے فرمایا کہ بھائی یہ برادرانہ تقسیم نصفاً نصفی کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ دیکھئے اس کی چوری پکڑ لی۔ میں آپ کو بزرگوں سے قریب ان کی حکایات اور ملفوظات سے کر سکتا ہوں ان کے واقعات اور حالات بیان کر کے ان کا معتقد بنا سکتا ہوں اعمال تو ان کے آپ میں پیدا نہیں کر سکتا وہ تو بہت مشکل ہے ان کے اعمال آپ سنیں گے تو بھاگ نکلیں گے اس لئے کہ ان کا یعنی زندہ بزرگوں کا بدنی قرب آپ کو مقصود ہے یعنی اپنے بدن کو ان کے بدن سے قریب کر دینا آپ کا مقصود ہے۔ زائد سے زائد بزرگوں کے حکایات اور ملفوظات کو سن سکتے ہیں رہے ان کے اعمال ان کی روحانیت، ان کی نسبت، ان چیزوں سے کچھ حاصل کرنا یہ تو آپ کے لئے بہت مشکل ہے اسی لئے میں نے کہا کہ ان کی حکایات کے ذریعہ آپ کو ان سے قرب اعتقادی وروحانی ہو سکتا ہے کیونکہ وہ ان کے کمالات باطن پر دال ہیں اور میں نے یہ جو کہا کہ بزرگوں کا بدنی قرب آپ کو مقصود ہے تو یہ میں نے غلط نہیں کہا بلکہ ہر زمانہ میں لوگوں نے ظاہر کا تو اہتمام کیا ہے لیکن باطن کی جانب توجہ کم کی ہے اور اس پر اس زمانہ کے مصلحین امت نے سخت نکیر فرمائی ہے اور بہت بہت تیز کہا ہے۔

مصلح الامت کا کشف

مصلح الامت حضرت شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادی فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ کی خدمت میں ایک آدمی گئے انہوں نے پوچھا کہ کیسے چلے ہو بھیا یعنی کس غرض سے آنا ہوا ہے۔انہوں نے کہا مرید ہونے کے لئے کہا پھر راستوں میں اوکھیا کا ہے توڑے رہو یعنی پھر راستہ میں گنا کیوں توڑا تھا۔ دیکھتے ہیں چلے تھے مرید ہونے اور راستہ میں چوری کرتے ہوئے۔ان بزرگ نے فرمایا جاؤ تمہیں مرید نہیں کریں گے اس سے کشف کا ثبوت ہوا اور اس پر عمل بھی ثابت ہوا یہ جائز ہے۔ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد الطالبین میں فرماتے ہیں کہ پس عمل کردن موافق کشف والہام جائز است اگر مخالف قرآن وحدیث واجماع وقیاص صحیح نباشد۔ (ص،۸/ارشاد الطالبین)

(یعنی کشف اور الہام اگر قرآن وحدیث اجماع اور قیاس صحیح کے خلاف نہ ہو تو اس پر عمل کرنا جائز ہے۔)

اسی طرح سے انہیں بزرگ کا ایک واقعہ اور ہے۔ایک شخص اپنے گھر سے آم ہدیہ کے لئے لے گئے۔راستہ میں ایک باغ میں کوئی بڑا سا آم پڑا دیکھا اس کو بھی اٹھا کر جھولے میں ڈال لیا۔اپنے کو بھی خراب کیا ہدیہ کو بھی خراب کیا۔اب ان کی خدمت میں پہنچ کر وہ ہدیہ پیش کیا ان بزرگ نے جھولے کو فوراً الٹا اور اسی آم کو ہاتھ میں لے کر جس کو انہوں نے راستہ سے اٹھالیا تھا یہ کہا کہ ای ہو ہم ہیں کے دیوے کے رہا۔ ''یعنی یہ بھی ہم کو ہی دینا تھا۔'' جاؤ نہیں لیں گے دیکھئے کس قدر صریح کشف تھا۔ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے دیکھ رہے تھے۔

بازار میں بھی یاد الٰہی

ایک بزرگ بازار میں چلے جارہے تھے ایک دوکان پر ایک تاجر کو دیکھا۔ یعنی نظر کشفی اور باطنی آنکھوں سے دیکھا کہ پچاسوں ہزار کا سودا کررہا ہے مگر اس کا قلب ذرا دیر کے لئے بھی خدا سے غافل نہیں ہوا دیکھئے بازار میں بیٹھنے والا شخص اور قلب کا یہ حال اور دین سے ایسا تعلق۔ یہ ہے خلوت در انجمن۔ یہ خلوت سے بڑھی ہوئی ہے جو نام کی خلوت ہو یعنی ظاہراً تو خلوت ہے مگر دل ادھر ادھر بارہ بانٹ ہو اور ایک یہ ہے کہ لوگوں سے مل جل بھی رہا ہے لین دین بھی کررہا ہے لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ دنیا دار شخص ہے اور وہ ہے خدا رسیدہ اسی لئے کسی پر اعتراض اور انکار کرنے میں جلدی نہیں کرنا چاہئے۔ ہوسکتا ہے کہ تم اس کے ظاہر کو دیکھ کر کوئی حکم لگادو اور اس کا باطن اس کے ظاہر سے مختلف ہو۔

اصلاح کا یہ بھی طریقہ ہے

ایک صاحب ایک بزرگ سے ملنے گئے جب ان کا مکان اور وہاں کا پہرہ اور دربان دیکھا تو خیال کیا کہ یہ امیر آدمی ہیں بزرگ نہیں ہیں یہ خیال کرکے ایک مصرعہ پڑھا کہ ؎

نہ مرد است آں کہ دنیا دوست دارد

''یعنی وہ شخص اللہ والا نہیں ہوسکتا جو دنیا سے محبت رکھتا ہو'' یہ کہا اور چل دیئے۔اس کو ان بزرگ نے بھی سن لیا۔ یہ صاحب وہاں سے مسجد میں آئے تھکے تھے سو گئے خواب دیکھا کہ میدان حشر قائم ہے حساب کتاب ہورہا ہے کسی حق میں مجھے بھی گرفتار کیا گیا ہے۔کوئی مطالبہ ہے اور میرے پاس ادائیگی کا کوئی سامان نہیں

اتنے میں دیکھا کہ انہیں بزرگ کی سواری جارہی ہے میرے پاس پہنچ کر وہ رک گئے اور دریافت کیا کہ کیا معاملہ ہے انہیں کیوں گرفتار کیا گیا ہے مدعی نے اپنے مطالبہ بیان کیا فرمایا کہ وہ رقم مجھ سے لے لو اور انہیں چھوڑ دو یہ میرا آدمی ہے۔اس کے بعد آنکھ کھل گئی بہت پریشان ہوئے اور سمجھے کہ میرا حصہ انہیں بزرگ کے یہاں ہے۔ مجھ سے ان کی شان میں بے ادبی ہوئی ہے مجھے ان سے معافی مانگنی چاہئے یہ طے کر کے چلے اور ان بزرگ کی خدمت میں پہنچے اور ان سے بیعت کی درخواست کی انہوں نے فرمایا بیعت تو بعد میں ہونا پہلے وہ مصرعہ سناؤ جو تم نے پڑھا تھا عرض کیا کہ حضرت گستاخی معاف فرمایئے وہ تو بے ادبی ہوئی فرمایا کہ نہیں حکم دیتا ہوں کہ جو کہا تھا وہ کہو۔عرض کیا کہ میں نے یہ کہا تھا کہ ع ''نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد'' فرمایا کہ ہاں ٹھیک ہے اس میں اتنا اور ملالو ع اگر دارد برائے دوست دارد۔یعنی اگر دنیا کو دوست رکھتا ہے تو دوست کی خاطر رکھتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ان بزرگ کے پاس اگر دنیا نہ ہوتی تو ان کو کیسے چھڑاتے۔

اور اس زمانہ میں یہ حال ہوگیا ہے کہ علماء اور مشائخ کی خوب خوب تعریف کر کے ان سے دین ہی کو معاف کرالیا جاتا ہے۔ جہاں کوئی آیا اور عوام نے اپنی جھوٹی تعریفوں کے ذریعہ ان پر قابو پایا ان کی زبان بند ہوجاتی ہے ان کے کسی عیب پر ان کو ٹوک نہیں سکتے اصلاح ختم ہوجاتی ہے۔

سادگی کی انتہا

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک لڑکے نے اور لڑکوں سے کہا کہ آج استاد سے چھٹی لینا چاہئے اور سب لڑکوں سے کہا کہ میں ایک تدبیر کرتا ہوں تم سب بھی اس کی تائید کرنا وہ یہ کہ میں جا کر کہوں گا کہ حضرت کا مزاج

آج ناساز معلوم ہوتا ہے اس پر وہ مجھے ڈانٹیں گے کہ چلو پڑھو چھٹی لینا چاہتے ہو میں اپنی جگہ پر بیٹھ کر پڑھنا شروع کردوں گا پھر دوسرا جا کر یہی کہے پھر تیسرا جائے پھر چوتھا جائے سب لوگ اسی طرح جا کر کہو دیکھ لینا بیمار ہوجائیں گے اور چھٹی مل جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا پہلے وہی لڑکا گیا جو بانی تھا جا کر کہا حضرت کی طبیعت کچھ ناساز معلوم ہوتی ہے کہا نہیں تو میں تو بالکل اچھا ہوں چلو بیٹھو پڑھو۔اس کے بعد دوسرا لڑکا گیا اس نے بھی یہی کہا اس کو بھی ڈانٹا مگر لہجہ پہلے سے کمزور تھا۔پھر تیسرا گیا اس کو بھی ڈانٹ کر بھگا دیا مگر لہجہ اور نرم تھا اسی طرح مسلسل لڑکے جاتے رہے اور کہتے رہے آخر میں استاد صاحب ہانپ نے لگے اور سمجھے کہ واقعی میں بیمار ہوں گھر پہنچے بیوی نے تعجب سے پوچھا آج اتنے جلدی کیسے چلے آئے۔کہا تیرا ناس ہو سب لڑکے تو کہہ رہے ہیں کہ تم بیمار ہو اور تو کہہ رہی ہے کہ کیسے واپس آگئے تو تو مناتی ہوگی کہ ہم مرجائیں تاکہ تو دوسری شادی کرلے ان کا یہ غصہ دیکھ کر بیوی پڑوسیوں کو بلائی اور کہا انہیں دیکھ لو انہیں کیا ہوگیا ہے صبح اچھے خاصے تھے اچھے خاصے مدرسہ گئے اب آکر کہتے ہیں کہ میں بیمار ہوں۔ میرے دیکھنے میں تو اچھے خاصے معلوم ہوتے ہیں اب آپ ہی لوگ فیصلہ کیجئے۔ میں کہتی ہوں تو خفا ہوتے ہیں۔

ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ کا اظہارِ حق اور شاہجہاں کی ندامت

شاہ جہاں کے زمانے میں لوگوں نے بادشاہ کے لئے حریر کے استعمال کا فتویٰ پوچھا علماء نے جواز کا فتویٰ دے دیا۔ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ سے بھی جو عالمگیر کے استاد تھے کسی نے اس فتویٰ کے بارے میں پوچھا فرمایا کہ اس کا جواب جمعہ کے دن جامع مسجد میں دوں گا وہاں مجھ سے سوال کیا جائے چنانچہ نماز ختم ہوئی پوری مسجد بھری ہوئی تھی شاہ جہاں بھی موجود تھا اس وقت سائل نے ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ

بادشاہ کے لئے حریر کو علماء نے جائز بتایا ہے آپ کیا فرماتے ہیں؟ کہا مفتی و مستفتی ہر دو کافر اند۔ 'یعنی سائل اور مفتی دونوں کافر ہیں' مطلب یہ تھا کہ بالکل حرام ہے۔ اور اس کی حرمت نص سے ثابت ہے لہٰذا جس نے اسے حلال کہا وہ کافر اور جس نے جانتے ہوئے یہ سوال کیا وہ بھی کافر۔ اس گفتگو کو شاہ جہاں نے بھی سنا وہاں تو کچھ بولا نہیں لیکن محل میں آنے کے بعد ملا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قتل کا حکم دیدیا۔ ملا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع دی گئی کہ بادشاہ نے آپ کے قتل کا حکم دے دیا ہے۔ کہا اچھا تو لوٹے میں پانی لاؤ تا کہ میں بھی وضو کر کے تیاری کرلوں اس لئے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ الوضوء سلاح المومنین یعنی وضو مومن کا ہتھیار ہے۔ بادشاہ کو اس کی اطلاع ملی کی تیاری کر رہے ہیں اور وضو کر رہے ہیں۔ ڈر گیا (ملا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معتقد تو تھا ہی سمجھا ہوگا کہ بددعا کر دیں گے تو سلطنت ہی ختم ہو جائے گی) لوگوں سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہئے ملا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کیسے راضی کیا جائے یہ سن کر عالمگیر آگے بڑھے اور کہا ابا جان لائیے مجھے خلعت دیجئے میں جاتا ہوں ملا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس چنانچہ شاہی خلعت لے کر ملا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے آخر استاد ہی تھے اور ملا صاحب بھی ان کو بہت چاہتے تھے خلعت لے کر سامنے پیش کر دی اور عرض کیا کہ والد صاحب نے بھیجا ہے ملا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سمجھ گئے کہ یہ ندامت ہے۔ شاہی معافی اسی قسم کی ہوا کرتی ہے۔ قبول کرلیا۔

اشیاء خورد و نوش اور ملبوسات میں اصل جواز ہے

صاحب روح المعانی نے لکھا ہے: مطاعم اور ملابس اور جملہ انواع تجمل میں اس اباحت ہے چنانچہ حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے ایک چادر پچاس دینار کی خریدی اور استعمال کیا پھر اسے صدقہ کر دیا اور اسی آیت کی رو سے اس میں مضائقہ

نہ سمجھتے تھے۔ اسی طرح جب حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کی جانب بھیجا تو انہوں نے نفیس ترین کپڑے پہنے بہترین خوشبو لگائی اور عمدہ ترین سواری پر سوار ہو کر ان کے پاس گئے ان لوگوں نے کہا اے ابن عباس رضی اللہ عنہ تم تو خیر الناس ہو پھر جبا برہ کے لباس اور ان کی سواری میں کیسے آئے ہو؟ اس پر انہوں نے یہی آیت پڑھ دی: قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ. اسی طرح سے مروی ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اس حال میں کہ آپ جو چادر اوڑھے ہوئے تھے اس کی قیمت ایک ہزار درہم تھی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کبھی کبھی ایسا چادر استعمال فرماتے تھے۔ جس کی قیمت چار سو دینار ہوتی اور اپنے اصحاب کو اسی کا امر فرماتے چنانچہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نہایت نفیس کپڑے پہنا کرتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ اس لئے پہنتا ہوں تا کہ میری بیبیوں اور باندیوں کی نظر کسی دوسرے کی جانب نہ اٹھے۔ فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ تجمل مستحب ہے اسلئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے پر انعام فرماتے ہیں تو اپنی نعمت کا اثر اس پر دیکھنا چاہتے ہیں۔

مشائخ کا ادب اور ان کے قلوب کی حفاظت کے ثمرات

حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آدمی کسی بزرگ کے پاس رہے یا بزرگوں سے ملے تو اگر ان سے کوئی دولت لینے کی ہمت نہیں ہے تو کم از کم ان کو خوش ہی کرے اور دعا ہی لے لے بددعا تو نہ ملے اور ان سے اپنی عقیدت کو درست کرے۔ چوری نہ کرے جب عقیدت کامل نہیں ہوتی تب ہی انسان بزرگوں سے چوری کرتا ہے۔ رسالہ قشیریہ میں ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص نے ایک مرتبہ کوئی پرند وغیرہ تنور میں لٹکایا (یہی طریقہ اس وقت مرغ مسلم کے پکانے کا رہا

ہوگا) اوراس کے بعدایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے خیال تھا کہ ملاقات کرکے چلے آئیں گے اوررات کا کھانا گھر ہی کھائیں گے اتفاق ایسا ہوا کہ اس دن ان بزرگو نے ان سے فرمایا کہ آج کی شب میرے ہی پاس رہوان کا قلب پرندے میں معلق تھا جوتنور میں معلق تھااس لئے ان سے کچھ حیلہ کردیااورگھر آ گئے۔ خادمہ سے کھانا منگوایااس نے وہ مرغ بھی لاکرسامنے رکھا۔انہوں نے ابھی کھانا شروع بھی نہیں کیا تھا کہ ایک کتاداخل ہوااوراس مرغ کو جھپٹ کر لے گیاان کو بڑارنج ہوا کہ اسی کی خاطرتو شیخ سے بہانہ کرکے آئے اوروہ بھی نہیں ملا۔ پھرخیال کیا چلوخیراس کا شوربہ مسالہ وغیرہ ہےاسی سے روٹی کھالیں گے کہ اتنے میں باندی ادھرسے گذری اوراس کے دوپٹہ سے الجھ کروہ پیالہ بھی گرگیااور یہ حضرت اس سے بالکل محروم رہ گئے۔صبح کو جب ان بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے توانہوں نے ان کودیکھتے ہی کہا کہ:مَنْ لَّمْ یَحْفَظْ قُلُوْبَ الْمَشَائِخِ سُلِّطَ عَلَیْهِ کَلْبٌ یُؤْذِیْهِ۔یعنی جوشخص مشائخ کےقلوب کی حفاظت نہیں کرتا تواس پرکتامسلط کردیا جاتا ہے جواس کوایذا پہنچاتا ہے۔

ان بزرگ کومنکشف ہوگیا کہ یہ رات اسی وجہ سے میرے یہاں ٹھہرےنہیں اور یہ صورت پیش آئی۔غرض مشائخ کےاس قسم کے بیشمارواقعات کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کےقلوب کی حفاظت اوران کا ادب نہایت ضروری ہے۔ان پراعتراض وانکارجائزنہیں بلکہ بڑی محرومی کا سبب ہے جیسا کہ حضرت عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

منکر بجائے نہ رسد جز مخذول ومطرودنہ بود''یعنی منکرکسی درجہ کونہیں پہنچتا بجز ذلت اوررسوائی کےاسے کچھ ہاتھ نہیں لگتا۔صاحب عوارف کہتے ہیں کہ مَنْ اَنْکَرَهُمْ ضَلَّ وَاعْتَدٰی یعنی جوان حضرات کامنکرہواوہ گمراہ ہوااوراس نے حد

سے تجاوز کیاومصدق اگرچہ بدرجہ ایشاں نہ رسیدہ است امیداست کہ تصدیق را کہ در صحبت وخدمت ایشا آردااورا بکمال مرداں رساندوعارف سبحاں گرداند۔اورتصدیق کرنے والا اگرچہ ان کے درجہ کونہ پہونچے۔تاہم امید ہے کہ تصدیق جسے وہ لایا ہے وہی اس کواہل اللہ کے کمال تک پہنچاوے گی۔اورحق تعالیٰ سبحانہٗ کا عارف بنادے گی۔بزرگوں کا ادب اورانکی تعظیم کےسلسلے میں کلام طویل ہوگیا۔میں کہہ رہا تھا کہ اچھا کھانا اوراچھا پہننا بشرطیکہ حدودشرع کے اندر ہوجائز ہے۔بزرگوں نے بھی استعمال کیا ہےلیکن کب جب کہ ان کانفس حظوظ اورلذات سے چھوٹ چکا ہو۔

بزرگوں کے واقعات

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ مشہور ہے کہ ایک عورت نے اپنے لڑکے کوحضرت کی خدمت میں رکھا کہ اس کی تعلیم وتربیت فرمائیے کچھ دنوں کے بعدایک دن وہ عورت اپنےلڑکے سے ملنے گئی تو دیکھا کہ وہ ایک حجرے میں بیٹھا چنے کھارہا ہےاورشیخ کودیکھا کہ ان کے سامنے مرغ پلاؤ رکھا ہوا ہےاور اسے کھارہے ہیں۔عورت کو یہ منظردیکھ کرقلق ہواچنانچہ اس نے کہا کہ حضرت آپ تو مرغ پلاؤ کھارہے ہیں اورمیرالڑکا چنے چبارہا ہے۔حضرت نے اسی وقت مرغ کی ہڈیوں کوجمع کیااورکہا کہ قُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ''اللہ کےحکم سے اٹھ کھڑا ہو'' چنانچہ وہ مرغ زندہ ہوکر بھاگ گیااوراس عورت سے فرمایا کہ جب ترالڑکا اس مرتبہ کو پہونچے گا تب مرغ پلاؤ کھائے گا ابھی تواس کو چنے ہی کھانا پڑیں گے۔اسی کومولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ؎

نکتہ ولقمہ است کامل را حلال
تونہ کامل مخورمی باش لال

بدنیتی کا انکشاف

''یعنی تصوف کے نکات بیان کرنا اور عمدہ عمدہ لقمے کھانا کامل کے لئے جائز ہے تو کامل نہیں ہے اس لئے تو نہ کھانا اور اپنا زبان کو بند رکھ، اس مرغ کے زندہ ہونے پر ایک دوسرا واقعہ یاد آیا ایک بزرگ کسی کے مہمان ہوئے۔ صاحب خانہ نے اپنی بیوی سے کہا کہ فلاں بزرگ آئے ہوئے ہیں مرغی ذبح کر کے ان کی دعوت کر دو بیوی نے خواہی نہ خواہی مرغی ذبح کی اور کھانے میں ان کے آگے پیش کی ان بزرگ کو کشف ہو گیا کہ بیوی صاحبہ مرغی ذبح کئے جانے پر خوش نہیں ہیں انہوں نے کھانے کی جانب منہ کر کے ہش کہا بس ساری بوٹیاں جمع ہو کر مرغی بن گئی اور آواز کرتی ہوئی مکان کے اندر بھاگ گئی۔ میزبان نے جب یہ حالت دیکھی تو بہت نادام ہوا سمجھا کہ معلوم ہوتا کہ ان بزرگ پر عورت کی بدنیتی مکشوف ہو گئی ان کی خفت کو ان بزرگ نے بھی محسوس کیا اور یہ کہا کہ صرف شوربے سے بھی تو روٹی کھائی جاسکتی ہے ان عورتوں کا یہی حال ہوتا ہے۔ جس کی چاہیں آبرو اتار لیں اس لئے آدمی کسی کی دعوت قبول کرے تو چاہئے کہ معلوم کرے کہ گھر کے لوگ کس مزاج کے ہیں۔

تصرف شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کا

شیخ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اقطاب وقت میں سے ہوئے ہیں۔ سماع سنتے تھے۔ قرب وجوار میں ایک عالم رہتے تھے انہیں شیخ کے اس فعل پر اعتراض تھا چنانچہ ان کی بستی کے لوگ جب شیخ کے یہاں سے آتے تو یہ عالم صاحب ان سے حضرت شیخ کی خیریت پوچھتے اور ان لفظوں میں پوچھتے کہ کہو تمہارے نچنیا پیر

کیسے ہیں؟ لوگوں کو برا معلوم ہوتا لیکن صبر کرتے۔ ایک دفعہ کسی نے حضرت سے کہدیا کہ حضرت ہمارے یہاں ایک مولانا صاحب ہیں جو اس طرح کہتے ہیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اب اگر پوچھیں تو کہدینا کہ وہ ناچتے بھی ہیں اور نچاتے بھی ہیں لوگ واپس آئے مولانا نے حسب عادت پھر وہی پوچھا کہ کہو تمہارے نچنیا پیر کیسے ہیں کسی نے کہدیا کہ وہ ناچتے بھی اور نچاتے بھی ہیں اس کا کہنا تھا کہ مولانا پر کوئی کیفیت طاری ہوئی۔ اور رقص کرتے ہوئے گنگوہ کی طرف چلے۔ راستہ میں لوگوں نے دیکھا کہ مولانا صاحب اپنے وقار کے خلاف جبہ و دستار پہنے ہوئے اس طرح سے رقص کرتے ہوئے کیسے جارہے ہیں سمجھ گئے کہ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کے بارے میں کچھ کہدیا ہے شیخ نے تصرف کر دیا ہے غرض اسی طرح گنگوہ پہنچے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی چاہی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ تو بتایئے کہ آپ کیوں ناچ رہے ہیں؟ کہا ہم تھوڑا ہی ناچ رہے ہیں ہم کو کوئی نچا رہا ہے اس لئے ناچ رہے ہیں۔ شیخ نے فرمایا کہ اسی طرح خود ہم بھی نہیں ناچتے کوئی نچاتا ہے تو ناچتے ہیں۔

ادب کی برکات

بزرگان دین کے یہ سب واقعات اس لئے آپ کو سنا رہا ہوں تا کہ انکار واعتراض کی مذمت اور نحوست آپ کے ذہن نشیں ہو جائے اور یہ بات اچھی طرح سے سمجھ میں آجائے کہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے جو ارشاد فرمایا ہے کہ ''منکر بجائے نہ رسد جز مخذول ومطرود نبود'' منکر کسی مرتبہ پر نہیں پہونچتا بلکہ مردود ہی ہوتا ہے'' وہ بالکل صحیح اور حق ہے انکار اور اعتراض سے کوئی آج تک کامیاب نہیں ہوا ہے بلکہ جسے جو کچھ ملا ہے وہ ادب کی وجہ سے ملا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تواضع

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ دینے کے لئے ممبر پر کھڑے ہوئے اور یہ فرمایا کہ لوگو سنو اور اطاعت کرو۔ ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا نہ سنیں گے، نہ اطاعت کریں گے چونکہ حضرت کی ذات کو کہا تھا اس لئے برا نہیں مانا اور اس سے دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے بھائی کیوں نہیں سنو گے؟ اس نے کہا کہ مال غنیمت کی جو چادریں تقسیم ہوئی ہیں تو سب مسلمانوں کو تو ایک ایک ملی ہے اور آپ نے دو کیوں لے لی آپ نے اس سے فرمایا بس اتنی سی بات ہے اور اپنے صاحبزادہ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم اس کا جواب دو۔ انہوں نے کہا کہ چادر والد صاحب نے بھی ایک ہی لی ہے اور دوسری چادر جوان کے بدن پر ہے وہ میری ہے۔ نماز کا وقت ہو گیا تھا اور ان کے پاس کپڑے نہ تھے اس لئے میں نے اپنے حصہ کی چادر بھی آپ کو دے دی۔ یہ سن کر وہ شخص مطمئن ہو گیا اور کہا کہ اب آپ خطبہ ارشاد فرمائیے ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔

اعتراض کرنے میں جلدی نہیں کرنی چاہئے

دہلی میں ایک بزرگ تھے وہ یہ کہا کرتے تھے کہ ''تو میرا خدا نہیں۔ میں تیرا بندہ نہیں'' پھر میں تیرا حکم کیوں مانوں'' لوگ یہ سنتے اور ان پر لعنت بھیج کر چلے جاتے۔ ایک دن ایک شخص نے ہمت کر کے ان سے پوچھا کہ حضرت یہ آپ کیا فرمایا کرتے ہیں اس کا کیا مطلب ہے انہوں نے کہا کہ اللہ تیرا بھلا کرے اس پوری دہلی میں تو ایک شخص تو نکلا جس نے مجھ سے اس کا مطلب تو پوچھا سنو بات یہ ہے کہ میرا نفس مجھ سے بعض خواہشات کی فرمائش کرتا ہے تو میں اس کو مخاطب کر کے کہتا

ہوں کہ میں تیرا بندہ نہیں اور تو میرا خدا نہیں تو میں تیرا کہنا کیوں مانوں اب تمہیں بتاؤ کیا بری بات کہتا ہوں؟ لوگ خود بھی نہیں سمجھتے اور ہم سے بھی نہیں پوچھتے بس لعنت بھیج کر چل دیتے ہیں۔ یہ میں اس پر سنا رہا ہوں کہ کسی پر اعتراض کرنے میں جلدی نہیں کرنی چاہئے بعض اوقات آدمی کسی دوسرے پر جو حکم لگاتا ہے وہ خود اس کا اپنا حال ہوتا ہے جیسا خود ہوتا ہے ویسا ہی دوسروں کو بھی سمجھتا ہے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے سنا اور بہجۃ النفوس شرح بخاری شریف میں بھی دیکھا کہ ایک شخص ایک بزرگ کے یہاں سلوک طے کرنے کے لئے گیا تو انہوں نے خلوت میں رہنے کا حکم دیا اور چند روز خلوت ہی میں رہنے دیا اس کے بعد خود گئے اور اس سے پوچھا یہ بتاؤ تم مجھے کیسا دیکھ رہے ہو؟ کہا جیسا سور۔ فرمایا سچ کہا اور ابھی خلوت ہی میں رہنے دیا۔ (آج کل کے لوگ ہوتے تو خفا ہو جاتے اور خانقاہ سے اس کو نکال دیتے مگر وہ بزرگ سمجھتے تھے کہ اس کہنے کا منشاء کیا ہے اس لئے اس کو مجاہدہ میں لگایا) کچھ دنوں کے بعد پھر تشریف لے گئے اور پوچھا کہ اب مجھے کیسا دیکھ رہے ہو؟ اس نے کہا جیسے کتا۔ شیخ نے پھر بدستور حجرہ میں رہنے کے لئے فرمایا دیا کچھ روز کے بعد پھر بلایا اور وہی سوال کیا اس نے کچھ اور جواب دیا۔

غرض اسی طرح شیخ پوچھتے رہے اور وہ کبھی کچھ کبھی کچھ کہتا رہا۔ بالآخر ایک مرتبہ کہا اب آپ مجھے ایسے نظر آ رہے ہیں جیسے چودھویں رات کا چاند۔ یہ سن کر شیخ نے فرمایا کہ سچ کہا بھائی میں تو روز اول ہی سے بدر منیر تھا اور یہ سب تقلبات خود تمہارے تھے تم جیسے تھے ویسا ہی مجھے دیکھتے تھے اب چونکہ تم خود بدر منیر ہو گئے ہو اس لئے مجھے بدر منیر کہہ رہے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب آدمی خود ہو جاتا ہے تب ہی دوسروں کو پہچانتا ہے اور جب تک خود ناقص رہتا ہے کاملین پر اعتراض ہی کرتا رہتا ہے۔

اپنے اعضاء کو خُدائی مشین سمجھو

فرمایا: حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ذاکر کو تقلیل غذا سے منع فرمایا تھا۔ انہوں نے اپنے کچھ حالات بیان کئے تو مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دماغ میں یہی آ گیا ہے جنون کا مقدمہ ہے تم تقلیل غذا موقوف کردو اور دماغ کا علاج کراؤ۔ مگر وہ تو ان کشفیات کو کمال سمجھے ہوئے تھے۔ اس لئے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر اعتماد نہ کیا بالآخر جنون ہوگیا اور سارے اذکار واشغال موقوف ہوگئے۔ پھر یہ حالت تھی کہ بالکل ننگے بیٹھا کرتے تھے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ اپنے اعضاء کو خدائی مشین سمجھ کر کبھی تیل بھی دیا کرو۔ دودھ، گھی کھایا کرو۔ اس حیثیت سے ان کی محبت کرنا، حفاظت کرنا اور جب ان سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل ہوجائے تو اس پر ان کی تعریف کرنا سب محمود ہے یہی مطلب ہے اس شعر کا۔

شکر اللہ کہ نمردیم ورسیدیم بدست
آفریں باد بریں ہمت مردانہ ما

(العید والوعید، ص ۴۰)

حضرت حکیم الامت نے فرمایا: مجھے توسل کے مسئلہ میں اشکال تھا اس کو حل کرنے کے لئے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گنگوہ حاضر ہوا (یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی بنیائی نہ رہی تھی) سلام کے بعد میں نے اس خیال سے کہ حضرت (گنگوہی) نے سلام کی آواز سے مجھ پہنچان لیا ہوگا۔ عرض کیا کہ توسل کے مسئلہ میں کچھ پوچھنا ہے؟ فرمایا کہ کون پوچھتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اشرف علی، فرمایا کہ تعجب ہے بس اتنی گفتگو ہوئی۔ اس کے بعد مجھے بھی کچھ عرض کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور واپس تھانہ بھون آ گیا مگر اس مسئلہ میں ایسا شرح صدر ہوا کہ کوئی

اشکال اور گنجلک باقی نہ رہی۔ میں نے اس مسئلہ میں ایک رسالہ تصنیف کیا اس میں مسئلہ توسل کو خوب شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے (اس رسالہ کا نام ''الادراک والتوصل الی حقیقت الاشراک والتوسل'' ہے) اس واقعہ کو بیان فرمانے کے بعد حضرت حکیم الامت یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

اے لقائے تو جواب ہر سوال
مشکل از تو حل شود بے قیل وقال

(القول العزیز، ص ۱۰۷)

قضاء اور خطابت میں میراث نہیں

فرمایا: آج کل یہ مصیبت عام ہورہی ہے کہ قضا اور خطابت میں بھی میراث چلنے لگی ہے کہ قاضی کی اولاد قاضی اور خطیب کی اولاد خطیب، چاہے علم اور دین سے کورے ہی ہوں، گنگوہ میں ایک جاہل قاضی تھے انہوں نے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی نقل اتارنا چاہا مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ عیدین کے خطبے میں کچھ مسائل صدقۂ فطر اور قربانی کے متعلق بیان فرمادیا کرتے تھے۔ قاضی صاحب نے سوچا ہم مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے کسی بات میں کم کیوں رہیں۔ ہم بھی مسائل بیان کریں گے تو آپ نے مسئلہ بیان کیا کہ قربانی میں گائے پورے سال کی ہونا چاہئے اور نہ معلوم کیا گڑبڑ کی کہ لوگ ہنس پڑے کہ جاہل کو مسائل تو معلوم نہیں، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ایسی کرتا ہے مگر اس پر بھی وہ قاضی بنے ہوئے تھے کیونکہ قاضی کی اولاد میں سے تھے۔ حیرت ہے کہ ان باتوں میں تو میراث چلتی ہے اور اس میں میراث نہیں چلتی کہ باپ لنگڑا ہو تو بیٹا بن لنگڑا ہو اور اگر صحیح سالم ہو تو لنگڑا بن جایا کرے اور اگر باپ آنکھوں کے حافظ جی ہوں تو لڑکا بھی حافظ ہو یعنی اندھا ہو کیونکہ عرف میں ہر اندھے کو حافظ ہی کہتے ہیں۔

(اصلاح ذات البین، ص ۴۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا جنازہ

طبرانی نے باسناد صحیح سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طائف میں وفات ہوگئی تو ہم لوگ ان کے جنازے میں شرکت کے لئے گئے۔ ہم نے دیکھا کہ غریق کی شکل کا ایک پرندہ آیا اور ان کی نعش میں داخل ہوگیا ہم نے پھر اس کو نعش سے باہر نکلتے دیکھا۔ چنانچہ جب آپ کو دفن کر دیا گیا تو قبر کے کنارہ سے یہ آیت تلاوت کرنے کی آواز آئی مگر یہ معلوم نہ ہوسکا کہ تلاوت کرنے والا کون تھا۔ "یٰٓاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً ، فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ".

اب اصلاح کی امید نہ رکھو

فرمایا: حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جب کسی کو اصلاحِ خلق کے بہت درپے دیکھتے تو فرمایا کرتے ہاں بھائی کرو تم کو ثواب ملے گا۔ مگر اب اصلاح کی میدنہ رکھو۔ اب اصلاح نہ ہوگی۔ بلکہ فساد ہی بڑھے گا۔ بس اب تو مہدی علیہ السلام ہی آکر امت کی اصلاح فرمائیں گے۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ابتداء میں یہ بات سمجھ میں نہ آتی تھی کہ مگر اب مشاہدہ ہوگیا۔ واقعی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے سچ فرمایا تھا کہ اب اصلاح کی امید نہیں، فتنوں کی گھٹائیں آرہی ہیں ایک چڑھتی ہے ایک اترتی ہے۔

یک من دخیل وآرزو دل بچہ مدعا دہم
تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

(ماہنامہ "النور" ذوالحجہ ۱۳۴۷ھ، تھانبھون، حاشیہ اسباب المحمودیہ)

ذوالقرنین کی ایک قوم سے ملاقات

روایت ہے کہ جب ذوالقرنین اسکندریہ کی تعمیر سے فراغت پا چکے اور اس کو خوب مستحکم بنادیا تو آپ نے وہاں سے کوچ فرمایا اور چلتے چلتے آپ کا گزر ایک ایسی صالح قوم پر ہوا جو راہ حق پر گامزن تھی اور ان کے جملہ امور حق پر مبنی تھے۔ اور ان میں اوصاف حسنہ بدرجہ کمال موجود تھے۔ روزمرہ کے امور میں عدل اور ہر چیز کے مساوی تقسیم انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا، آپس میں صلہ رحمی، حال وقال ایک، ان کی قبریں ان کے دروازوں کے سامنے ان کے دروازے غیر مقفل، نہ ان کا امیر وقاضی، نہ آپس میں امتیازی سلوک، نہ کسی قسم کا لڑائی جھگڑا، نہ گالی گلوچ اور نہ قہقہہ بازی، نہ رنج وغم، آفات سماویہ سے محفوظ، عمریں دراز نہ ان میں کوئی مسکین نہ کوئی فقیر، ذوالقرنین کو یہ حالات دیکھ کر تعجب ہوا اور کہنے لگے کہ تم لوگ مجھ کو اپنے حالات سے مطلع کرو کیونکہ میں تمام دنیا میں گھوما ہوں اور بے شمار بحری اور بری اسفار کئے ہیں مگر تم جیسی صالح اور کوئی قوم نظر نہیں آئی۔ ان کے نمائندے نے کہا کہ آپ جو چاہیں سوال کریں میں ان کے جواب دیتا جاؤں گا۔

ذوالقرنین: تمہاری قبریں تمہارے گھروں کے دروازوں کے سامنے کیوں ہیں؟

نمائندہ قوم: ایسا ہم نے عمداً اس لئے کیا ہے تاکہ ہم موت کو نہ بھول جائیں بلکہ اس کی یاد ہمارے دلوں میں باقی رہے۔

ذوالقرنین: تمہارے دروازوں پر قفل کیوں نہیں؟

نمائندہ: ہم میں سے کوئی مشتبہ نہیں بلکہ سب امانت دار ہیں۔

ذوالقرنین: تمہارے یہاں امراء کیوں نہیں ہیں؟

نمائندہ: ہم کو امراء کی حاجت نہیں ہے۔

ذوالقرنین: تمہارے اوپر حکام کیوں نہیں ہیں؟

نمائندہ: کیونکہ ہم آپس میں جھگڑا نہیں کرتے جو حکام کی ضرورت پیش آئے۔

ذوالقرنین: تم میں اغنیاء یعنی مالدار کیوں نہیں ہیں؟

نمائندہ: کیونکہ ہمارے یہاں مال کی کثرت نہیں ہے۔

ذوالقرنین: تمہارے یہاں بادشاہ کیوں نہیں ہیں؟

نمائندہ: ہمارے یہاں دنیوی سلطنت کی کسی کو رغبت ہی نہیں۔

ذوالقرنین: تمہارے اندر اشراف کیوں نہیں؟

نمائندہ: کیونکہ ہمارے اندر تفاخر کا مادہ ہی نہیں۔

ذوالقرنین: تمہارے اندر اختلاف کیوں نہیں؟

نمائندہ: کیونکہ ہمارے اندر صلح کا مادہ بہت زیادہ ہے۔

ذوالقرنین: تمہارے یہاں آپس میں صلح کا جھگڑا کیوں نہیں؟

نمائندہ: ہمارے یہاں حلم و بردباری کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی ہے۔

ذوالقرنین: تم سب کی بات ایک ہے اور طریقہ راست ہے؟

نمائندہ: یہ اس وجہ سے ہے کہ ہم آپس میں نہ جھوٹ بولتے ہیں نہ دھوکہ دیتے ہیں اور نہ غیبت کرتے ہیں۔

ذوالقرنین: تمہارے سب کے دل یکساں اور تمہارا ظاہر و باطن بھی یکساں ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

نمائندہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم سب کی نیتیں صاف ہیں ان سے حسد اور دغا نکل گئے ہیں۔

ذوالقرنین: تم میں کوئی مسکین وفقیر کیوں نہیں ہے؟ نمائندہ: کیونکہ جو کچھ ہمارے یہاں پیدا ہوتا ہے ہم سب اس کو برابر تقسیم کر لیتے ہیں۔

ذوالقرنین: تمہارے یہاں کوئی درشت مزاج اور تند خو نہیں ہے؟

نمائندہ: کیونکہ ہم سب خاکسار اور متواضع ہیں۔

ذوالقرنین: تم لوگوں کی عمریں دراز کیوں ہیں؟

نمائندہ: کیونکہ ہم سب ایک دوسرے کے حق کو ادا کرتے ہیں اور حق کے ساتھ آپس میں انصاف کرتے ہیں۔

ذوالقرنین: تم باہم ہنسی مذاق کیوں نہیں کرتے؟

نمائندہ: تاکہ ہم استغفار سے غافل نہ ہوں۔

ذوالقرنین: تم غمگین کیوں نہیں ہوتے؟

نمائندہ: ہم بچپن سے بلا و مصیبت جھیلنے کے عادی ہو گئے ہیں لہٰذا ہم کو ہر چیز محبوب و مرغوب ہو گئی ہے۔

ذوالقرنین: تم لوگ آفات میں کیوں نہیں مبتلا ہوتے جیسا کہ دوسرے لوگ ہوتے ہیں؟ نمائندہ: کیونکہ ہم غیر اللہ پر بھروسہ نہیں کرتے اور نہ ہم نجوم وغیرہ کے معتقد ہیں۔

ذوالقرنین: اپنے آباواجداد کا حال بیان کرو وہ کیسے تھے؟

نمائندہ: ہمارے آباو اجداد بہت اچھے لوگ تھے وہ اپنے مساکین پر رحم کرتے اور جو ان میں فقیر ہوتے ان سے بھائی چارہ کرتے۔ جو ان پر ظلم کرتا اس کو معاف کرتا وہ ان کے ساتھ بردباری کا معاملہ کرتے۔ آپس میں صلہ رحمی کا معاملہ کرتے، نماز کے اوقات کی حفاظت کرتے۔ اپنے وعدوں کو پورا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے ہر کام درست کر رکھے تھے اور جب تک وہ زندہ رہے ان کو اللہ تعالیٰ نے آفات سے محفوظ رکھا اور اللہ تعالیٰ نے اب ان کی اولاد یعنی ہم کو بھی انہی کے نقش قدم پر ثابت رکھا۔

یہ سب باتیں سن کر ذوالقرنین نے کہا اگر میں کسی جگہ قیام کرتا تو تمہارے پاس کرتا، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے کہیں قیام کی اجازت نہیں اس لئے معذور ہوں۔

حضرت حکیم الامت کے آنے سے دل تازہ ہونا

فرمایا: ایک مرتبہ میں گنگوہ حاضر ہوا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شفقت کی یہ حالت تھی کہ فرمایا: جب تم آجاتے ہو دل تازہ ہوجاتا ہے۔ میں نے واپسی کی اجازت چاہی کہ حضرت جاؤں گا۔ فرمایا کہ اتنی جلدی۔ میں نے کہا کہ کپڑے میلے ہوگئے ہیں، زیادہ ٹھہرنے کے ارادہ سے نہیں آیا تھا۔ فرمایا کہ کپڑے تو ہم دے دیں گے۔ میں نے عرض کیا حضرت اور بھی کام ہے۔ پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ نہیں فرمایا۔ حضرت کے کپڑے پہننے کو بھی جی نہیں چاہا۔ بے ادبی معلوم ہوتی۔

(الافاضات الیومیہ، ج ۳، ص ۲۰۱)

اس ملفوظ سے معلوم ہوا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ پر کتنی شفقت فرماتے تھے اور حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا کتنا ادب کرتے تھے۔

مذہب حنفی احادیث میں روشن نظر آتا ہے

فرمایا: حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب حدیثوں میں ایسا روشن نظر آتا ہے جیسا کہ نصف النہار میں آفتاب۔ بات یہ ہے کہ معرفت کے لئے فہم کی ضرورت ہے۔ بدفہم لوگ شب و روز معترض رہتے ہیں، بینائی تو اپنی خراب اور آفتاب پر اعتراض۔ (الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ، جلد ۳، ص ۴۰)

پاؤں دبوانے میں راحت

فرمایا: ایک گاؤں والے نے جو دیندار تھا اور بے تکلف، حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو پاؤں دبواتے ہوئے دیکھا۔ کہنے لگا مولوی جی! جی تو بڑا خوش ہوتا ہوگا کہ میں پاؤں دبوا رہا ہوں۔ فرمایا کہ ہاں خوش تو ہوتا ہے مگر اس وجہ سے نہیں کہ میں بڑا ہوں۔ بلکہ راحت کی وجہ سے تو وہ کہتا ہے کہ بس تو تم کو پاؤں دبوانا جائز ہے۔ کیا ٹھکانہ ہے اس فہم کا؟ کہاں نظر پہنچی۔ آج کل تو مشائخ کی بھی ان دقائق پر نظر نہیں۔ (الافاضات الیومیہ، ج ۳، ص ۴۹، ۳۴۴، وجلد ۲، ص ۲۲۵، ۲۷۰)

شباہت تو ایسی!

علامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سی کتابوں میں یہ روایت دیکھی ہے کہ جس کو زید ابن اسلم نے اپنے والد کے حوالے سے نقل کی ہے، کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے لوگوں سے مخاطب تھے تو ایک شخص اپنا لڑکا ساتھ لئے ہوئے حاضر مجلس ہوا، اس کو دیکھ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ایسی مشابہت کوے میں بھی نہیں دیکھی جیسی کے تجھ میں اور تیرے لڑکے میں ہے۔ اس شخص نے جواب دیا کہ امیر المومنین اس لڑکے کو اس کی والدہ نے اس وقت جنم دیا جب کہ وہ مر چکی تھی۔ یہ سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ اس بچہ کا قصہ مجھ سے بیان کرو۔

اللہ کی امانت میں دینے کا فائدہ

چنانچہ اس شخص نے کہا کہ اے امیر المومنین ایک مرتبہ میں نے سفر کا ارادہ کیا اس وقت اس کی والدہ کو اس کا حمل تھا اس نے مجھ سے کہا کہ تم اس حال میں چھوڑ

کر سفر پر جارہے ہو میں حمل کے بارے میں بوجھل ہورہی ہوں۔ میں نے کہا کہ میں اس بچہ کو جو تیرے بطن میں ہے اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر میں گھر سے روانہ ہوگیا۔ اور کئی سال تک گھر سے باہر رہا۔ پھر جب گھر واپس آیا تو گھر کا دروازہ مقفل دیکھ کر میں نے پڑوسیوں سے معلوم کیا کہ میری بیوی کہاں ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس کا انتقال ہوگیا۔ میں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ اس کے بعد میں اپنی بیوی کی قبر پر گیا۔ میرے چچازاد بھائی میرے ساتھ تھے۔ میں کافی دیر تک روتا رہا۔ میرے بھائیوں نے مجھے تسلی دی اور واپسی کا ارادہ کیا اور مجھے واپس لانے لگے چند گز ہی ہم آئے ہوں گے کہ مجھے قبرستان میں آگ نظر آئی۔ میں نے اپنے بھائیوں سے پوچھا کہ یہ آگ کیسی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ آگ روزانہ رات کے وقت بھابی مرحومہ کی قبر سے نمودار ہوتی ہے۔

میں نے یہ سن کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھی اور کہا کہ یہ عورت تو بہت نیک اور تہجد گزار تھی تم مجھے دوبارہ اس کی قبر پر لے چلو۔ چنانچہ وہ لوگ مجھے قبر پر لے گئے جب میں قبرستان میں داخل ہوا تو میرے چچازاد بھائی وہیں ٹھٹھک گئے اور میں تنہا اپنی بیوی مرحومہ کی قبر پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ قبر کھلی ہوئی ہے اور میری بیوی بیٹھی ہے اور یہ لڑکا اس کے چاروں طرف گھوم رہا ہے۔ ابھی میں اس طرف متوجہ تھا کہ ایک غیبی آواز آئی کہ اے اللہ کو اپنی امانت سپرد کرنے والے اپنی امانت واپس لے لے، اور اگر تو اس کی والدہ کو اللہ کے سپرد کرتا تو وہ بھی تجھ کو مل جاتی یہ سن کر میں نے لڑکے کو اٹھالیا۔ میرے لڑکے کو اٹھاتے ہی قبر برابر ہوگئی۔ اے امیر المومنین میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ واقعہ صحیح ہے۔ (بحوالہ حیاۃ الحیوان)

عبیدہ بن واقدی بصری فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حج کے لئے روانہ ہوا تو اتفاقاً میری ایک شخص سے ملاقات ہوگئی جس کے ہمراہ

ایک لڑکا تھا جو کہ نہایت خوبصورت تھا تیز رفتار تھا۔ میں نے اس شخص سے پوچھا یہ لڑکا کس کا ہے؟ اس شخص نے جواب دیا کہ یہ لڑکا میرا ہی ہے اور اس کے متعلق ایک عجیب وغریب واقعہ ہے جو میں آپ کو سناتا ہوں اور وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ میں حج کے لئے گیا میرے ہمراہ میری بیوی یعنی اس لڑکے کی والدہ بھی تھی اور اس وقت یہ لڑکا اس کے بطن میں تھا دوران سفر اس کی والدہ کی دردزہ شروع ہوا اور یہ لڑکا پیدا ہوا لیکن اس کی والدہ عسرت ولادت کی وجہ سے انتقال کرگئی۔ چنانچہ میں اس کی والدہ کی تجہیز وتکفین وغیرہ سے فارغ ہوا اور روانگی کا وقت آیا تو میں نے لڑکے کو ایک پارچہ میں لپیٹ کر ایک غار میں رکھ دیا اور اس کے اوپر پتھر رکھ دیئے اور یہ خیال کرتا ہوا قافلہ کے ساتھ روانہ ہوگیا کہ یہ بچہ کچھ دیر بعد مرجائے گا۔ حج سے فارغ ہوکر جب ہم لوٹے اور اس منزل پر پہنچے تو میرے ہمرائیوں میں سے ایک شخص دوڑ کر فوراً اس غار پر پہنچا اور پتھر ہٹائے تو کیا دیکھتا ہے کہ لڑکا زندہ ہے اور اپنی انگلی چوس رہا ہے اور اس میں سے دودھ جاری ہے چنانچہ میں نے اس کو اٹھالیا اور اب یہ آپ کے سامنے موجود ہے۔

انسان چونکہ مدنی الطبع واقع ہوا ہے۔ اس لئے اس کو زندگی کے ہر کام میں تعاون باہمی اور ربط وتعلق کی ضرورت پڑتی ہے، چونکہ زندگی گزارنے میں انسان ایک دوسرے کا محتاج ہوتا ہے، اسلام نے انسان کی اس فطری ضرورت کا خوب لحاظ کیا اور آپس میں ان کے درمیان ایک دوسرے کے حقوق متعین کردیئے کہ اگر ان حقوق کی پاسداری کی جائے تو ایسا کرنے والا از روائے شرع محمود ہے اور اگر ان حقوق کی پامالی کرے تو شریعت اس کو مبغوض قرار دیتی ہے۔

انسان کا حق

اسلام سے پہلے پورے عالم میں ابتری پھیلی ہوئی تھی، خدائے واحد کی بنائی ہوئی اس دنیا میں جہاں خود اس کے خلیفہ اسی کی نافرمانی واحسان فراموشی کا مظاہرہ کررہے تھے، وہیں وہ آپس میں یگانگی ووحدت سے یکسر محروم تھے۔ یعنی جہاں انسان اپنے خالق کی اطاعت شعاری وفرماں برداری سے گریزاں تھا تو ہیں اپنے بھائی کے خون، اس کی عزت، اس کے مال بلکہ اس کے تمام حقوق کو اچک لینے کے لئے کوشاں تھا، زر پرستی عام، زنا کاری کا زور اور جنسی خواہشات کی تکمیل کے لئے غلاموں کو انسان نما جانور سمجھا جاتا تھا، اگر کوئی بادشاہ ہوتا تو وہ اس کو غلام بنانا اپنا بنیادی حق سمجھتا تھا اور پھر ان کی نسل میں پیدا ہونے والے افراد کے حصول کے لئے بدتر سے بدتر حربہ استعمال کرنے میں ذرا بھی عار محسوس نہیں کرتا تھا۔ ایسے میں اللہ نے نبی کریم کو مبعوث فرما کر دنیا کو رحمت ومودت، شفقت ومحبت کا پیغام دیا، جو دم توڑتی انسانیت کے لئے حیات نو اور گلشن ہستی کے خزاں رسیدہ ماحول کے لئے باد بہاراں ثابت ہوا۔

سب سے پہلا حق جو انسان کو بحیثیت انسان ملتا ہے وہ اس کا احترام ہے، کیونکہ خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو مکرم ومحترم بنایا ہے، چنانچہ فرمایا گیا: ''اور تحقیق کہ ہم نے انسان کو مکرم بنایا ہے''۔ (بنی اسرائیل:۷۰)

اللہ تعالیٰ نے معنوی کرامت وحرمت کے ساتھ ساتھ حسن وزیبائش بھی انسان کو عطا کی، فرمایا: تحقیق کہ ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھالا ہے۔ (التین:۴) اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان کو مسجود ملائکہ بنا کر یہ اعلان کردیا کہ تمام مخلوق میں مہتم بالشان اور اشرف وبرتر انسان ہی ہے''۔ (بقرہ:۳۴)

اور نبی کریم ﷺ نے بھی احترام انسانیت کی حد درجہ تاکید فرمائی اور اس پر خوب ابھارا، حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔

(بخاری: کتاب الادب، باب رحمۃ الناس والبہائم:۶۰۱۳)

ایک اور موقع سے ارشاد فرمایا: ''رحم کرنے والوں پر اللہ رحم فرماتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والا رحم کرے گا''۔ (ابوداؤد: باب فی الرحمۃ، کتاب الادب:۴۹۴۱)

نبی کریم ﷺ نے ساری مخلوق کو خدا کا کنبہ قرار دیتے ہوئے فرمایا: ''مخلوق اللہ کا کنبہ ہے پس اللہ کے نزدیک سب سے محبوب وہ ہے جو اللہ کے کنبے کے ساتھ حسن سلوک کرے''۔ (سنن کبری، بیہقی، بحوالہ مشکوۃ شریف:۴۲۵)

یہ پہلا سبق ہے کتابِ ہدیٰ کا
کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا

جان ومال کا تحفظ

قرآن کریم کی ان تصریحات اور احادیث شریفہ کی وضاحت سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آتی ہے کہ اسلام کے نزدیک حرمت انسانی کی پامالی ہرگز قابل قبول نہیں ہے، اور اگر کوئی اس جرم کا ارتکاب کرے تو وہ بدترین مجرم شمار ہوگا، جیسا کہ پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے، اور اگر کوئی اس فریضے کی انجام دہی کرتا ہے تو وہ محبوب ترین انسان ہے، جیسا کہ تیسری حدیث سے مستفاد ہے۔

دوسرا اہم ترین حق جو انسان کو من حیث الانسان ملتا ہے، وہ اس کی جان عزیز کا تحفظ ہے، اس بارے میں خود قرآن کریم نے نہایت اہم احکام دیئے اور کسی شخص کے قتل کو بغیر کسی جرم کے نہایت ہی گھناؤنا شمار کیا اور احادیث میں بھی آپ نے اس

بارے میں تاکیدی احکامات دیئے ہیں، چنانچہ قرآن کریم میں بغیر کسی جرم کے قتل کرنے کو سنگین جرم قرار دیتے ہوئے فرمایا گیا: ''جس نے ایک انسان کو قتل کیا بغیر کسی جرم کے یا بغیر زمین میں فساد کئے تو گویا اس نے پوری انسانیت کا قتل کیا، اور جس نے کسی ایک انسان کی جان بچائی تو گویا اس نے پوری انسانیت کی جان بچائی''۔(مائدہ:۳۲)

اسلام کا نقطۂ نظر یہ!

اس لئے کہ اگر کوئی شخص ایک آدمی کو اپنی بہیمیت کا شکار بنائے اور اس کو یونہی چھوڑ دیا جائے تو اس کی چنگیزی، روز بروز بڑھتی جائے گی، پھر وہ کسی، خاندان، قبیلے بستی تک ہی نہیں بلکہ وہ ملکی اور عالمی پیمانے پر تباہی برپا کرنے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔ چنانچہ اسلام نے ایسا تصور پیش کیا کہ اگر کوئی شخص بشرط یہ کہ اس کے پہلو میں انسانی دل ہو قتل کا ارادہ کرے تو وہ یقیناً اس سے رک جائے گا۔ اور اگر وہ قتل سے رک جائے تو گویا اس نے پوری انسانیت کو حیات نو عطا کر دیا، اس لئے کہ اس کے اس مبارک اقدام سے ماحول میں امن وسکون اور مواخات وخیر سگالی پیدا ہوگی، جو یقیناً پوری انسانیت کے لئے حیات نو سے کم مرتبہ نہیں رکھتا''۔

اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر دے تو اسلام نے حکم دیا کہ اس سے اس بھیانک جرم کا انتقام لیا جائے تاکہ دوبارہ کسی کو بھی اس کی جرأت نہ ہو، چنانچہ فرمایا گیا: ''جو شخص ظلماً قتل کیا جائے تو ہم نے اس کے ولی کو غلبہ دے رکھا ہے''۔ (یعنی اسے اجازت دی ہے کہ وہ اپنے مقتول کا بدلہ لے)۔(بنی اسرائیل:۳۳)

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے دن سب سے پہلے قتل وخون کا بدلہ لیا جائے گا''۔ (نسائی، کتاب المحاربۃ، باب تعظیم الدم:۲۹۹۸) اس حدیث سے انسانی جان کے

تحفظ کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے، اسلام یہ نقطہ نظر کسی خاص مذہب والوں کے متعلق نہیں بلکہ اس کا یہ عام تصور ہے، چنانچہ آپ ﷺ کے عہد میں ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا تو آپ ﷺ نے اسے قصاصاً قتل کرنے کا حکم دیا۔

(بیہقی:۳۴۴/۹، کتاب الجزیہ، باب الایاخذ المسلمون من شمار....الخ:۱۸۷۳۱، بخاری:۳۱۶۶)

اور اگر کوئی قتل کا حکم دے تو وہ قاتل سے زیادہ مورد عتاب ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جہنم کی آگ ستر (۷۰) حصوں میں بانٹ دی گئی ہے ان میں سے انہتر (۶۹) حصے اس کے لئے ہیں جو دوسروں کے قتل کرنے کا حکم دے اور ایک حصہ قاتل کے لئے۔(اسلام میں انسانی حقوق)

تیسرا حق جو عام انسان کو ملتا ہے وہ اس کے مال کا تحفظ ہے، یعنی کسی کیلئے قطعاً یہ جائز نہیں کہ وہ کسی کا مال بلا اجازت استعمال کرے، اس لئے کہ وہ مال اس کا نہیں بلکہ صاحب مال کا ہے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، چنانچہ فرمایا گیا: مردوں کیلئے ہے وہ مال جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لئے وہ جو انہوں نے کمایا''۔(نساء:۳۲)

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ''نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا ناحق مگر یہ کہ تجارت ہو باہمی رضامندی سے''۔(نساء:۲۹)

اگر کوئی شخص کسی کا مال چوری کر لے تو حکم دیا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ ارشاد ہے: ''چور اور چورنی کا ہاتھ کاٹ دو''۔(المائدہ:۳۸) اور اگر ڈاکہ زنی کرلے تو حکم دیا کہ اسے قتل کر دو یا سولی پر چڑھا دو یا ایک پاؤں یا ایک ہاتھ کاٹ دو یا جلاوطن کر دو''۔(مائدہ:۳۲)

نبی کریم ﷺ نے بھی اس بارے میں خصوصی ہدایات فرمائی ہیں، حجۃ الوداع کے موقع سے آپ ﷺ نے ہر ایک کے لئے دوسرے کا مال، اس کی جان، اس کی عزت، کو محترم قرار دیا ہے''۔(مسلم: کتاب الحج، باب حجۃ النبی ﷺ:۱۳۱۸)

اورآپ ﷺ نے ارشادفرمایا: خبردار! ظلم نہ کیا کرو، سن لوکسی کا مال اس کی مرضی اورخوش دلی کے بغیر دوسرے کے لئے جائزنہیں ہے''۔ (مشکوۃ:۲۵۵)

قرآن وحدیث کی یہ تعلیمات یہ وضاحت اس بات پر دلالت کررہی ہیں کہ ہرانسان کا مال اس کا اپنا ہے کسی دوسرے کواس میں تصرف کی قطعاً اجازت نہیں، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے سود، رشوت، ڈاکہ زنی چوری وغیرہ سے شدت کے ساتھ روکا ہے اوران جرائم کے مرتکبین پرسزائیں مقرر کی ہیں، تاکہ معاشرہ کا امن بحال رہے اورسکون غارت نہ ہو۔

عزت وناموس کی حفاظت

انسان کی فطرت ہے کہ اگراس کی طبیعت اوراس کے منشاء کے خلاف کوئی بات ہوتواس کو ناگوار ہوتی ہے اور یہ واقعی اور مقتضائے عقل کے عین مطابق ہے، شریعت نے اس کا بھی خوب لحاظ کیا اورکسی کی عزت وناموس پر دست درازی قطعاً حرام قرار دیا ہے۔ چنانچہ اگرکوئی عورت کی عزت وناموس کی دھجیاں اڑائے تواس کو سو(۱۰۰) درے لگانے کا حکم دیا۔ (سورہ نور:۲) شریعت نے اس بات سے بھی سختی سے روکا کہ کوئی کسی پرالزام تراشی کرے۔ فرمایا: ''جوکوئی خطا، یا گناہ کرے، پھراس کا بہتان کسی اورکے سرلادے تواس نے بہتان اور کھلے گناہ کا ارتکاب کیا''۔ (نساء:۱۱۲)

اوراگرکسی پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت لگائے تو اَسّی (۸۰) کوڑے لگانے کا حکم دیا۔ (نور:۴۰) اوراگرغیبت کرے تو شریعت نے اس کو مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے برابرقرار دیا۔ (حجرات:۱۲) اور نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع سے ایک انسان کی عزت کو دوسرے کے لئے حرام قرار دیا، آپ ﷺ نے انسان کی عزت نفس کا اتنا خیال کیا کہ آپ ﷺ نے جتنے شاہان وقت کوخطوط لکھے

سب کے نام کے ساتھ ''عظیم'' کا لفظ لکھا۔ آپ کے پاس جتنے وفود آتے تھے آپ ﷺ ان کے ساتھ حسب مراتب معاملہ فرماتے تھے، آپ ﷺ نے عام تعلیم دی کہ لوگوں کوان کے مرتبوں کے بقدر مقام دو۔ (ابوداؤد، کتاب الادب:۴۸۴۲)

مال ودولت کی حیثیت

انسانی معاشرے میں کچھ لوگوں کا دولت منداور کچھ کا غریب وضرورت مند ہونا نظام قدرت اور تقاضۂ فطرت ہے۔ اس لئے ہرسماج کی ضرورت ہے کہ اس کے خوش حال اوراصحاب کشائش اپنے ضرورت منداورغریب بھائیوں کی مدداوران کی ضروریات کی تکمیل کے لئے اپنی دولت کا کچھ حصہ اسی مقصد کے لئے نکالیں، اسی لئے پہلے آسمانی مذاہب میں بھی زکوٰۃ وصدقات کا حکم فرمایا گیا۔ قرآن مجید کا بیان ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی اپنے اہل وعیال کو زکوٰۃ دینے کا حکم فرمایا کرتے تھے ''وَكَانَ يَأْمُرُ اَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ'' (مریم:۵۵) بنی اسرائیل سے خدانے جن باتوں کا عہد لیا تھا، ان میں نماز کا قائم کرنا اورزکوٰۃ کا ادا کرنا بھی تھا۔ (البقرہ:۸۳) حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی اعلان فرمایا کہ مجھے زندگی بھراقامت صلوٰۃ اوراداءزکوٰۃ کی ہدایت کی گئی ہے۔ وَاَوْصَانِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا۔ (مریم:۳۱)

انفاق فی سبیل اللہ

ہرچندکہ بائبل میں انسانی ہاتھوں اوردماغوں نے بہت کچھ تحریف کی ہے، لیکن اب بھی اس میں کہیں مبہم اور کہیں واضح ہدایت صدقہ وانفاق کی ملتی ہے، تورات غلہ اور جانور دونوں میں دسواں حصہ واجب قرار دیتا ہے: ''اورزمین کی پیداوار کی مساوی دہِ یکی (دسواں حصہ) خواہ دہِ زمین کے بیج کی یادرخت کے پھل

کی ہو، خداوند کی ہے اور خداوند کے لئے پاک ہے اور گائے، بیل اور بھیڑ، بکری یا جو جانور چرواہے کی لاٹھی کے نیچے سے گذرتا ہو، ان کی دہ یکی یعنی دس پیچھے ایک ایک جانور خداوند کے لئے پاک ٹھہرے''۔ (احبار:۲۷،۳۰.....۳)

فی کس آدھا مثقال اس کے علاوہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو ہدایات دی گئیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ: ''دولت مند نیم مثقال سے زیادہ نہ دے اور نہ غریب اس سے کم دے''۔ (خروج:۳۰/۱۵)

دوسرے مذاہب میں بھی نذر، قربانی اور دان کا تصور موجود ہے۔ غرض انسانی خدمت، غریبوں کی مدد اور حاجت مندوں کی حاجت برآئی مذاہب عالم اور انسانی فطرت سلیمہ کا ایک مشترک ورثہ ہے۔ جسے اسلام نے نہ صرف باقی رکھا۔ بلکہ اس کو خدا کی بندگی کا اہم درجہ بنادیا اور اس کی اہمیت میں اضافہ کرنے کے ساتھ ساتھ انسانیت کو اس کا ایک مرتب نظام عطا فرمایا۔

اسلام کا اولین مقصد

اسلامی تعلیمات کا اولین اور مستند ترین سرچشمہ قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید نے زکوٰۃ کو جو اہمیت دی ہے اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اس نے بیس مقامات پر زکوٰۃ کو اسلام کے رکن اول نماز کے دوش بدوش ذکر کیا ہے، بتیس مقامات پر صریحاً زکوٰۃ کا اور پندرہ مقامات پر صدقہ کا ذکر آیا ہے۔ مختلف سیاق میں رحمت خداوندی کا حق دار ہونے کے لئے ایمان وتقویٰ کے ساتھ زکوٰۃ کی ادائیگی کو بھی شرط قرار دیا گیا۔ (اعراف:۱۵۶) اور فرمایا گیا کہ زکوٰۃ تمہارے مال میں کسی کا سبب نہیں، بلکہ برکت واضافہ کا باعث ہے: ''وَمَا اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ'' (روم:۳۹)

آخرت میں اس کا جو ثواب ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے: ''اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کی مثال اس بوئے گئے دانے کی ہے، جس میں سات بالیاں نکل آئیں اور ہر بال میں سو دانے ہوں، اللہ جس کے لئے چاہتے ہیں دوچند کردیتے ہیں اور وہ وسعت اور علم والے ہیں۔'' (البقرہ:۲۶۱)

یہ بھی فرمایا گیا کہ نماز اور زکوٰۃ آخرت میں غم وافسوس اور خوف واندیشہ سے حفاظت کرے گی۔ (البقرہ:۲۷۷)

راہِ خدا میں مال صرف نہ کرنے کا عذاب

جو لوگ زکوٰۃ ادا نہ کریں اور غریبوں کے اس حق سے پہلوتہی برتیں، ان کے لئے اسی درجہ عبرتناک سزا ہے:

''جس دن سونا چاندی دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائے گا، پھر اس سے پیشانیاں، پہلو اور پشت داغے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ یہی مال ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا اب اس مال کا سزا چکھو''۔ (توبہ:۳۵)

کہیں فرمایا گیا کہ اس مال کا طوق عذاب بنا کر اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔ (آل عمران:۱۸۰) واقعہ ہے کہ اعمال صالحہ میں نماز کے بعد جس تاکید واہتمام اور کثرت وتکرار کے ساتھ قرآن مجید نے زکوٰۃ وصدقات، انفاق، انسان کی مدد، یتیموں اور حاجت مندوں کے ساتھ حسن سلوک کا ذکر کیا ہے، کسی اور عمل پر اس اہمیت کے ساتھ زور نہیں دیا گیا ہے۔

مختلف بیعت

رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ کو ارکان اسلام میں نماز کے بعد درجہ دیا ہے۔ اور بعض اوقات آپ ﷺ نے جن باتوں پر بیعت لی، ان میں زکوٰۃ کا بھی ذکر

فرمادیا۔ (بخاری، کتاب الزکوۃ: ۱/۱۸۸) آخرت میں زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر آپ ﷺ کی جو وعیدیں ہیں وہ نہایت لرزادینے والی ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس مال کی زکوٰۃ ادانہ کی گئی ہوگی وہ زہریلے سانپ کی صورت اختیار کر کے گلے کا طوق بن جائے گا اور ڈستا رہے گا۔ (بخاری: باب اثم مانع الزکوۃ) جن جانوروں کی زکوٰۃ نہ دی گئی ہوگی وہ اس کے جسم کو روندیں گے۔ (حوالۂ سابق) دوخواتین خدمت اقدس ﷺ میں حاضر ہوئیں جن کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کی زکوٰۃ ادا کردی؟ انہوں نے نفی میں جواب دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم کو یہ پسند ہے کہ آگ کے کنگن تم کو پہنائے جائیں؟ اور زکوٰۃ ادا کرنے کی ہدایت فرمائی۔ (ترمذی: ۱/۱۳۸، باب ماجاء فی زکوۃ الحلی) اس کے علاوہ آپ ﷺ نے دنیا میں بھی زکوٰۃ ادا کرنے پر خوش خبری دی اور نہ ادا کرنے پر اللہ کی پکڑ کا ذکر فرمایا ہے۔فرمایا کہ صدقہ سوء خاتمہ سے بچاتا ہے۔ (ترمذی: ۱/۱۴۴) عمر میں اضافہ کرتا ہے، (الترغیب والترہیب: ۱۶۱) ستر مصیبتوں کے دروازے بند کرتا ہے۔ (حوالہ سابق) بلائیں صدقہ کی وجہ سے نہیں آتی ہیں، **فَاِنَّ الْبَلاءَ لا یَتَخَطَّاھَا**. (مشکوۃ المصابیح: ۱/۱۶۷) جس مال کی زکوٰۃ نہ ادا کی جائے، تو مال زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ اصل مال بھی ہلاک وضائع ہوجاتا ہے۔ (مشکوۃ، کتاب الزکوۃ) دنیا میں انسان کی بداعمالیوں کا اس پر کیا اثر مرتب ہوتا ہے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس سلسلہ میں حضور ﷺ کی اثر انگیز روایت نقل کی ہے، فرماتے ہیں:

پانچ گناہوں کی نحوست

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے جماعت مہاجرین! پانچ گناہ ہیں کہ جب تم ان میں مبتلا ہوجاؤ گے، (مصیبتوں میں پڑوگے) اور میں اس بات سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں کہ تم ان گناہوں میں مبتلا ہو۔جس قوم میں کھلے عام بدکاریاں

ہونے لگیں، ان میں طاعون اور ایسی تکلیف دہ بیماریاں پیدا ہوں گی جو پہلے کے لوگوں کو نہیں ہوں گی، ناپ تول میں کمی کریں گے تو قحط، تنگ حالی اور حکمرانوں کا جور وظلم ان پر ہوگا، جو زکوٰۃ ادا نہ کریں گے بارش سے محروم کردیئے جائیں گے اور (اس بستی میں) جانور نہ ہوں شاید ان پر بالکل ہی بارش نہ ہو، خدا اور رسول کے پیمان کو توڑیں گے تو دشمنوں کو جو کفار ہوں گے ان پر مسلط کردے گا اور وہ ان کے قبضہ سے بعض چیزیں چھین لیں گے اور مسلمانوں کے جو حکمراں قرآن مجید کے مطابق فیصلہ نہ کریں گے اور احکام الٰہی کو ترجیح نہ دیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی قوت کو باہم ہی ٹکرادے گا۔'' (ابن ماجہ: عن ابن عمر ۲/۲۹۰، باب العقوبات)

غور کیا جائے تو آج اس حدیث کی تصدیق چشم سر سے دیکھی جاسکتی ہے، اقوام مغرب میں بدکاریاں، ایسے امراض کا وجود جن سے کان ودل یکسر نا آشنا تھے، حکمرانوں کا ظلم وجور، قحط وخشک سالی، مسلمان پر ان کے دشمنوں کا غلبہ وتسلط اور باہمی آویزشیں، یہ ساری حقیقتیں دوپہر کی دھوپ کی طرح سامنے ہیں! اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ معاشی تنگ حالی اور درماندگی کا ایک سبب اس امت کا فریضہ زکوٰۃ سے غفلت وبے اعتنائی ہے۔

غور کیجئے تو مذاہب کی تعلیم کا خلاصہ اللہ سے تعلق اور محبت ہے، راہبوں کی گھٹنے کے بل قیام، مندروں میں بتوں کے سامنے سجود ونیاز، آتش کدوں میں آتش اعتقاد کو سلگانا اور مسلسل روشن رکھنا: ان سب کا خلاصہ اپنے خیال وعقیدہ کے مطابق خدا سے تعلق کے اظہار کے سوا اور کیا ہے؟ اسلام نے اس مقصد کے لئے نماز کا نہایت پاکیزہ اور اثر انگیز عمل رکھا جس میں زبان اور آنکھیں، ہاتھ اور پاؤں اور جسم کا ایک ایک حصہ خدا کی بارگاہ میں حاضر اور متوجہ رہتا ہے، عجز اور فروتنی کی انتہا یہ ہے کہ انسان اپنی پیشانی تک خاک پر رکھ دیتا ہے۔

مال بھی اللہ کی امانت ہے

لیکن تعلق مع اللہ اسی وقت اوج کمال کو پہنچ سکتا ہے جب کہ غیر اللہ سے بے تعلقی کا اظہار ہو۔ دنیا میں جو چیز سب سے زیادہ امن نفس کو کھینچتی ہے اور اپنا فریفتہ کرتی ہے وہ مال و دولت ہے اس کی حرص اول خدا سے غرور انگڑائیاں لینے لگتا ہے۔ یہی ''کبر'' دین و اخلاق کے لئے سم قاتل ہے، اس سے خود غرضی پیدا ہوتی ہے، ایثار کا جذبہ مفقود ہوتا ہے، لوگوں کے حقوق کو وہ ڈھکوسلہ سمجھنے لگتا ہے، اپنی دولت کے لئے خود اپنے قوتِ بازو کا ثمر ہونے کا خیال جڑ پکڑتا ہے۔

''زکوٰۃ'' اسی مال کی محبت کو کم کرتا ہے، ''نماز'' خدا سے تعلق کا سامان ہے اور ''زکوٰۃ'' غیر اللہ سے بے تعلقی کا عنوان ہے، اسی کو ''تزکیہ'' کہا جاتا ہے، اس سے تواضع کا اظہار ہوتا ہے، ایثار کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، زکوٰۃ کا عمل بندہ کے اس یقین کو ظاہر کرتا ہے کہ جو کچھ ہے، خدا کا عطیہ ہے، اس میں خود کی قوت و قدرت کو دخل نہیں، یہ اس بات کا اقرار ہے کہ خدا کی خوشنودی کی قربان گاہ پر وہ دولت دنیا کو قربان کرنے کے لئے تیار ہے، یہ ایمان کی تازگی ہے، دولت دنیا کی تطہیر ہے، عقیدہ اور باطن کی صفاء ہے اور اعمال کی پاکی ہے۔ اس لئے اس کا نام ہی ''زکوٰۃ'' رکھا گیا، جس کے معنی ہی پاکی کے ہیں۔

قرآن نے زکوٰۃ میں پائے جانے والی تربیت اخلاق اور تزکیۂ باطن کی خاص صلاحیت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے: ''خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ'' (توبہ:۱۰۳) ''ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے، اس کے ذریعہ آپ انہیں پاک وصاف کردیں گے''۔

زکوٰۃ ادا کرنے میں حکمت

یہ تو زکوٰۃ کا اخلاقی اور روحانی پہلو ہے، اس کے مادی اور معاشی فوائد ظاہر ہیں، کوئی بھی سماج دولت مند اور غریب طبقہ سے خالی نہیں ہوسکتا، زکوٰۃ سماج کے غریب طبقہ کو تحفظ وضمانت عطا کرتا ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے خوب فرمایا کہ اگر تمام لوگ زکوٰۃ ادا کریں تو کسی کو غذا اور لباس سے محروم ہونا نہ پڑے۔

''اللہ نے اہل دولت پر جو زکوٰۃ فرض کی ہے، وہ اتنی مقدار ہے کہ فقراء کے لئے کافی ہوجائے، اگر یہ بھوکے، بے لباس اور پریشان رہیں تو یہ اغنیاء کے فریضۂ زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی وجہ سے ہوگا اور اللہ تعالیٰ کو حق ہے کہ وہ قیامت کے دن ان کا محاسبہ کریں اور ان کو اس پر عذاب دیں''۔

یقین ہے کہ اگر دولت کے اعتبار سے تین درجات کئے جائیں، ایک وہ لوگ جن پر زکوٰۃ واجب ہے دوسرے وہ جو زکوٰۃ کے حقدار ہیں، پھر ان لوگوں کی دولت اور اس کی شرح زکوٰۃ کا حساب کیا جائے جن پر زکوٰۃ واجب ہے اور ان لوگوں کی غربت کو ملحوظ رکھ کر ان کی ضروریات کا حساب لگایا جائے تو ضرور زکوٰۃ تمام غرباء کی ضرور پوری کردے گی۔ کاش اعداد وشمار کی مدد سے اس کی تحقیق کی جائے، تو ان شاء اللہ آپ ﷺ کی یہ پیشین گوئی ایمان وعقیدت کی آنکھوں سے نہیں، بلکہ سر کی آنکھوں سے دیکھی جاسکے گی۔ ﷺ۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کا خود اہل ثروت کو یہ فائدہ ہوگا کہ غرباء طبقہ جس کی محبت اور جفاکشی ہی پر چراغ عیش میں شعلہ زن ہے اور جن کے دم سے ہی عشرت کدہ حیات کی ساری بہار قائم ہے۔ میں ان کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا نہیں ہوں گے اور وہ ان کو اپنا ہمدرد و بہی خواہ سمجھیں گے۔ مغربی سرمایہ داری میں زکوٰۃ کے لئے

تو کیا جگہ ہوتی؟ سود نے غرباء اور مزدوروں کی کمر توڑ رکھی ہے، یہ سود اس محتاج ومحنت کش طبقہ میں اہل دولت کے خلاف مخالف جذبات کو جنم دیتا ہے اور بھڑکاتا ہے، کمیونسٹ تحریک اسی ردعمل میں پیدا ہوئی۔ اسلام نے زکوٰۃ کے ذریعہ اس کا علاج کیا ہے اور دولت میں توازن قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔

خوش بختی کے تین اسباب

کسی عارف کا قول ہے سب سے خوش قسمت آدمی وہ ہے جس کا (۱) دل، معرفت ومحبت الٰہی سے سرشار ہو (۲) جسم، راہ خدا میں صبر کا خوگر ہو (۳) ذہن، حرص وطمع کے بجائے موجودہ نعمتوں پر قناعت واکتفا کرتا ہو۔

ہلاکت کے تین اسباب

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تم سے پہلے ہلاک ہونے والی قوموں کو تین چیزوں نے ہلاک کیا: (۱) زیادہ کھانا (۲) زیادہ بولنا (۳) زیادہ سونا۔ دراصل یہ تینوں چیزوں غفلت وبےفکری کی دین ہیں اور غفلت وبےفکری جڑ بنیاد ہے تمام رذائل کی۔

مبارک لوگ

حضرت یحیٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے: مبارک ہو اس شخص کے لئے جس نے (۱) دنیا کو چھوڑ دیا، قبل اس کے کہ دنیا اس کو چھوڑ دے (۲) اور قبر میں رہنے کی تیاری کرلی، اس سے پہلے کہ اس میں جانے کا وقت آجائے، اور (۳) اللہ تعالیٰ کو راضی کرلیا، قبل اس کے کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی گھڑی آجائے۔

اللہ تعالیٰ کا پیغام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت عزیر علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے عزیر! (۱) اگر کسی معمولی گناہ کا تقاضا ہو تو گناہ کے معمولی ہونے کی طرف نظر نہ کرو بلکہ جس ذات کی نافرمانی ہورہی ہے اس کی عظمت کا دھیان کرو (۲) اگر تمہیں کوئی چھوٹی سی نعمت بھی ملے تو اس نعمت کی کمی کی طرف نظر نہ کرو، بلکہ اس کے عطا کرنے والے آقا کی طرف دیکھو کہ کس عظیم ومحبوب ہستی کی طرف سے یہ نعمت ملی ہے (۳) اور جب تکلیف پہنچے تو مخلوق کے سامنے میری شکایت اور مجھ سے گلہ کرتے نہ پھرو۔

بامقصد زندگی

بنی اسرائیل کے ایک شخص نے ۸۰ صندوق کتابیں جمع کیں، لیکن ان پر عمل کرکے ان سے نفع حاصل نہ کیا، اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے نبی پر وحی بھیجی کہ اس کو بتلادیا جائے کہ اگر تو اس سے بھی بڑھ کر علم حاصل کرلے جتنا اب تک حاصل کرلیا ہے تب بھی تجھ کو کچھ فائدہ نہ ہوگا جب تک کہ تین باتوں پر عمل نہ کرے۔ (۱) دنیا سے محبت نہ کر، کیوں کہ دنیا کسی عقل مند ایمان دار کے نزدیک رہنے کی جگہ نہیں (۲) شیطان سے دوستی نہ کر، کیوں کہ وہ مومنین کا دوست نہیں (۳) اور کسی شخص کو تکلیف نہ پہنچا کیوں کہ یہ حرکت مومن کی شان کے لائق نہیں۔

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو بامقصد زندگی بسر کرنے پر زور دیتا ہے۔ اسلام چونکہ دنیا میں عظمت آدم اور شرف انسانیت کا نقیب بن کر آیا ہے۔ اس لئے وہ ان انسانی اقدار اعلیٰ کو اپنانے کی ہدایت کرتا ہے، جن سے بامقصد زندگی کی تکمیل ہوتی ہے اور جن سے عالم انسانیت کی فلاح وبہبود کی راہیں استوار ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی نظر میں عزت دار کون؟

با مقصد زندگی میں اسلامی معاشرے کا محترم فرد وہ ہے جو دین و دنیا میں کامیابی کی منزلیں طے کرنے کے لئے سیرت و کردار، اجتماعی مفاد اور بے لوث دینی و اسلامی خدمت کے جذبے سے سرشار ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے پاس اپنا فکری نظریہ موجود ہے اور خدا نے ملت بیضا کو یہ شعور عطا کیا ہے کہ وہ تمام نظریات سے بے نیاز ہو کر اسلامی اصولوں کو دنیا میں نافذ کرے تاکہ مسائل حیات کے حل کرنے میں قابل فخر ہوشمند مظاہرہ کیا جا سکے۔ قرآن حکیم نے وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ یہ زمین بادشاہوں، جاگیرداروں اور زمینداروں کی نہیں بلکہ اللہ کی ہے۔ اس لئے با مقصد زندگی کی حفاظت ان اخلاقی اقدار ہو سکتی ہے جو اسلام نے بقائے انسانیت کے لئے وضع کئے ہیں۔ اور وہ اقدار ہیں سیرت و کردار کی بلندی اور اخلاق و ایکان اس کا سبب یہ ہے کہ جو لوگ اچھی سیرت و کردار کے حامل ہوں گے اور اخلاق و ایمان کی پختگی رکھتے ہوں گے ان میں نہ غرور و تکبر ہوگا اور نہ وہ دولت کے ارتکاز پر یقین رکھیں گے۔ وہ حلال و حرام میں تمیز رکھیں گے۔ ان کی زندگی پاکیزہ اور صاف ستھری ہوگی وہ حلال ذرائع سے وجہ معاش پیدا کریں گے ان کا ہر عمل اسلامی تعلیمات کے مختلف پہلوؤں کا مظہر ہوگا۔ وہ نیک کاموں کا حکم کریں گے اور بری باتوں سے لوگوں کو روکیں گے۔ وہ نہ رشوت لیں گے اور نہ رشوت دینا پسند کریں گے۔ اسی طرح اسمگلنگ، ذخیرہ اندوزی، منافع خوری یا ملاوت وہ جرائم ہیں جو با مقصد زندگی میں منافقانہ کردار کی حیثیت رکھتے ہیں اور جن کو کسی بھی معاشرے میں خاص طور پر اسلامی معیشت میں مستحسن نہیں سمجھا جا سکتا۔ غرض جو شخص اسلامی احکام سے انحراف کرتا ہے وہ قومی تعمیر اور ملی تربیت و کردار کی

تشکیل میں اہم کردار ادا نہیں کر سکتا۔ اور جو شخص اسلامی تعلیمات کا خاطر خواہ علم رکھتا ہے۔ فرائض کی پابندی اور گناہ کبیرہ سے اجتناب کرتا ہے وہ یقیناً با مقصد زندگی میں مثبت کردار ادا کر سکتا ہے۔

بہترین اخلاق میں شمار

دنیا کا ہر انسان اپنی ایک شخصیت اور انفرادیت کا حامل ہوتا ہے جس سے معاشرہ اور سماج میں اس کی شناخت ہوتی ہے۔ اور اس سے وہ جانا پہچانا جاتا ہے ''شخصیت'' اور ''انفرادیت'' نام ہے ان افعال و عادات کا جس کو ایک آدمی اختیار کرتا ہے اور اس کے توسط سے وہ دیگر افراد سے تعلق و برتاؤ رکھتا ہے۔ ہر انسان کے لئے ممکن نہیں کہ وہ اعلیٰ عہدے اعلیٰ تعلیمی قابلیت اور سماجی یا سیاسی مقام و مرتبہ کی بنیاد پر معاشرہ اور سماج میں اپنی شناخت پیدا کرے۔ درج بالا خصوصیات کی بناء پر کوئی فرد شہرت اور ناموری کی بلندیاں تو طے کر سکتا ہے لیکن اپنی شخصیت کو دیگر لوگوں کے لئے قابل قدر اور قابل تحسین نہیں بنا سکتا۔ کسی فرد کی شخصیت کے اچھے یا برے ہونے کا انحصار اس کے اپنے اخلاق اور عادات و اطوار پر منحصر ہے۔ اگر کوئی شخص اچھے اخلاق و اوصاف سے متصف ہوگا تو معاشرہ اور سماج میں وہ قدر و منزلت سے دیکھا جائے گا۔ اور دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی اس کو اچھے اور بھلے انداز سے یاد کیا جائے گا۔

آیئے دیکھیں کہ وہ کونسے عادات و خصائل ہیں جنہیں بہترین اخلاق میں شمار کیا جاتا ہے۔

- ملنے جلنے والوں کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کیا جائے۔
- مخاطب کے ساتھ شیریں کلامی سے پیش آیا جائے۔

- ہرفرد کے ساتھ نرمی اور محبت کا برتاؤ کیا جائے۔
- ضرورت مندوں کی مدد اور دستگیری کی جائے۔
- لعنت وملامت کرنے اور لڑائی جھگڑے سے پرہیز کیا جائے۔
- تواضع، خاکساری اور انکساری کا رویہ اختیار کیا جائے۔
- جھوٹ، فحش اور بدگوئی سے اجتناب کیا جائے۔
- بڑوں کے ساتھ ادب احترام اور عزت وتکریم کا رویہ اختیار کیا جائے۔
- چھوٹوں کے ساتھ شفقت محبت کا برتاؤ کیا جائے۔
- لوگوں کی اذیتوں اور غلطیوں پر صبر وضبط اور درگذر کا معاملہ کیا جائے۔

مندرجہ بالا عادات واطوار سے جب کوئی متصف ہوجاتا ہے تو ایسا شخص معاشرہ اور سماج میں اعلیٰ اخلاق کا پیکر سمجھا جائے گا اور اس کی شخصیت لوگوں کے لئے مثالی بن جائے گی۔

دنیا میں جتنے بھی انبیاء علیہم السلام صلحاء اور مصلحین گذرے ہیں سبھوں نے درج بالا اخلاق کو اپنی زندگیوں میں اپنایا اور اسی کی تلقین بھی اپنے ماننے والوں کو کرتے رہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جو معاشرہ اور سماج درج بالا عادات واطوار اور اخلاق وکردار کا حامل ہوتا ہے وہ سکون وچین اور امن ومسرت کا حامل ہوتا ہے اور جو معاشرہ ان عادات وفضائل سے بے بہرہ ہوتا ہے وہ بدامنی اور شر وفساد کا شکار ہوجاتا ہے۔

معاشرہ کی تاریکی ختم ہوگئی

بعثت نبوی ﷺ سے قبل عرب کا معاشرہ مادی ترقیوں کے باوجود اخلاقی وسیرت کی ناقابل بیان تنزلی کا شکار تھا۔ اخلاق وکردار سے عاری وہ معاشرہ بدکاری اور بدکرداری کے نت نئے انداز سے مجرا پڑا تھا۔ آپسی تعلقات، معاملات تجارت

شادی بیاہ حتی کہ عبادت کے طور طریقے بھی ناشائستگی کا نمونہ تھے۔ لیکن نبی کریم ﷺ کی بعثت مبارکہ نے معاشرہ کی تاریکی کو ختم کردیا اور روشنی سے منور کردیا۔ آپسی دشمنی وعداوت عدیم المثال بھائی چارہ میں تبدیل ہوگئی۔ عورت کو عزت واحترام کی لازوال بلندی حاصل ہوئی، ایک پڑوسی کو دوسرے پڑوسی کے شر اور ایذا سے نجات مل گئی۔ تجارتی لین دین بددیانتی اور دھوکہ دہی سے پاک ہوگیا۔ شراب وکباب عیش وسرور کہانی اور قصہ گوئی کی راتیں ذکر واذکار میں بدل گئیں۔ وعدہ خلافی جھوٹ، فریب ازکاررفتہ بن گئیں، کمزور کو اس کا حق دیا جانے لگا، طاقتور بے گناہ کے قتل سے باز آگئے۔ قبیلے صلح وآشتی پر آمادہ ہوگئے۔ کمزوروں محتاجوں مسکینوں اور مسافروں کو دادرسی کرنے والے میسر آگئے، غرض یہ کہ جہالت کی تاریکی کا شکار معاشرہ اخلاق وسیرت کی بلندیوں کو چھولیا۔ عرب کے معاشرہ کی اس تبدیلی کی وجوہات پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ نبی آخر حضرت محمد ﷺ نے جزا وسزا کا جو تصور پیش کیا عقیدہ آخرت وجوابدہی کا جو نظریہ دیا اور جنت ودوزخ کی حقیقتوں کو جب اجاگر کیا تو پھر لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب آگیا۔ معاشرہ اور سماج کو راحت وچین نصیب ہوگیا۔ اور سارا عرب امن وامان کے زیر سایہ آگیا۔ حقیقت یہی ہے کہ جب تک کسی انسان کو اچھے اعمال وافعال پر جزا وانعام کی خوشخبری نہ ملے اور غلط اعمال واطوار پر سزا کا خوف نہ ہو تو وہ اپنی زندگی کو بھلا خیر وبھلائی کے راستے پر کیوں ڈالے گا۔

اسلام کا دوٹوک انداز

نبی کریم ﷺ نے محض جزاء وسزا کا نظریہ پیش نہیں کیا بلکہ دوٹوک انداز میں بتلایا کہ انسان کو کونسے امور واعمال اختیار کرنا چاہئے اور کن اعمال وافعال سے

پرہیز کرنا چاہئے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے چند ارشادات مبارکہ ذیل میں دیئے جارہے ہیں جن کے مطالعہ سے اندازہ ہوگا کہ اسلام کس طرح کا معاشرہ تشکیل دینا چاہتا ہے اور کس طرح کے افراد اسلام کو مطلوب ہیں۔

● لوگوں نے سوال کیا اللہ کے بندوں میں اس کے پاس سب سے محبوب کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ بندہ جو سب سے زیادہ با اخلاق ہو''۔

● ''قیامت کے دن مومن کے میزان میں حسن اخلاق سے زیادہ وزنی عمل اور کوئی نہ ہوگا''۔

● ''مومن اپنے اخلاق سے راتوں کو کھڑے ہونے والے اور دن کو روزہ رکھنے والوں کے درجات کو پہنچ جاتا ہے''۔

● ''حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی دس سال تک خدمت کی لیکن بخدا آپ ﷺ کبھی اف نہ کہا اور نہ کسی چیز کے بارے میں پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں اور کیوں نہ کیا''۔

● فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نرم دل ہے اور نرم دلی کو پسند فرماتا ہے''۔

● قاضی عیاض کہتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ سب سے زیادہ با اخلاق، سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ بہادر تھے''۔

● حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نزول قرآن کے وقت گواہی دی ''آپ ﷺ کمزوروں کا بوجھ ڈھوتے ہیں، مفلسوں کے لئے کمائی کرتے ہیں اور حق داروں کو ان کا حق دلاتے ہیں''۔

● ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ''آپ ﷺ سے بڑھ کر حسن اخلاق کا مالک کوئی نہیں تھا۔ جب بھی ان کے دوستوں یا گھر والوں نے آواز دی آپ ﷺ نے لبیک کہا''۔

● حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس جب بھی کوئی ہدیہ لایا جاتا تو فرماتے ''اس کو فلاں گھر میں دے آؤ کیوں کہ وہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلی ہے اور خدیجہ رضی اللہ عنہا سے محبت کرتی ہے''۔

آج کے معاشرہ میں جہاں بداخلاقی اور بے راہ روی کا دور دورہ ہے بڑوں کی عزت واحترام اور چھوٹوں پر شفقت ومحبت کا خاتمہ ہو چکا ہے اور خود غرضی، مفاد پرستی اور مطلب برادری عام ہو چکی ہے، اگر نبی کریم ﷺ کے اخلاق کریمانہ کی پیروی اختیار کی جائے تو پھر ایک مربتہ معاشرہ اور سماج کو چین وسکون کی دولت مل سکتی ہے اور معاشرہ وسماج مسرت وشادمانی سے ہمکنار ہوسکتا ہے اور ایسے معاشرہ کے کل پرزے کوئی اور نہیں صرف طلباء ونوجوان ہی ہو سکتے ہیں اور طلباء اور نوجوان جب کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو مقصد ان کے قدم بوس ہوجاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خواب

علامہ ابوالفرج ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''المدہش'' میں اللہ تعالیٰ کے قول: ''واذ قال موسی لفتاہ'' (اور حضرت موسیٰ نے جب اپنے نوجوان ساتھی سے کہا) کی تفسیر کے سلسلہ میں حضرت ابن عباس، ضحاک اور مقاتل رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام تورات کا مطالعہ خوب غور سے کرکے اس کے تمام احکامات سے مطلع ہوگئے تو بغیر کسی سے کلام کئے ہوئے اپنے دل میں کہنے لگے کہ روئے زمین پر اب مجھ سے زیادہ کوئی عالم نہ ہوگا، اسی دن رات میں آپ نے خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اس قدر پانی برسایا کہ مشرق سے مغرب تک تمام زمین غرقاب ہوگئی، پھر دیکھا کہ سمندر پر ایک قناء ہے جس پر ایک لٹورا بیٹھا ہوا ہے اور وہ اس برسات کے پانی کو چونچ میں بھر کر لاتا

ہے اور سمندر میں ڈالتا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بیداری کے بعد گھبرا گئے اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور دریافت کیا کہ آپ کس وجہ سے کبیدہ خاطر ہیں۔ آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اپنا خواب سنایا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ آپ تمام علوم کے جامع ہیں۔ اور دنیا میں مجھ سے بڑا کوئی عالم نہیں مگر اللہ کا ایک بندہ ایسا ہے جس کے پاس آپ سے زیادہ علم ہے اور اس کے اور آپ کے علم میں وہی نسبت ہے جو سمندر کے پانی اور لٹورے کی چونچ کے پانی میں ہے۔

حضرت خضر کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات

یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا کہ وہ اللہ کا کون سا بندہ ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ حضرت خضر بن ماملیل ہیں جو طیب یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ وہ مجھ کو کہاں ملیں گے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ ان کو اس سمندر کے پس پشت تلاش کیجئے، پھر آپ نے پوچھا کہ مجھے ان کا پتہ کون بتائے گا؟ حضرت جبرئیل نے کہا کہ آپ کے زادراہ میں سے کوئی چیز آپ کی راہنمائی کرے گی۔ (مفسرین کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کا اس قدر اشتیاق ہوا کہ آپ نے کسی کو اپنی قوم میں سے اپنا نائب بھی نہیں بنایا اور ایسے ہی حضرت خضر علیہ السلام کی تلاش میں چل دیئے۔ اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام رخصت ہو گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے خادم یوشع علیہ السلام کے پاس تشریف لائے اور ان سے پوچھا کہ کیا آپ میرے ساتھ چل سکتے ہیں۔ حضرت یوشع علیہ السلام نے جواب دیا کہ ہاں میں تیار ہوں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا پہلے ذرا زادِراہ کا انتظام کرو۔ چنانچہ حضرت

یوشع علیہ السلام نے زادراہ کے لئے چند روٹیاں اور تلی ہوئی نمکین مچھلی ناشتہ دان میں رکھ لیں اور چلدیئے راستہ میں کبھی پانی اور کبھی خشکی میں چلنا پڑا اس لئے وہ دونوں صاحبان تھک گئے اور رفتہ رفتہ ایک پتھر پر جا پہنچے جو بحر آرمینیہ کے عقب میں پڑا ہوا تھا۔ اس پتھر کو قلعۃ الحرس بھی کہتے ہیں یہاں پہنچنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام وضو کے لئے آگے بڑھے اور ایسی جگہ جا پہنچے جہاں ایک جنتی چشمہ تھا وہاں بیٹھ کر آپ نے وضو فرمایا جب وضو کر کے واپس ہوئے تو آپ کی ریش مبارک سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے اتفاق سے ایک قطرہ ناشتہ دان میں رکھی تلی ہوئی مچھلی کے منہ پر جا پڑا اور چونکہ اس چشمہ کے پانی کی یہ خاصیت تھی کہ جس مردہ جانور کے بدن پر پڑ جائے اس کو زندہ کر دے۔ چنانچہ اس چشمہ کا پانی جیسے ہی اس مچھلی پر پڑا جو ناشتہ دان میں رکھی تھی وہ زندہ ہو گئی اور ناشتہ دان سے نکل کر چل دی اور پانی میں جس طرف وہ گئی اس طرف خشکی کی ایک سرنگ بنتی گئی، حضرت یوشع علیہ السلام نے یہ منظر دیکھا مگر آپ اس کا تذکرہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کرنا بھول گئے جب اس پتھر سے جہاں آپ ٹھہرہ ہوئے تھے آگے بڑھے اور پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کچھ تھکان معلوم ہونے لگی تو آپ نے اپنے رفیق سفر سے ناشتہ طلب کیا۔ اس وقت حضرت یوشع علیہ السلام کو مچھلی کا زندہ ہو کر پانی میں چلنے کا واقعہ یاد آیا تو آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس کا تذکرہ کیا جس کو سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم کو اسی کی تلاش تھی۔ چنانچہ دونوں صاحبان الٹے پاؤں اسی جگہ لوٹ گئے۔

سمندر کا پانی اللہ تعالیٰ کے حکم سے منجمد ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوشع علیہ السلام کے قدموں کے موافق ایک سرنگ بن گئی اور دونوں نے اس سرنگ میں چلنا شروع کر دیا اور زندہ مچھلی ان کے آگے چلتی رہی یہاں تک کہ وہ خشکی پر پہنچ گئی اور خشکی میں بھی یہ مچھلی کے پیچھے ہی چل رہے تھے کہ آسمان سے ایک ندا آئی کہ جس

راستہ پر تم چل رہے ہو یہ راستہ تخت ابلیس کی طرف جاتا ہے اس لئے تم داہنی جانب کا راستہ اختیار کرو، چنانچہ یہ داہنی جانب مڑ گئے اور چلتے چلتے ایک بہت بڑے پتھر پر پہنچے جس پر ایک مصلیٰ بچھا ہوا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بولے کہ یہ تو بہت ہی پاکیزہ جگہ ہے ممکن ہے وہ مرد صالح اسی جگہ پر رہتے ہوں۔

یہ باتیں حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت یوشع علیہ السلام سے کر ہی رہے تھے کہ اتنے میں خضر علیہ السلام بھی آ پہنچے اور جب آپ اس جگہ آ کر کھڑے ہوئے تو وہ جگہ سبز و شاداب ہوگئی (اسی وجہ سے آپ کو خضر کہتے ہیں) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کو دیکھ کر کہا السلام علیکم یا خضر! آپ نے جواب دیا وعلیکم السلام یا موسیٰ یا بنی اسرائیل! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا میرا نام آپ کو کس نے بتادیا؟ آپ نے جواب دیا کہ جس نے آپ کو مجھ تک پہنچنے کا راستہ بتادیا اسی نے مجھ کو آپ کا نام بتادیا۔ اس کے بعد وہ واقعات پیش آئے جو قرآن کریم میں مذکور ہیں۔

قرآن مجید کا معجزہ

حافظ ابوزراعہ رازی فرماتے ہیں کہ شہر جرجان میں ایک مرتبہ آگ لگ گئی جس میں نو ہزار گھر جل گئے اور ان گھروں کے ساتھ قرآن کریم کے نو ہزار نسخے بھی آگ کی نذر ہو گئے مگر مندرجہ آیات کسی بھی نسخے میں نہیں جلیں بلکہ محفوظ رہیں۔

"ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ. وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ. وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰہَ غَافِلاً عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ. وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا، وَقَضٰی رَبُّکَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاہُ، تَنْزِیْلاً مِمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی، اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی، لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی. یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ. اِلَّا

مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ. اِتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْھًا قَالَتَا اَتَیْنَا طَائِعِیْنَ. وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ. مَا اُرِیْدُ مِنْھُمْ مِنْ رِّزْقٍ وَمَا اُرِیْدُ اَنْ یُّطْعِمُوْنَ. اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّۃِ الْمَتِیْنُ. وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ. فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّہٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا اَنَّکُمْ تَنْطِقُوْنَ".

اخوت اور محبت کا فلسفہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے موافق جب سلام کا مبارک طریقہ اپنا لیا جائے تو اس سے دو مسلمانوں میں اجنبیت کے بجائے تعلق اخوت قائم ہوگا اور یہ تعلق محبت میں تبدیل ہو جاتا ہے جو بہت گراں قدر نعمت ہے۔ اور جب محبت قائم ہو جائے تو پھر اس کا اظہار دونوں طرف سے اس جذبہ کی پختگی کا باعث بنتی ہے۔ محبت کے اظہار کے تاکید اس ارشاد مبارکہ سے بھی ملتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور آیا تو دیکھا کہ آقائے دو جہاں کے پاس کچھ لوگ ہیں ان میں سے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں "اس" سے اللہ کے لئے محبت کرتا ہوں" تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اس کے پاس جاؤ اور اسے بتادو"۔ چنانچہ وہ شخص گیا اور اسے خبر دی (کہ وہ اس سے اللہ کے لئے محبت کرتا ہے)۔ وہ بولا کہ تجھ سے وہ محبت کرے جس کی راہ میں تو نے مجھ سے محبت کی ہے۔ پھر وہ واپس ہوا تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تب اس نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ "ہاں اور اس نے ایسا کہا ہے" تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تو اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرتے اور تیرے لئے وہ ہے جو تم نے طلب اجر کیا"۔ (بیہقی) ایک اور روایت میں آیا ہے کہ انسان اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرے اور اس کے لئے وہ ہے جو کمائے۔ (ترمذی)

دوستی کی حد

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا رسول اللہ ﷺ سے والہانہ عشق وتعلق ایسا تھا کہ وہ اپنی زندگی کی ہر بات اپنا ہر عمل اور اپنے احساسات تک آپ کے سامنے پیش کیا کرتے تھے۔ وہ اس حقیقت کے بڑے جاننے والے تھے کہ اپنے اچھے اعمال کو بارگاہ رسالت میں پیش کرنے اور ان کے اظہار کرنے سے وہ اور زیادہ برکتوں سے مالا مال ہوتے ہیں اور ان کے اعمال درجۂ قبولیت پالیتے ہیں۔

محبت کا اظہار اپنے بھائی سے کرنا علماء کے نزدیک وجوب نہیں بلکہ مستحب ہے۔ اسلام نے ایک اعلیٰ ترین تصور معاشرت دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے جہاں محبت والفت کرنے اور اس کو ظاہر کردینے سے متعلق فرمایا ہے وہیں یہ بھی تاکید فرمائی کہ آپسی دوستی کی حدیں پار نہ کی جائیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے کہ اپنے دوست کی دوستی کو حد سے زیادہ مت بڑھاؤ کیونکہ ممکن ہے کہ کبھی تمہاری اور اس کی اَن بَن ہوجائے اور دشمن (کے ساتھ بھی احتیاطی معاملہ ہو) سے اس حد تک دشمنی ہو کہ اندازہ سے بڑھ نہ جائے کیونکہ ممکن ہے کہ کبھی وہ تمہارا دوست ہوجائے۔ (ترمذی)

اس ارشاد سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ دوستی اور دشمنی میں بھی اخلاقی حدوں سے تجاوز نہ کیا جائے بلکہ اعتدال وتوازن رہے تاکہ برعکس صورت حال پیدا ہوجائے تو مسائل اور شرمندگی کا سامنا نہ ہو۔ جس زاویہ سے غور کیا جائے دین حق کی تعلیمات تمام انسانوں کے لئے یکساں مفید اور دنیا وآخرت میں سرخروئی کا موجب ہیں۔

صدقہ کا اثر

تاریخ ابن نجار میں وہب ابن منبہ سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک عورت ساحل پر کھڑی ہوئی کپڑے دھو رہی تھی اور اس کے قریب اس کا لڑکا کھیل رہا تھا۔ اتنے میں سائل آیا اور عورت سے سوال کیا۔ عورت کے پاس ایک روٹی تھی اس میں سے ایک لقمہ توڑ کر سائل کو دے دیا۔ تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ ایک بھیڑیا آیا اور اس بچہ کو اٹھا کر لے گیا۔ عورت بھیڑیئے کے پیچھے میرا لڑکا میرا لڑکا کہتی ہوئی دوڑی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ نازل فرمایا۔ اس نے بچہ کو بھیڑیئے کے منہ سے چھڑا کر عورت کے سامنے ڈال دیا اور کہا کہ یہ اس لقمہ کے عوض میں ہے جو تم نے ابھی سائل کو دیا تھا۔

مرد صالح کا اثر

ابن سعد کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد خلافت میں موسیٰ ابن ایمن کرمان میں بکریاں چرایا کرتے تھے۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ رات کے وقت ایک بھیڑیا آیا اور ایک بکری کو اٹھا کر لے گیا۔ یہ واقعہ دیکھ کر ہم کہنے لگے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرد صالح جن کی یہ برکت تھی شاید انتقال فرما گئے۔ چنانچہ ہم نے صبح کو اس کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا انتقال ہوگیا ہے آپ کی وفات ۲۰/رجب ۱۰۱ھ میں ہوئی۔

امام احمد نے کتاب الزہد میں فرمایا ہے کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو چرواہے کہنے لگے کہ یہ مرد صالح کون ہے جو ہم پر حاکم ہوا ہے۔ ان سے کسی نے دریافت کیا کہ تم کو اس کا کیسے علم ہوا؟ تو چرواہوں نے جواب دیا کہ جب سے وہ مرد صالح خلیفہ ہوئے ہیں تب سے ہماری بکریاں شیر اور بھیڑیوں کے

خطرے سے محفوظ ہیں اوراب عالم یہ ہے کہ بکریاں شیر اور بھیڑیئے ایک ساتھ ہیں مگران درندوں کے چنگل ہماری بکریوں سے رک گئے ہیں۔

معرفت الٰہی سے متعلق سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قول

آپ رضی اللہ عنہ نے ارشادفرمایا: عَرَفْتُ اللّٰهَ بِاللّٰهِ وَعَرَفْتُ الْاَشْيَاءَ بِاللّٰهِ ''میں نے اللہ کواللہ کے ذریعہ پہچانا اوراشیاء کواللہ کے ذریعہ پہچانا'' (مکتوبات قدوسیہ ص:۳۱۹)

اہل معرفت کون ہیں؟

جس کواللہ تعالیٰ سے محبت ہوتی ہے اگراٹھارہ ہزار عالم بھی اسے پیش کئے جائیں تو آنکھ اٹھا کرنہ دیکھے۔اہل معرفت وہ لوگ ہیں کہ اگرعرش سے تحت الثریٰ تک لاکھ مقرب فرشتے جبرائیل، اسرافیل اور میکائیل جیسے ان کی نگاہوں میں لائے جائیں تو معرفت الٰہی کے سواکسی کوموجود خیال نہ کریں اورانہیں ان کے جانے کی خبرنہ ہواگرایسانہیں ہےتو معرفت الٰہی کا دعویٰ کرنے والا جھوٹا ہے۔وہ اہل معرفت میں سے نہیں ہے۔(افضل الفوائد)

اللہ تعالیٰ ماں سے زیادہ مہربان ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں تشریف فرماہیں۔ایک صحابی چادر میں ایک پرند کومع ان کے بچوں کے باندھ کرلاتے ہیں اورواقعہ عرض کرتے ہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے ایک جھاڑی سے ان بچوں کواٹھا کرکپڑے میں لپیٹ لیا۔ماں نے یہ دیکھا تو میرے سر پرمنڈلانے لگی، میں نے ذرا کپڑے کوکھول دیا تو وہ فوراً آکر میرے ہاتھ پربچوں پرگر پڑی۔ارشادہوا: کیا بچوں کے ساتھ ماں کی اس محبت پرتم کوتعجب ہے؟قسم سے اس ذات کی جس نے مجھ کوحق کے ساتھ مبعوث کیا، جومحبت

اس ماں کواپنے بچوں کے ساتھ ہے خدا کواپنے بندوں کے ساتھ اس سے بدرجہا زیادہ ہے۔(مشکوۃ،بحوالہ ابوداؤد باب رحمۃ اللہ)

معرفت الٰہی کی علامت

کسی صوفی کا قول ہے جس نے اللہ کو پہچان لیا وہ دنیا میں زندہ رہنے سے تنگ آجاتا ہےاوردنیا باوجوداس قدروسعت کے اس کیلئے تنگ معلوم ہوتی ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیااس کی زندگی پاک ہوجاتی ہےاوراسے زندگی میں مزہ معلوم ہوتا ہے۔ ہرمخلوق اس سے ہیبت کھاتی ہے اور مخلوق کا خوف اس سے جاتا رہتا ہےاوروہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس محسوس کرتا ہے۔

(رسالہ قشیریہ ص،۵۶۱)

علامہ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''حلیۃ الاولیاء'' میں مذکور ہے کہ یحییٰ بن عبدالحمید نقل کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ سفیان ابن عینیہ کی مجلس میں تھااوراس وقت وہاں پرکم وبیش ایک ہزار آدمیوں کا مجمع تھاپس ابن عینیہ نے ایک شخص سے جوکہ اس کی داہنی جانب آکرصف میں بیٹھا تھا کہا کہ ذرااٹھ کرحاضرین کوسانپ کا قصہ تو سناؤ جو تم کومعلوم ہے۔اس شخص نے جواب دیا کہ بہت اچھی لیکن مجھے پہلے کمرے ٹیکنے کے لئے کوئی چیزعنایت فرمادیں۔چنانچہ ایک صاحب نے اٹھ کران کی کمر کے پیچھے ایک بڑا تکیہ لگادیا۔اس کے بعد حاضرین کواس نے مخاطب کرکے فرمایا کہ میرے والد نے میرے دادامرحوم کی زبانی سنا تھا کہ ان کے زمانے میں ایک شخص جس کا نام ابوالحمیر تھااور یہ بہت متقی پرہیزگارشخص تھا اکثر روزے رکھتااور مستقل تہجد پڑھتا، اس کوشکار کا بہت شوق تھا۔چنانچہ ایک دن شکارکرنے کے لئے جنگل کی طرف پہنچ گیااورجنگل میں پہنچ کرشکار کی تلاش شروع ہی کی تھی کہ دفعتاً ایک سانپ ان کے

سامنے آکر کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا کہ اے محمد بن حمیر مجھے خدا کے واسطے پناہ دو اللہ تعالیٰ تم کو اپنی پناہ میں رکھے گا۔

ایک سانپ کا عجیب وغریب واقعہ

ابن حمیر نے پوچھا کہ تمہارا دشمن کہاں ہے؟ سانپ نے جواب دیا کہ میرے پیچھے آرہا ہے پھر ابن حمیر نے پوچھا کہ تم کس امت سے تعلق رکھتے ہو؟

سانپ نے جواب دیا کہ محمد ﷺ کا امتی ہوں۔ ابن حمیر نے یہ جواب سن کر اس کے لئے اپنی چادر کھول دی اور کہا کہ اس میں گھس جاؤ مگر سانپ نے جواب دیا کہ اس میں تو وہ مجھے دیکھ لے گا۔ تب ابن حمیر نے اپنی چادر کھول دی اور کہا کہ اس کے اندر آجاؤ اور اس پوستین او رمیرے سینہ کے درمیان چھپ کر بیٹھ جاؤ۔ لیکن سانپ نے پر وہی جواب دیا اور کہا کہ وہ یہاں بھی مجھ کو دیکھ لے گا تو ابن حمیر نے کہا کہ آخر پھر تم کو کہاں چھپاؤں؟ تو سانپ نے جواب دیا کہ اگر تم میرے ساتھ بھلائی کرنا چاہتے ہو تو اپنا منہ کھول دو۔ میں اس میں گھس جاؤں گا۔ ابن حمیر نے کہا کہ مجھ کو ڈر ہے کہ کہیں تم مجھ کو ہلاک نہ کردو۔ سانپ نے جواب دیا کہ میں خداوند کریم اور اس کے رسولوں، فرشتوں اور حاملین عرش اور آسمانوں پر رہنے والوں کو شاہد بناتا ہوں کہ میں تم کو کوئی ضرر نہ پہنچاوں گا۔ اور دشمن کے جانے کے بعد فوراً باہر آجاؤں گا۔ چنانچہ ابن حمیر نے اپنا منہ کھول دیا اور سانپ اس کے منہ میں گھس گیا او رابن حمیر اس کو لے کر آگے بڑھ گیا۔ ابھی کچھ قدم چلا تھا کہ ایک شخص ہاتھ میں تلوار لئے ہوئے دوڑتا ہوا آیا اور مجھ سے پوچھا کہ کیا تم نے میرے دشمن کو دیکھا ہے ابن حمیر نے جواب دیا کہ کیسا دشمن؟ اس شخص نے جواب دیا کہ وہ ایک سانپ ہے جو ابھی اس طرف آیا ہے میں نے جواب دیا کہ میں نے اس کو نہیں دیکھا اور پھر اس

دروغ گوئی پر فوراً سو مرتبہ استغفار پڑھی اور اس شخص کو چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد سانپ نے اپنا سر باہر نکال کر پوچھا کہ ذرا دیکھو تو وہ میرا دشمن ہے یا چلا گیا؟ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہاں کوئی نہ تھا۔ اس لئے میں نے سانپ سے کہا کہ تمہارا دشمن چلا گیا ہے اور اب تم باہر آجاؤ۔ اس پر سانپ نے جواب دیا کہ اے ابن حمیر تم دو باتوں میں سے اپنے لئے ایک بات پسند کرلو میں نے کہا وہ کیا تو سانپ نے کہا کہ میں دو جگہ ڈسنا پسند کرتا ہوں ایک جگر کو اور دوسرے دل کو۔ اب یہ تمہیں اختیار ہے کہ اگر تم کہو تو میں تمہارے جگر کو پاش پاش کردوں یا تمہارے دل کو جھلس دوں تا کہ تمہارا جسم بغیر روح کے رہ جائے۔

ابن حمیر نے جواب دیا کہ سبحان اللہ کیا خوب وعدہ کا ایفا ہے اور کیا خوب قسموں اور حلفیہ بیان کا نتیجہ ہے۔ ابھی جو تم نے مجھ سے لمبے چوڑے وعدے کئے تھے اور جن کے حوصلے میں میں نے تم کو پناہ دی تھی کیا تم اس بھلائی کا ایسا ہی بدلہ دینا چاہتے ہو۔ سانپ نے جواب دیا کہ ابن حمیر میں نے تجھ سے زیادہ احمق نہیں دیکھا۔ تجھ کو وہ عداوت یاد نہیں جو میرے اور تیرے باپ آدم علیہ السلام کے درمیان تھی اور جس کی وجہ سے میں نے ان کو جنت سے نکلوا دیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ کس وجہ سے تم نے میرے ساتھ نیکی کی۔ ابن حمیر نے کہا کیا تو نے مجھے مارنے کا مصمم ارادہ کرلیا ہے اور اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ سانپ نے جواب دیا کہ ہاں اب اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ تو ابن حمیر نے کہا کہ جب تیرا قصد ایسا ہی ہے تو تو مجھ کو اتنی مہلت دے کہ میں اس پہاڑ تک پہنچ جاؤ اور اپنے مرنے گرنے کیلئے کوئی جگہ تجویز کرلوں۔ چنانچہ سانپ نے کہا کہ ٹھیک ہے چلو اس پہاڑ پر جانے اور جگہ تجویز کرنے کی تمہیں رعایت ہے۔ چنانچہ میں اپنی زندگی سے بالکل مایوس ہوکر پہاڑ کی طرف چل دیا او رآسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگنی شروع کی۔

یَا لَطِیْفُ یَا لَطِیْفُ اَلْطِفْ بِلُطْفِکَ الْخَفِیِّ یَا لَطِیْفُ یَا قَدِیْرُ اَسْئَالُکَ بِالْقُدْرَةِ الَّتِیْ اِسْتَوَیْتَ بِهَا عَلَی الْعَرْشِ فَلَمْ یَعْلَمِ الْعَرْشِ اَیْنَ مُسْتَقَرُّکَ مِنْهُ یَا حَلِیْمُ یَا عَلِیْمُ یَا عَلِیُّ یَا عَظِیْمُ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ یَا اللّٰهُ اِلَّا مَا کَفَّیْتَنِیْ شَرَّ هٰذِهِ الْحَیَّةَ.

اورابھی میں نے یہ دعا دوسری دفعہ پڑھی ہی تھی کہ دفعتاً ایک شخص جو بے حد خوبصورت، خوش پوشاک اور خوشبو سے معطر تھا میرے سامنے آیا اور کہا السلام علیک میں نے جواب دیا وعلیک السلام یا اخی (اے میرے بھائی) سلام کا جواب سننے کے بعد اس نے کہا کہ کیا وجہ ہے کہ میں تمہارا رنگ بدلا ہوا اور تجھ کو پریشان دیکھ رہا ہوں۔ میں نے جواب دیا کہ ایک دشمن نے مجھے ستا رکھا ہے۔ اس کی وجہ سے میں پریشان ہوں۔ اس نے پوچھا کہ تمہارا دشمن کہا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ میرے پیٹ کے اندر اس پر اس نے کہا کہ اچھا ذرا اپنا منہ کھولو۔ چنانچہ میں نے منہ کھول دیا تو اس نے ایک بڑا سا پتہ جو برگ زیتون کے مشابہ تھا میرے منہ میں رکھ دیا اور کہا کہ اس کو چبا کر نگل جاؤ۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا پتہ چبا کر نگلنا تھا کہ میرے پیٹ میں مروڑ ہونا شروع ہوا اور وہ سانپ میرے پیٹ میں گھومنے لگا۔ اس کے بعد میں نے اس کو نیچے کی طرف سے ٹکڑوں کی شکل میں نکال دیا اور اس کے نکلتے ہی میرے دل پر جو خوف چھایا ہوا تھا وہ زائل ہو گیا۔

برگ شجر طوبیٰ

اس کے بعد میں نے اس شخص سے مخاطب ہو کر کہا کہ برادر محترم آپ کی تعریف کیا ہے؟ آپ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے اور مجھے اس موذی سے نجات دیدی۔ اس لئے مجھے بتلایئے کہ آپ کون ہیں؟ یہ سن کر وہ

شخص مسکرایا اور کہا کہ تم مجھ کو نہیں پہنچاتے میں نے کہا کہ خدا کی قسم! میں نہیں جانتا تو پھر اس شخص نے تفصیل سے بتایا کہ جس وقت تمہارے اور سانپ کے درمیان گفتگو ہو چکی اور پھر تم نے اس سے مہلت مانگ کر آسمان کی طرف نگاہ کر کے دعا مانگنی شروع کی تو ساتوں آسمان کے فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قسم ہے مجھے اپنی عزت اور جلال کی جو کچھ اس سانپ نے میرے بندے کے ساتھ کیا وہ سب مجھ پر آشکارا ہے پھر اللہ تعالیٰ مجھ کو حکم دیا کہ جنت سے شجر طوبیٰ کا ایک پتہ توڑ کر لاؤ اور اس کو لے کر میرے بندے ابن حمیر کے پاس پہنچ جاؤ۔ چنانچہ میں نے جنت سے شجر طوبیٰ کا پتہ لیا اور لا کر تجھ کو کھلا دیا۔ اس کا جو کچھ اثر ہوا وہ تم دیکھ چکے ہو اور میرا نام معروف ہے اور میں چوتھے آسمان کا فرشتہ ہوں۔ پھر معروف نے مجھ کو کہا کہ اے محمد حسن سلوک کو لازم پکڑ لو کیونکہ نیکی بدی کے حملوں سے بچاتی ہے اگر چہ وہ شخص جس کے ساتھ نیکی کی گئی ہے اس کی ناقدری کر کے اس کو ضائع کر دے مگر اللہ تعالیٰ کے یہاں کبھی ضائع نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ کے نام کا اکرام

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے اللہ والے تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں آپ کا یہ حال تھا کہ کثرت سے شراب پیتے تھے۔ ایک مرتبہ شراب کے نشہ میں جھومتے جھومتے جا رہے تھے تو زمین پر ایک کاغذ کا پرچہ پڑا ہوا تھا جس پر اسم ''اللہ'' لکھا ہوا تھا۔ آپ کی نگاہ جیسے ہی اس کاغذ پر پڑی اس کو اٹھا لیا کہ اس میں میرے مالک کا نام ہے، اسے چوما، صاف کیا اور خوشبو لگا کر اونچی جگہ پر رکھ دیا۔

جب رات کو آپ سوئے تو خواب میں کہا گیا کہ ''اے بشر تو نے ہمارے نام کو اونچا کیا ہم تجھے اونچا کر کے دکھائیں گے''۔ (بعض کتابوں میں یہ ہے کہ یہ

خواب کسی اللہ والے نے دیکھا تھا۔اور پھر آپ کو آکر بتایا تو آپ یہ سن کر زمین پر لوٹنے لگے اور کہا ہائے افسوس! میرے اتنے گناہ! پھر بھی یہ انعام) پھر آپ نے اسی وقت گناہوں سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ولایت عطا فرمائی اور اپنا دوست بنالیا۔ جب آپ نے ولایت کا مقام پالیا تو ایک دن یہ آیت تلاوت کی اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهَاداً (النباء ٦) ''کیا زمین کو ہم نے فرش نہیں بنایا'' تو حضرت بشر رحمۃ اللہ علیہ نے جوتا اتار دیا کہ اے خدا میں تیرے فرش پر جوتا پہن کر نہیں چلوں گا۔ (لیکن یہ مسئلہ نہیں ہے خوب سمجھ لیجئے، بس ان پر ایک حال غالب ہو گیا تھا۔)

گھوڑے کی پیدائش

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے گھوڑے کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو جنوب کی ہوا کو وحی بھیجی کہ میں تجھ سے ایک مخلوق پیدا کرنے والا ہوں اس کے لئے تو جمع ہو جا، تو وہ اس کے لئے جمع ہوگئی۔ اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور اس میں سے ایک مٹھی بھر لی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا کہ میری مٹھی ہے اس سے ایک کمیت گھوڑا پیدا کیا اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تجھ کو فرس پیدا کیا اور عربی بنایا اور تجھے تمام چوپاؤں پر کشادگیٔ رزق میں فضیلت دی مال غنیمت تیری پشت پر لے جایا جائے گا اور خیر تیری پیشانی سے وابستہ ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو بھیجا تو وہ ہنہنایا اس پر حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے کمیت تیری ہنہناہٹ سے مشرکین کو ڈراؤں گا اور ان کے کانوں کو بھر دوں گا۔ اور ان کے قدموں کو لڑکھڑا دوں گا پھر اس کی پیشانی کو سفیدی سے داغا اور پاؤں سفید کیا۔

پس جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو فرمایا کہ اے آدم علیہ السلام ان دو چوپاؤں میں سے جو تم کو پسند ہے اسے اختیار کر لے تو آدم علیہ السلام نے کہا کہ اے

جبرئیل امین! میں نے ان دونوں میں سے خوبصورت چہرے والے کو اپنے لئے پسند کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ اے آدم علیہ السلام! تو نے اپنی عزت اور اپنی اولاد کی عزت کو اختیار کیا اور وہ ان میں باقی رہے گی جب تک کہ وہ باقی رہیں گے۔

''سب سے پہلے جو شخص گھوڑے پر سوار ہوئے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے کے نام

سہیل رحمۃ اللہ علیہ نے ''التعریف والاعلام'' میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑوں کے نام لکھے ہیں:۔

(۱) سکب: یہ نام اس وجہ سے رکھا گیا تھا کہ وہ (گھوڑا) پانی کی رو کی طرف تیز چلتا تھا اور ''سکب'' کے معنی شقائق النعمان (گل لالہ) کے بھی آتے ہیں۔

(۲) آپ کے ایک گھوڑ کا نام مرتجز تھا اور یہ نام اسکے خوش آواز ہونے کی بنا پر تھا۔

(۳) آپ کے ایک دوسرے گھوڑے کا نام لحیف تھا۔ لحیف کے معنی لپیٹنے اور ڈھانکنے کے آتے ہیں۔ چنانچہ یہ گھوڑا اپنی تیزی کے سبب راستہ کو لپیٹتا جاتا تھا اور بعض نے اس کو لحیف کے بجائے خائے معجمہ کے ساتھ لخیف بھی لکھا ہے۔

(۴) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک گھوڑے کا نام لزاز ذکر کیا ہے۔

(۵) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک گھوڑے کا نام جلاوح تھا۔

(۶) اور اسی طرح ایک گھوڑے کا نام فرس تھا۔

(۷) آپ کے ایک گھوڑے کا نام ورد تھا۔ اس گھوڑے کو آپ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ہبہ فرما دیا اور اس گھوڑے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بوقت جہاد سوار ہوا کرتے تھے اور یہ گھوڑا بہت سستے داموں بکا ہوا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی قدردانی و بندہ نوازی

اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ قدر کی کہ زمین کو حکم دے دیا کہ اے زمین بشر کی گذر گاہ سے نجاست کو نگل جایا کرتا کہ میرے بشر کے پاؤں میں نجاست نہ لگے۔ چنانچہ وہ جہاں کہیں سے گذرتے اگر نجاست پڑی ہوئی ہوتی تو حضرت بشر کے قدم رکھنے سے پہلے زمین پھٹ جاتی اور اس نجاست کو نگل لیتی۔ یہ ہے انعام جو اللہ تعالیٰ پر مرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کو عزت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ کرامت عطا فرمائی۔ (اور اسی وجہ سے ان کا نام حافی مشہور ہوگیا کیونکہ حافین کے معنی ہیں ننگے پاؤں والا)۔ (کرامات اولیاء، ص ۱۸۴، دبستان اولیا و نزہۃ البساتین و مراۃ الاسرار، ص ۲۷۸)

رحلہ ابن صلاح اور تاریخ ابن نجار میں یوسف بن علی محمد زنجانی فقیہ شافعی المسلک کے ترجمہ میں مذکور ہے وہ فرماتے ہیں کہ شیخ ابو اسحاق شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی امام ابوطیب سے بیان کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ بغداد کی جامع منصور میں بہت سے اہل علم کے ساتھ موجود تھا کہ ایک خراسانی آیا اور مسئلہ مصراۃ پر دلیل مانگنے لگا۔ چنانچہ کسی دلیل دینے والے نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے استدلال کیا جو صحیحین میں مذکور ہے تو اس نوجوان نے جواب میں کہا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت قابل قبول نہیں ہے، قاضی فرماتے ہیں کہ وہ نوجوان ابھی اپنی بات مکمل بھی نہیں کر پایا تھا کہ اس کے پاس ایک بڑا سانپ چھت سے آ کر گرا۔ لوگ اس سے ڈر کر بھاگنے لگے لیکن وہ سانپ سب کو چھوڑ کر اس خراسانی نوجوان پر حملہ آور ہوا اور اس کے پیچھے لگ گیا تو وہاں پر موجود کچھ لوگوں نے اس نوجوان سے کہا کہ توبہ کرلو۔ کیونکہ تم نے ابھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت پر شبہ کا اظہار کیا تھا یہ اس کی سزا ہے۔ چنانچہ اس نوجوان نے فوراً توبہ کی تب وہ سانپ اس کے پیچھے

سے غائب ہوا۔ یہ واقعہ مستند ہے اور اسکی نقل میں تین ائمہ موجود ہیں۔ یعنی قاضی ابوطیب، طبری، ابو اسحاق اور ابوالقاسم زنجانی۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا تعظیم کرنا

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کبھی کبھی حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی جایا کرتے تھے جو بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے۔ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ عالم نہیں تھے لیکن جب کبھی آپ کی مجلس میں تشریف لاتے تو آپ کھڑے ہو کر ان کا استقبال فرماتے۔ ایک بار ان کی آمد پر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جب کھڑے ہونے لگے تو ان کے شاگردوں نے کہا کہ حضرت آپ محدث ہیں اور یہ صاحب عالم بھی نہیں پھر آپ ان کے لئے کیوں کھڑے ہوتے ہیں؟ فرمایا کہ میں کتاب کا عالم ہوں اور یہ اللہ کا عالم ہے اللہ کو جانتا ہے، تمہیں کیا پتہ کہ اس کا کیا مقام ہے۔ دوستو! سب کے لئے راستہ کھلا ہے، مسٹر بھی ولی اللہ ہوسکتا ہے۔ (مراۃ الاسرار، ص: ۲۷۸)

ایک دفعہ بعض طالب علموں نے کچھ مسائل دریافت کئے اور مقصد دراصل امتحان تھا۔ ایک سوال سجدۂ سہو کے متعلق تھا، حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے سامنے بندہ کھڑا ہو اور سہو ہو جاوے یہ امر قابل تعجب ہے۔ پھر زکوٰۃ کا مسئلہ دریافت کیا تو فرمایا کہ ہم اتنا رکھتے ہی نہیں جس پر زکوٰۃ فرض ہو۔ (تذکرۃ الاولیاء و مراۃ الاسرار)

آپ کے تقویٰ کی برکات

بغداد میں دس نوجوان تھے جن کے ساتھ دس نو عمر لڑکے تھے ان نوجوانوں نے ایک نو عمر لڑکے کو کسی کام کے لئے بھیجا، اس نے کافی دیر لگادی ان کو اس لڑکے پر بڑا غصہ آیا، اچانک وہ لڑکا ایک خربوزہ ہاتھ میں لئے ہنستا ہوا آرہا ہے؟ اس نے کہا

کہ میں تمہارے پاس ایک انتہائی عجیب چیز لایا ہوں دیکھو اس خربوزہ پر حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے ہاتھ رکھا تھا میں یہ بیس درہم میں خرید کر لایا ہوں۔ ان نوجوانوں میں سے ہر ایک نے اسے بوسہ دیا اور آنکھوں سے لگایا۔ ان میں سے ایک نوجوان بولا کہ آخر حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ اس مرتبہ پر کیوں کر پہنچے؟ سب نے کہا کہ تقویٰ اختیار کرنے کی وجہ سے، وہ بولا کہ اچھا پھر گواہ رہو کہ میں اللہ کے حضور مس ے توبہ کرتا ہوں باقی سب نے بھی یہی کہا اور اللہ کے حضور میں توبہ کی کہا جاتا ہے کہ وہ سب یہاں سے طرطوس چلے گئے اور مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔ (جواہر پارے)

وفات کے بعد

آپ کی وفات کے بعد ایک اللہ والے نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا تو فرمایا کہ مجھے میرے مالک نے بخش دیا اور اللہ تعالیٰ نے پھر مجھ سے فرمایا اے بشر کیا تمہیں مجھ سے شرم نہیں آتی کہ تو مجھ سے اس قدر ڈرتا ہے۔ (رسالہ قشیریہ، ص:۶۲۵)

ایک اور روایت یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا اے بشر جس دن میں نے تمہاری جان قبض کروائی تھی اس وقت تم سے زیادہ محبوب مجھے کائنات میں کوئی نہ تھا۔
(ایضاً، ص:۶۲۸)

مؤطا میں عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے : ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک جنگلی کبوتر اڑا پس آپ کو اچھا لگا اور وہ کبوتر درخت میں اڑتا ہوا نکلنے کا راستہ تلاش کر رہا تھا، ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی نگاہ دوران صلوٰۃ ایک لمحہ کے لئے اس پر پڑی۔ پس آپ یہ بھول گئے کہ کتنی نماز پڑھی، ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس فتنہ کا جوان کو پیش آیا تھا تذکرہ فرمایا اور کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ باغ صدقہ ہے آپ جہاں چاہیں اس کو صرف فرمادیں۔

باغ خمسون

عبداللہ ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک انصاری شخص وادی قف میں اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ موسم فصل کھجور میں جب کہ کھجور کے خوشے لٹکے ہوئے تھے، دیکھا کہ ایک کنٹھے دار جنگلی کبوتر پھلوں پر بیٹھا ہوا ہے پس اس شخص نے یہ منظر دیکھا جو اس کو اچھا لگا پھر جب وہ اپنی نماز کی جانب متوجہ ہوا تو بھول گیا کہ کتنی نماز پڑھی ہے تو اس نے کہا کہ مجھے میرے اس مال نے فتنہ میں مبتلا کر دیا، چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ اس وقت منصب خلافت پر فائز تھے اور واقعہ ذکر کر کے فرمایا یہ باغ صدقہ ہے آپ اس کو کار خیر میں لگا دیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس باغ کو پچاس ہزار میں فروخت فرمایا پس باغ کا نام ہی خمسون (۵۰) پڑ گیا۔

نوٹ: قف مدینہ منورہ کی ایک وادی کا نام ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ کا انفاق

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قاعدہ تھا کہ جب آپ کو اپنے مال میں سے کوئی چیز اچھی معلوم ہوتی تھی تو آپ اس چیز کو فی سبیل اللہ خیرات کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کے غلام آپ کی عادت سے واقف تھے۔ لہٰذا ان غلاموں میں سے اگر کوئی آمادہ ہونا چاہتا تو یہ ترکیب کرتا کہ ہر وقت مسجد میں رہتا۔ آپ اس کی یہ دینداری دیکھ کر اس کو آزاد کر دیتے۔ اس پر آپ کے مصاحبین کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ (غلام) آپ کو فریب دیتے ہیں تو آپ فرماتے کہ جو شخص اللہ کے معاملہ میں

ہم کو دھوکہ دے تو ہم اس کے دھوکہ میں آجاتے ہیں۔ایک مرتبہ ابن عامر نے آپ کے غلام کو تین ہزار درہم میں خریدنا چاہا تو آپ نے فرمایا کہ یہ ہوسکتا ہے کہ یہ دراہم مجھے فتنہ میں ڈالدیں اس لئے میں غلام کو جس کے عوض مجھے ابن عامر تین ہزار درہم دینا چاہتا ہے آزاد کرتا ہوں یہی سبب ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ سوائے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ہم میں کوئی ایسا نہیں ہے جس کو دنیا نے اپنی طرف مائل نہ کیا ہو، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی پوری عمر میں ایک ہزار یا ایک ہزار سے بھی زائد غلاموں کو آزاد کیا آپ کے فضائل ومناقب اس قدر ہیں کہ کوئی ان کو شمار نہیں کرسکتا۔

محبت الٰہی کی تمثیل پر ایک بچہ کا واقعہ

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک نیک آدمی راستے پر گزر رہا تھا۔اچانک کیا دیکھتا ہے کہ ایک دروازہ کھلا۔ایک بچہ اپنی ماں سے معافی مانگ رہا ہے اور رو بھی رہا ہے۔ اس کی والدہ اس کا پیچھا کررہی ہے اور اسے دھکے دے رہی ہے۔آخر بچہ گھر سے نکل آیا اور اس کی والدہ نے دروازہ بند کردیا اور اندر چلی گئی۔ بچہ تھوڑی دور گیا پھر کھڑا ہوکر سوچنے لگا، جس گھر سے نکالا گیا اس کے علاوہ اسے کوئی ٹھکانہ بھی نہیں نظر آرہا ہے اور نہ ہی والدہ کے علاوہ اس کا کوئی دوسرا ہے جو اسے سینے سے لگالے گا۔ یہ بچہ ٹوٹے دل اور غمگین حالت میں واپس آتا ہے تو دروازے کو بند پاتا ہے۔ دروازے سے ٹیک لگا کر اپنے گال چوکھٹ پر رکھ دیتا ہے اور سوجاتا ہے۔آنسو اس کے رخساروں پر جمے ہوئے ہیں۔

تھوڑی دیر بعد جب اس کی والدہ باہر نکلی اور اس نے اپنے بچے کو اس حال میں دیکھا تو بے حال ہوکر اس پر گر پڑی اسے سینے سے لگایا۔ پیار کیا اور رونے لگی

اور کہنے لگی اے میرے لال تو مجھ سے روٹھ کر کہاں گیا تھا؟ میرے علاوہ تجھے کون سینے سے لگائے گا؟ کیا میں نے تجھے نہیں کہا تھا کہ تو میرے حکم کے خلاف نہ چلا کر۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے تجھ پر رحمت وشفقت کے لئے پیدا کیا ہے۔اس کے برعکس تو مجھے سزا دینے پر مجبور نہ کیا کر۔ پھر والدہ اپنے بچے کو اٹھا کر اندر لے گئی۔

اس طرح کا واقعہ حدیث میں یوں بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قیدی لائے گئے۔قیدیوں میں سے ایک عورت کسی کو تلاش کررہی تھی۔ یکا یک جب اسے اپنا بچہ مل گیا تو اسے سینے سے چپکا لیا اور اسے اپنا دودھ پلایا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں پھینک دے گی؟ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کہا نہیں اگر اس کے بس میں ہو تو کبھی اپنے بچے آگ میں نہ پھینکے۔تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اَللّٰہُ اَرْحَمُ بِعِبَادِہٖ مِنْ ھٰذِہٖ بِوَلَدِھَا** جس قدر اس عورت کو اپنے بچے پر ترس آتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بھی کہیں زیادہ اپنے بندوں پر رحم فرمانے والے ہیں۔

والدہ کی شفقت کا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کیا مقابلہ؟ اللہ کی رحمت تو ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔ جب بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو انتہائی خوشی ہوتی ہے۔

شیطان کا وسوسہ خطرناک

شیطان کا وسوسہ کس قدر خطرناک ہوتا ہے اس کا اندازہ حدیث شریف میں مذکور بنی اسرائیل کے اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ شیطان نے بنی اسرائیل کی ایک لڑکی کا گلا دبادیا۔لڑکی کے والدین سخت پریشان ہوئے کہ کہاں اور کیسے علاج کرایا جائے؟ تو شیطان نے پھر ان کے دل میں بات ڈالی کہ فلاں راہب اس کا علاج کرسکتا ہے چنانچہ لڑکی کے والدین لڑکی کو اس راہب کے پاس لے گئے اور راہب

سے لڑکی کے علاج کے لئے کہا: اول تو راہب نے علاج کے لئے منع کیا، مگر والدین نے جب کافی اصرار کیا تو اس نے لڑکی کو اپنے پاس رکھ لیا۔ کچھ دن بعد شیطان نے راہب کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ وہ لڑکی سے مباشرت کرے۔ کیونکہ راہب ایک عرصے سے مجرد تھا اس لئے فوراً راہب یہ بدفعلی کر بیٹھا جس سے وہ لڑکی حاملہ ہوگئی۔ اب تو راہب کو بڑی فکر ہوئی کہ کس طرح اس بدنامی سے بچا جائے تو فوراً شیطان نے یہ وسوسہ ڈالا کہ اس لڑکی کو قتل کر دے اور اگر کوئی پوچھنے آئے گا تو کہہ دینا مرگئی۔

چنانچہ راہب نے بدنامی اور ہنگامہ سے بچنے کے لئے اس لڑکی کو قتل کر کے دفن کر دیا۔ اب شیطان نے لڑکی کے والدین کو بتلایا کہ اس راہب نے لڑکی کو قتل کر کے دفن کر دیا ہے والدین نے راہب سے پوچھ تاچھ کی تو وہ کوئی اطمینان بخش جواب نہ دے سکا۔ اس لئے والدین نے راہب کو لڑکی کے قصاص کے لئے پکڑ لیا اب راہب بالکل پھنس چکا تھا اور اپنی زندگی سے مایوس ہوگیا تو فوراً شیطان نے راہب سے کہا کہ یہ تمام کام میرا کیا ہوا ہے۔ اب اگر تم میری بات مانو تو میں تمہیں اس مصیبت سے نجات دلا سکتا ہوں۔ راہب نے کہا ٹھیک ہے جیسا تم کہو میں کروں گا۔ مجھے اس مصیبت سے جس طرح ممکن ہو بچالے۔ شیطان نے کہا کہ اگر تو مجھے دو سجدے کرے تو تیری جان بچوا سکتا ہوں۔ راہب نے فوراً دو سجدے شیطان لعین کو کر دیئے بس پھر کیا تھا فوراً شیطان نے اسے دھتکار دیا اور کہا کہ جا اپنا کام کر میں تیری فکر میں دو سال سے لگا ہوا تھا۔

آخری جنات

ابن سعد اور طبرانی اور حافظ ابو موسیٰ وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں عمرو بن جابر نامی ایک جن تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے قول کی دلیل میں صفوان

ابن معطل السلمیٰ کا یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ شام کی جانب جارہے تھے۔ اچانک انہیں ایک چڑھتا ہوا سانپ نظر آیا جو فوراً ہی مرگیا۔ لہٰذا ایک شخص نے ایک کپڑا لے کر اس مردہ سانپ کو لپیٹا اور زمین میں ایک گڑھا کھود کر اس کو دفن کر دیا۔ مکہ پہنچ کر مسجد حرام میں یہ لوگ بیٹھے ہوئے تھے تو اچانک ان کے پاس ایک شخص آیا اور معلوم کیا کہ عمرو بن جابر کو کس نے دفن کیا؟ کہا ہمیں تو معلوم نہیں پھر اس نے سوال کیا کہ سانپ کو کس نے دفن کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ان صاحب نے۔ اس پر اس اجنبی شخص نے دعائیہ کلمات کہتے ہوئے عرض کیا کہ عمرو بن جابر ان نو جنات میں سے آخری شخص تھے جنہوں نے آنحضور ﷺ سے قرآن کریم سنا تھا۔ اس واقعہ کو حاکم نے بھی مستدرک میں صفوان کے حالات کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔

ابن ابی الدنیا نے بیان کیا ہے کہ ایک سانپ جو شدت پیاس کے باعث تڑپ رہا تھا ایک تابعی کے خیمہ میں آیا۔ انہوں نے اس کو پانی پلایا اس کے بعد وہ سانپ مرگیا۔ انہوں نے اس کو دفن کر دیا۔ رات میں کسی نے ان کے پاس آکر سلام کیا اور شکریہ ادا کرتے ہوئے بولا کہ جس سانپ کو آپ نے دفن کیا ہے وہ ذدیعہ نامی ایک نیک اور صالح جن تھا۔

امیر المومنین عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ جنگل میں تشریف لیجارہے تھے، انہیں ایک مردہ سانپ ملا۔ آپ نے اس کو کفنا کر دفن کر دیا۔ اچانک ایک آواز آئی کہ سرق تجھے یاد ہے کہ نبی کریم ﷺ تیرے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ ایک جنگل میں تیری موت واقع ہوگی اور ایک صالح اور نیک آدمی تجھ کو دفن کرے گا۔ عمر بن عبد العزیز یہ سن کر بولے تم کون ہو؟ وہ بولا میں ان جنات میں سے ہوں جنہوں نے آنحضرت ﷺ سے قرآن کریم سنا تھا۔ اپنے ساتھیوں میں سے صرف ہم دو زندہ تھے میں اور سرق اور یہ بھی مرگیا۔

ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی حکمت

مسروق کا بیان ہے کہ کسی گاؤں میں ایک شخص کے یہاں تین جانور پلے ہوئے تھے یعنی گدھا، کتا، اور مرغا، مرغا اس کو صبح کو نماز کے لئے جگاتا کتا اس کے گھر کا پہرہ دیتا اور گدھے پر وہ پانی اور اپنا ڈیرہ وغیرہ لاد کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتا۔ ایک دن ایک لومڑی آئی اور اس کے مرغ کو پکڑ کر لقمہ بنا گئی۔ گھر والوں کو مرغ کے مرجانے کا کافی رنج وغم ہوا۔ مگر مرد چونکہ ایک نیک شخص تھا اس لئے اس نے کہا کہ اس میں بھی اللہ کی کوئی بہتری ہوگی۔ اس کے بعد ایک دن بھیڑیا آیا اور اس کے گدھے کا پیٹ چیر دیا جس سے وہ مرگیا مگر مرد نے پھر یہی کہا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں بھی ہمارے لئے کوئی بہتری ہوگی۔ اس کے کچھ دن بعد کتا بھی بیمار ہوکر مرگیا۔ مرد نے پھر وہی الفاظ کہے۔

ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ صبح کو جب وہ سوکر اٹھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کے آس پاس کے سبھی پڑوس والے گرفتار کر لئے گئے ہیں۔ ان کی گرفتاری کی وجہ یہ تھی کہ ان کے یہاں جو جانور پلے ہوئے تھے ان کی آوازوں سے حاکم وقت کو تکلیف ہوتی تھی۔ لہٰذا اس مرد صالح کے ان تینوں جانوروں کے مرنے میں اللہ تعالیٰ کی یہ مصلحت تھی کہ وہ گرفتار نہ ہوسکے۔ اس واقعہ سے یہ بات واضح ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں کے رموز کو سمجھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہر فعل پر راضی ہوتا ہے۔

کھجور کا درخت

ابن خلکان اور دوسرے مورخین نے ذکر کیا ہے کہ روم کے شاہ قیصر نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ

میرے سفیروں نے جو آپ کے پاس سے لوٹ کر آئے ہیں بتایا ہے کہ یہاں ایک ایسا درخت ہے کہ جب وہ زمین سے نکلنا شروع ہوتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے گدھے کے دو کان ہوں جب وہ نکل کر ذرا پھیلتا ہے تو اس پر بور آتا ہے جو مروارید کے دانے جیسا ہوتا ہے اور جب کچھ اور پھیلتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں سبز زمرد اور زبرجد لگے ہوئے ہیں۔ پھر جب اس کے پھولوں پر سرخی آتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یاقوت سرخ کے دانے لٹکے ہوئے ہیں۔ اور جب وہ پک جاتا ہے تو کھانے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ایک عمدہ قسم کا فالودہ کھالیا ہو اور جب وہ خشک ہوجاتا ہے تو مقیم کے لئے ذخیرہ اور مسافر کے لئے زادراہ کا کام دیتا ہے اگر میرے سفراء کی یہ اطلاع صحیح ہے تو میرے گمان میں یہ کوئی جنتی درخت ہے۔ (بظاہر کھجور کا درخت مراد ہے)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس خط کے جواب میں شاہ روم کو لکھا کہ آپ کے سفراء نے آپ کو صحیح اطلاع دی ہے۔ بیشک ہمارے یہاں ایسا درخت موجود ہے اور یہ وہی درخت ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے وقت حضرت مریم علیہا السلام کے لئے اگایا تھا۔ اخیر میں آپ نے فرمایا کہ اے قیصر! اللہ سے ڈرو اور اس کو چھوڑ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود مت بناؤ۔ اس کے بعد یہ آیت نقل کی:

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنَ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ. (آل عمران ۹۵)

”تحقیق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی سی ہے پیدا کیا اس کو مٹی سے پھر اس کو کہا ہوجا پس وہ ہوگیا، سچی بات تیرے رب ہی کی ہے لہٰذا تو شک کرنے والوں میں سے مت ہو“۔

امام العلام ماوردی وغیرہ نے کہا ہے کہ ایک مرتبہ سفیان ثوری نے خلاف عادت کچھ زیادہ کھانا کھالیا تو آپ نے فرمایا کہ جب گدھے کو چارہ زیادہ دیا جاتا ہے تو کام بھی زیادہ لیا جاتا ہے یہ کہہ کر نماز کیلئے کھڑے ہوگئے یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔

شیطان کا مال تجارت

کتاب ابتلاء الاخیار میں مذکور ہے کہ ایک دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ابلیس سے ملاقات ہوئی۔ ولعین پانچ گدھوں کو جن پر بوجھ لدا ہوا تھا ہانکے لئے جارہا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ یہ کیا لادے لئے جارہا ہے؟ ابلیس نے جواب دیا کہ یہ مال تجارت ہے اس کے لئے خریداروں کی تلاش میں جارہا ہوں۔ پھر آپ نے اس سے دریافت کیا کہ کیا کیا مال تیرے پاس ہے؟ ابلیس نے مال کی تفصیل جوان پانچ گدھوں پر لدا ہوا تھا بتلائی کہ:

(۱) اس میں ظلم ہے اس کو میں سلاطین کو فروخت کروں گا۔ (۲) اس میں کبر (اپنے کو بڑا سمجھنا) ہے اس کو سوداگر اور جوہری خریدیں گے۔ (۳) اس میں حسد بھرا ہوا ہے اس کے خریدار علماء ہیں۔ (۴) اس میں خیانت بھری ہوئی ہے جس کو میں تاجروں کے کارندوں کو فروخت کروں گا۔ (۵) اس میں مکر وفریب ہے اس کو میں عورتوں کو فروخت کروں گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ جب میں مروں تو ابن سیرین ہی آکر مجھ کو غسل دیں کفن پہنائیں اور وہی میری نمازِ جنازہ پڑھائیں۔ پس حضرت انس رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو ابن سیرین قید خانہ میں بند تھے لوگوں نے حاکم وقت سے اجازت لے کر آپ کو قید خانہ سے نکالا۔ چنانچہ آپ نے وصیت کے مطابق تجہیز وتکفین کردی اور فارغ ہوکر پھر قید خانہ میں چلے گئے گھر نہیں گئے۔

علامہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کی تعبیر

امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ مشہور تابعین میں سے ہیں۔ آپ کو خواب کی تعبیر دینے کی مہارت تھی۔ روایت ہے کہ ایک عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ اس وقت صبح کا ناشتہ کررہے تھے اس عورت نے اپنا خواب بیان کیا اور کہا کہ میں نے یہ دیکھا ہے کہ چاند ثریا میں داخل ہوگیا اور پکارنے والے نے میرے پیچھے سے پکار کر کہا کہ ابن سیرین کے پاس جاکر ان سے یہ خواب بیان کردے، یہ سنتے ہی آپ کا چہرہ متغیر ہوگیا اور آپ اپنا پیٹ پکڑ کر کھڑے ہوگئے۔ آپ کی بہن نے آپ سے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میرے خیال میں اس عورت کے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ میں سات دن میں مرجاؤں گا! چنانچہ ایسا ہی ہوا اور سات دن کے بعد ۱۱۰ھ میں امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے سودن بعد آپ کی بھی وفات ہوگئی۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کا امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق خواب

شیخ عارف باللہ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ اس حال میں کہ آپ حضرت موسیٰ وحضرت عیسیٰ علیہما السلام سے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مفاخرت کررہے ہیں اور آپ فرما رہے ہیں کہ کیا آپ دونوں صاحبان کی امت میں ان جیسا (امام غزالی کی طرف اشارہ کرکے) عالم ہوا ہے؟ اس کا جواب آپ دونوں صاحبان نے نفی میں دیا۔

شیخ الامام عارف باللہ استاد رکن الشریعت والحقیقت ابوالعباس المرسی نے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر فرماتے ہوئے آپ کے لئے صدیقیت عظمیٰ کی شہادت دی

ہے۔ شیخ جمال الدین دسنوی نے اپنی کتاب ''المہمات'' میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی بڑے اچھے الفاظ میں تعریف فرمائی ہے وہ الفاظ یہ ہیں:

''آپ ہر موجود کے لئے قطب الوجود خلاصہ اہل الایمان وبطریق کے روح رواں تھے جوان کو رضائے رحمٰن تک پہنچاتی تھی۔ آپ کے وسیلہ سے وہی شخص بغض رکھ سکتا ہے جو کہ ملحد یا زندیق ہو۔ آپ اپنے زمانے کے مشاہیر میں منفرد تھے اور کوئی شخص آپ کا ہمسر نہیں تھا''۔

حجۃ الاسلام زین العابدین محمد الغزالی بغداد میں مدرسہ نظامیہ کے طلباء کو درس دیا کرتے تھے، پھر کچھ دنوں کے بعد یہ سلسلہ ختم کر کے شام چلے گئے اور دمشق کے راویۃ الجامع (جامع مسجد) میں قیام فرمایا۔ پھر بیت المقدس چلے گئے۔ اس کے بعد مصر کا قصد کر کے اسکندریہ میں عرصہ تک مقیم رہے اس کے بعد آپ اپنے وطن طوس پہنچ گئے۔ طوس سے پھر نیشاپور پہنچے اور وہاں کے مدرسہ نظامیہ میں درس کا سلسلہ جاری کر دیا۔ پھر تدریس چھوڑ کر دوبارہ طوس آ گئے اور صوفیا کے لئے ایک خانقاہ قائم فرمائی اور اس میں آپ کا وقت تلاوت کلام پاک وظائف الخیرات اور صحبت صالحین اور عبادت میں صرف ہوتا اور ایک طرح سے آپ نے خود کو ان چیزوں کے لئے وقف کر دیا اور دنیا سے مکمل کنارہ کشی اختیار کر لی۔

علم کیوں حاصل کیا جائے؟

واقعہ بڑا طویل ہے لیکن اس کا آخری حصہ بیان کرتا ہوں: جب حضرت موسیٰ، حضرت خضر علیہما السلام سے جدا ہونے لگے تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السلام! اگر آپ صبر کرتے تو ایک ہزار شاذ و نادر واقعات آپ پر ایسے منکشف ہوتے جو ان واقعات سے بھی جو آپ نے ملاحظہ فرمائے عجیب تر ہوتے۔ یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام

کو آپ کی جدائی پر رونا آ گیا اور حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا کہ اللہ کے نبی مجھے نصیحت فرما دیجئے۔ چنانچہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ نصیحتیں کیں۔

۱- آپ اپنی آخرت کی فکر کریں اور لایعنی باتوں کی جستجو میں نہ پڑیں۔

۲- امن وامان کے وقت خوف کو نہ بھولیں اور خوف کی حالت میں امن سے مایوس نہ ہوں۔

۳- اعلانیہ باتوں میں تدبیر سے کام لیں۔ اور قدرت ہوتے ہوئے احسان کرنا نہ چھوڑیں۔

۴- کبھی لجاحت نہ برتیں اور بغیر ضرورت سفر نہ کریں اور جب تک کوئی انتہائی تعجب خیز بات نہ سنیں ہنسیں نہیں۔

۵- خطاوار لوگوں کو ان کی خطاؤں پر جب کہ وہ اظہار ندامت کر لیں غیرت نہ دلائیں اور جب آپ سے کوئی خطا سرزد ہو جائے تو اس پر ندامت کے آنسو بہا لیں۔

اسکے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی نعمتیں تمام کرے اور آپ کی عمر کو اپنی اطاعت میں تمام کرے اور دشمن سے آپ کی حفاظت فرمائے۔

اس کے بعد حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ بھی مجھ کو نصیحت فرما دیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ نصیحتیں فرمائیں۔

۱- غصہ سے اجتناب کریں اور اگر کسی پر غصہ کریں تو صرف اللہ کے معاملہ میں کر سکتے ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام نافذ کرنے کے سلسلہ میں غصہ اور سختی کرو اور کسی کی رعایت نہ کرو)۔

۲- کسی سے سوائے اللہ کے بارے میں راضی نہ ہوں۔

۳- دنیا سے محبت نہ کریں اور نہ اس سے بغض رکھیں کیونکہ ایسا کرنے سے انسان ایمان سے خارج اور کفر میں داخل ہو جاتا ہے۔

پھر حضرت خضر علیہ السلام نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دعائیں دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی اطاعت میں آپ کی مدد فرمائے اور آپ کو آپ کے جملہ امور میں سرور وخوشی عطا فرمائے اور مخلوق کے دلوں میں آپ کی محبت پیدا فرمائے اور اپنے فضل سے نوازے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دعاء پر آمین فرمایا۔

اوپر کی یہ پوری روایت سہیلی کی ہے:

علامہ بغوی فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے علیحدگی کا قصد فرمایا تو ان سے نصیحت کرنے کو کہا۔ تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ علم کو اس لئے مت طلب کرو کہ اسے صرف لوگوں کے سامنے بیان کیا جائے بلکہ علم کو عمل کے لئے حاصل کرو۔

گناہگار پر اللہ کی چار نعمتیں

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ بَلَالٍ: اَنَّ الْعَبْدَ اِذَا اَذْنَبَ مَنَّ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ بِاَرْبَعِ خِصَالٍ لَا يَحْجُبُ عَنْهُ الرِّزْقَ وَلَا يَحْجُبُ عَنْهُ الصِّحَّةَ وَلَا يَظَاهَرُ عَلَيْهِ الذَّنْبَ وَلَا يُعَاقِبُهُ عَاجِلاً.

حضرت سعد بن بلال رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر چار نعمتیں بدستور باقی رکھتے ہیں: (۱) اس کا رزق بند نہیں کرتے (۲) اس کی صحت نہیں چھینتے (۳) اس کے گناہوں کو ظاہر نہیں فرماتے (۴) اور اس کی فی الفور پکڑ نہیں کرتے بلکہ مزید ڈھیل دیتے ہیں۔ (منبہات ابن حجر)

حق تعالیٰ کی بندے سے محبت کی دلیل

ایک اللہ والے نے فرمایا کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب کسی کو قرض دیا کرو تو لکھ لیا کرو اور اس پر دو آدمیوں کو گواہ کرلیا کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کو

ہمارے ساتھ غایت شفقت والفت ہے کہ ہمارے پیسے کا نقصان بھی گوارا نہیں کرتے تو جان کا نقصان کب گوارا ہوگا پھر وہ جنت سے محروم کرکے دوزخ میں کب ڈالنا چاہیں گے جب تک کہ تم خود نہ گھسو (معاصی کرکے) چنانچہ ارشاد ہے: مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ (النساء ۱۴۷) اللہ تعالیٰ تم کو سزا دے کر کیا کریں گے اگر تم سپاس گذاری کرو اور ایمان لے آؤ۔ (تاثر حکیم الامت)

آداب بندگی

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بندہ ہر حالت میں حق تعالیٰ سے راضی رہے جو حالت بھی ہو اور حق جو کچھ بھی ان پر (احکام اور تکالیف) جاری کریں (ان سے) کچھ بھی ناراضی پیدا نہ ہو اور حق تعالیٰ جو کچھ ان کو عطاء کریں خواہ کچھ ہی ہو اس کو حقیر نہ سمجھیں کیونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ ان کے مصالح کو ان سے زیادہ جانتے ہیں تو وہ جو کچھ کریں گے وہی بہتر ہوگا۔

وَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ الخ (البقرہ ۲۱۶)

(اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناگوار سمجھو اور تمہارے لئے وہی بہتر ہو) پس حکمت الٰہی کامل ہے (اس میں کچھ نقصان نہیں اور) اس کا مقتضیٰ یہی ہے کہ جو کچھ بندہ کو عطا کیا گیا ہے (وہی عطا کیا جاوے) اس کے سوا کچھ نہ عطا کیا جائے چاہے وہ (اس حالت موجودہ سے) اعلیٰ ہو یا ادنیٰ۔

پس (بندہ کو یہ سمجھنا چاہئے کہ جو حالت اس کو عطا ہوئی ہے) اگر اس کے سوا دوسری حالت اس کو عطا کی جاتی تو (یقیناً) اس کی حالت خراب ہوجاتی جیسا کہ (یہ) حدیث قدسی اس طرف اشارہ کرتی ہے: "اِنَّ مِنْ عِبَادِیْ مَنْ لَّا يَصْلُحُ لَهٗ اِلَّا الْفَقْرُ وَلَوْ اَغْنَيْتُهٗ لَفَسَدَ حَالُهٗ وَاِنَّ مِنْ عِبَادِیْ مَنْ لَّا يَصْلُحُ لَهٗ اِلَّا الْغِنٰى وَلَوْ اَفْقَرْتُهٗ لَفَسَدَ حَالُهٗ".

(حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بعض بندوں کے لئے فقر ہی مناسب ہوتا ہے (اس لئے میں ان کو غنی کر دیتا ہوں) اور اگر میں ان کو فقیر کر دوں تو ان کی حالت خراب ہو جائے) جب تم اس کو سمجھ گئے اور تم نے یہ جان لیا کہ اس شخص کو جو کچھ عطا ہوا ہے اس کے حق میں وہی حالت اکمل اور مناسب تر ہے اور خداوند حکیم وعلیم کی حکمت بالغہ کا وہی تقاضا ہے تو اب سمجھو کہ انبیاء کے حق میں نبوت اور اولیاء کے حق میں ولایت اور مومن کے حق میں ایمان اور عالم کے حق میں علم اور پیشہ ور آدمی کے حق میں پیشہ کرنا اور پیشہ نہ کرنے والے کے حق میں پیشہ نہ کرنا ہی کامل واکمل حالت ہے اور اسی طرح سب کو اس پر قیاس کر لو کہ تندرست کے حق میں تندرستی اور بیمار کے حق میں بیماری اور بادشاہ کے حق میں بادشاہت اور مزدور کے واسطے مزدوری ہی زیادہ مناسب ہے۔ اور یہاں بہت سے پوشیدہ راز ہیں جن کو اہل اللہ ہی سمجھتے ہیں دوسرے لوگ نہیں سمجھ سکتے پس جس حالت میں بندہ کو خدا نے رکھا ہے اس سے دوسری حالت کی طرف انتقال چاہنا یہ خدا کی ناپسند کی ہوئی چیز کو پسند کرنا ہے اور دعویٰ کر کے یہ بتلانا ہے کہ میں خدا تعالیٰ سے زیادہ اپنے مصالح کو جانتا ہوں اور اس کا جہل وکفر ہونا کھلا ہوا ہے اور یہ جو کچھ ہم نے بیان کا ہے سب حق تعالیٰ کے اس ارشاد سے ماخوذ ہے: اَعْطٰی کُلَّ شَیْئٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی (طٰہٰ ۵۰) (خدا نے ہر چیز کو اس کی مناسب حالت عطا کی پھر اس کو جس کام کے لئے پیدا کیا ہے اس کی طرف ہدایت کی پس خوب سمجھ جاؤ۔

بوسنیا کے صدر علی عزت نے کہا!

میں مسلمانوں کی چار باتوں سے پریشان ہوں: بوسنیا یورپ میں ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا ملک ہے یہاں مسلمانوں کا قتل عام ہوا تھا اس نازک دور میں علی عزت

بیگوچ نے مسلمانوں کی قیادت کی اس کے بعد الیکشن کا دور آیا اور علی عزت بوسنیا کے صدر منتخب ہو گئے گزشتہ دنوں ان کا انتقال بھی ہو گیا سعودی عرب کا مشہور شاہ فیصل ایوارڈ بھی انہیں ملا تھا۔ ۲۰۰۲ء میں قاہرہ میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی تھی اس میں انہوں نے کہا میرے ذہن میں چار سوال ہیں میں چاہتا ہوں کہ کوئی اس کا جواب دے اور میں ہمیشہ ان سوالوں سے پریشان رہتا ہوں۔

پہلا سوال: قرآن کی پہلی آیت بلکہ پہلا لفظ اقراء یعنی پڑھ آج ساڑھے چودہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی دنیا کے ساٹھ فیصد مسلمان پڑھنا نہیں جانتے ایسا کیوں؟

دوسرا سوال: اسلام میں وقت کی پابندی ہے نماز، روزہ اور حج سب وقت پر ہیں سال میں ایک مرتبہ زکوٰۃ فرض ہے تو پھر مسلمان اس کے وقت پر کیوں انجام نہیں دیتے بلکہ ملکوں کے سرکاری جلسے بھی وقت پر نہیں ہوتے۔

تیسرا سوال: پاکی اور طہارت ایمان کا حصہ اس کے باوجود افریقہ اور عرب بلکہ یورپ کے مسلم ملکوں کی بھی حالت یہ ہے کہ مسلم محلے گندے ہوتے ہیں پاکی صفائی کا کوئی خاص خیال نہیں یہاں تک کہ مسلمانوں کے ہوٹل اور مساجد کے غسل خانے بھی گندے ہو گئے۔

چوتھا سوال: محمد ﷺ کی امت میں اختلافات کیوں بڑھ رہے ہیں دنیا کے کسی بھی مسلم ملک جائیں اور دیکھیں حلقے بڑھتے جا رہے ہیں ایک جماعت سے دو جماعت دو جماعت سے کئی جماعتیں کئی گروہ کئی پارٹیاں صرف انتشار ہر حلقے کی کئی کتابیں ہر اختلاف پر کتابوں کا انبار وقت کی پابندی نہیں طہارت اور پاکی نہیں امت میں اختلاف اور انتشار یہ چار سوال مجھے پریشان کرتے ہیں۔

قرآن کی دوآیت نے ڈاکٹر ''کوشو'' کوڈاکٹر عبداللہ بنادیا

فرانس کی ایک مشہور سائنسداں کا نام جیک دی کوسٹو ہے گزشتہ سال کا واقعہ ہے کہ وہ قرآن کا انگریزی ترجمہ پڑھ رہے تھے سورہ رحمٰن کی ایک آیت پر رک گئے اور بہت دیر تک پڑھتے رہے اور سوچتے رہے سورہ رحمٰن کی آیت یہ ہے: ''**مرج البحرین یلتقیان**'' ترجمہ: دوسمندروں کواللہ نے جوڑ رکھا ہے آپس میں مل جائیں پھر بھی ان کے درمیان پردہ حائل ہے جس سے وہ آگے نہیں بڑھتے مطلب یہ ہے کہ دوسمندر ملنے کے باوجود جدا ہیں ڈاکٹر کوشو سمندر کے اندر کی حالت پر خوب جانتے تھے انہوں نے اس آیت پر تحقیق کی اور سمندر کے اندر کھو گئے انہیں معلوم ہوا کہ بحرہ روم اور بحرہ اوقیانوس کا پانی خاصیت کے اعتبار سے جدا جدا ہیں مراکو اور اسپین کے قریب سمندر کے نیچے میٹھے پانی کے چشمے ابلتے رہتے ہیں اور تیزی سے بحرہ روم میں گرتے ہیں اس کی وجہ سے بحرہ روم اور بحراوقیانوس اندر سے ایک دوسرے سے ملتے ہیں بلکہ جدا رہتے ہیں گویا دوسمندروں کے درمیان ایک دیوار ہے ڈاکٹر کوشو نے کہا چودہ سال پہلے عرب کی سرزمین پر حضرت محمد ﷺ پر جو قرآن نازل ہوا واقعی یہ خدا کا کلام ہے اس کے بعد انہوں نے اسلام قبول کرلیا اور اسلامی نام عبداللہ رکھ لیا۔

آپ سجدہ میں کیا پڑھتے ہیں؟

ابھی حال میں جرمن کے ایک ڈاکٹر نے اسلام قبول کیا اسکے بعد عربی زبان پر عبور حاصل کیا علم نجوم سے دلچسپی پیدا ہوئی اس کے بعد ابجد کے حساب کو سیکھا دماغی بیماری میں مبتلا کوئی مریض آتا تو چند آیات قرآنی کو پڑھنے کی تلقین ہوتی اکثر مریض عیسائی اور جرمنی زبان جاننے والے ہوتے۔ ڈاکٹر نے ایک عجیب بات پر روشنی ڈالی

ہے اسی بات کو مختلف انداز میں ہندوستان کے صوفیا کرام پیش کر چکے ہیں جرمن ڈاکٹر کا کہنا ہے سجدے میں سبحان ربی الاعلیٰ کی عجیب تاثیر ہے یہ تاثیر پڑھنے والے پر اسی وقت اثر کرتی ہے جب سجدے کی حالت میں ساری کائنات زمین وآسمان ستارے اور سیاروں کی کا تصور اور خیال کرتے ہوئے **سبحان ربی الاعلیٰ** پڑھیں اور خدا کی عظمت اور بزرگی کا تصور کریں۔ ڈاکٹر صاحب کے مطابق جب کوئی سبحان ربی الاعلیٰ کہتا ہے تو خدا کی تعریف کے ساتھ ساتھ حضرت محمد ﷺ پر بھی درود پڑھتا ہے۔

جدید دور میں علم اور اس کا استعمال

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں موجودہ دور کے علمی وذہنی فتنوں میں ایک بڑا فتنہ پر فریب الفاظ کا فتنہ ہے ہم ایک لفظ بولتے ہیں جو اپنے مفہوم کے لحاظ سے ایسے حقائق پر مشتمل ہوتا ہے جو بالکل صحیح وصادق مقدس متبرک اور نہایت مقبول ومحمود ہے۔

مگر اسی لفظ کے معنی کی وسعت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس کا اطلاق بہ طور تلبیس وتلمیح ایک ایسے معنی پر کر دیا جاتا ہے جو بجائے مقبول ہونے کے مردود اور محمود ہونے کے مذموم ہے اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ مخاطب کو مغالطہ دے کر محض خوش نما اور دل فریب الفاظ کے طلسم سے محسور کر دیں۔

آزادی، مساوات، تہذیب، ترقی اور اسی طرح کے اور الفاظ ہیں جو اگر اپنے اصلی وحقیقی معانی میں مستعمل ہوں تو نہایت محمود ومستحسن اور قابل تعریف ہیں لیکن جب کسی زشت وشنیع مفہوم کو خوب صورت ظاہر کرنے کے لئے یہی الفاظ بہ طور نقاب استعمال ہونے لگیں تو یہ خالص تلبیس وخداع ہے ٹھیک یہی صورت آج کل لفظ علم کے متعلق واقع ہو رہی ہے۔

کسی مسلم اسکول کا افتتاح ہو کسی کالج کی بنیاد رکھی جائے کسی یونیورسٹی کی تقسیم اسناد کا جلسہ ہو آپ دیکھتے ہیں کہ حضرات مقررین کس شد و مد سے علم کے فضائل میں قرآن پاک کی بہت سی آیات اور رسول کریم ﷺ کی بے شمار احادیث پڑھتے رہتے ہیں گویا اپنے طرز عمل سے مخاطبین پر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جدید علم کے ایسے ایسے فضائل قرآن کریم میں موجود ہیں، حالاں کہ قرآن کریم کو ایک سرسری نظر سے پڑھ جایئے ظاہر ہو جائے گا کہ وہ علم دو قسمیں قرار دیتا ہے۔ ایک نافع و مطلوب دوسرا مضر اور مردود۔

اس کے نزدیک ایک علم زہر ہے دوسرا تریاق ایک پاک شراب ہے دوسرا محض سراب ایک سبب ہلاکت ہے دوسرا سامان نجات ایک آسمان کی بلندیوں پر اٹھانے والا ہے دوسرا اسفل السافلین کی پستیوں میں پہنچانے والا ہے۔

جو علم اپنے اثرات کے اعتبار سے آخر کار خشیت الٰہی اور رغبت آخرہ پر منتج نہ ہو جو علم انسان کو خدا سے نڈر اور زندگی کے آخری انجام سے بالکل غافل کر دے جو علم ایسی مادی دنیا کی لذت و انبساط و شہوات حیوانیہ کو (خواہ کتنی ہی ترقی یافتہ شکل میں ہو) انسان کا معبود ٹھہرائے کیا ایسا علم بارگاہ رب العزت میں درخور اعتناء لائق التفات ٹھہر سکتا ہے یا قرآن کریم اس کے اکتساب کی ایک لمحہ کیلئے بھی ترغیب دے سکتا ہے۔

قرآن تو ایسے علم کی نسبت صاف طور پر حکم دیتا ہے کہ: ترجمہ! یعنی تو منہ پھیر لے اس کی طرف سے جس نے ہماری بات سے منہ پھیر لیا اور جس کا مقصد اس دنیوی زندگی سے آگے کچھ نہیں ان کے علم کی رسائی اور پرواز یہیں تک ہے۔

اس کے بالمقابل ایک وہ لوگ ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں اس کی مخلوق پر رحم کھاتے ہیں اور ادب و تہذیب کے قاعدوں پر عمل کرتے ہیں اخلاقی پاکیزگی ان کا جوہر ہے ایمان کے نور سے ان کے دل روشن ہیں غرض کہ علم ان کے اندر انابت الی

اللہ رحمت علی الخلائق کے اوصاف پیدا کرتا ہے تو اسی طرح کے اولوالعلم کے حق میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ترجمہ: تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہیں علم عطا کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرتا ہے۔ (المجادلہ ۱۱)

قرآن نے ایک شخص قارون کا ذکر کیا ہے جس کی دنیوی دولت اب تک ضرب المثل ہے جس کے خزائن کی کثرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کا سامان دیکھ آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں حتی کہ بہت سے تمنا کرتے تھے کہ کاش ہمیں بھی قارون کی طرح دولت مل جاتی۔ اس نے ترقی کی اس معراج پر پہنچ کر علم کا دعویٰ کیا تھا جس کے ذریعہ اس کو یہ عروج حاصل ہوا۔

بہر حال وہ علم تھا جس کے بالمقابل دوسرا گروہ تھا جس کا ذکر حق تعالیٰ اس طرح فرماتا ہے: ''وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا'' وہ علم والے تھے جو قارون کے اس تمام ترقیات اور علم و ہنر کو حقیر سمجھ رہے تھے اور ادھار کو نقد پر ترجیح دے رہے تھے قرآن کریم نے تو ایک آیت میں مسئلہ کا دوٹوک فیصلہ کر دیا ہے۔ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر ۲۸) ترجمہ: علم والے ہی اللہ کے بندوں میں اللہ سے ڈرتے ہیں۔

اس اِنَّمَا کے لفظ پر غور کیجئے گویا جو علم قلب میں خشیت الٰہی پیدا نہ کرے وہ علم ہی نہیں ایسے اصطلاحی علم سے جہل ہزار درجہ بہتر ہے۔ حدیث صحیح میں نبی کریم ﷺ نے اس علم سے پناہ مانگی ہے جو نفع سے خالی ہو۔ معلوم ہوا کہ علم نافع بھی ہوتا ہے اور مضر بھی۔

پس ایسا علم جو انسان کو شیطان یا درندہ بنا دے یا اسے ترقی یافتہ بہائم کے زمرہ میں داخل کرے ان کی طرف ترغیب دلانے کے موقعہ پر مطلق علم کے فضائل قرآن و حدیث سے پیش کرنا انتہائی تلبیس اور گمراہی ہے۔

مقصد یہ ہے کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ علوم فنون حاصل نہ کئے جائیں لیکن درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اگر علم وفن کی ترقی کا ماحصل یہی ہے کہ جو ہم دیکھ رہے ہیں تو فی الحقیقت ایسے علم سے جہل بہتر ہے اگر علم وفن کی چکا چوند کرنے والی ترقیات مذہبی اور دینی علم وتہذیب کے ماتحت رہتیں تو دنیا کو ایسے بھیانک نتائج ہر گز نہ دیکھنے پڑتے۔

عیسائی مبلغین نے اسلام قبول کرلیا

(رینا) مکہ مکرمہ سے شائع ہونے والے ہفت روزہ ''العالم السلامی'' کی اطلاع کے مطابق لیبریا (Libaria) میں اسلام کا صفایا کرنے کا ارادہ رکھنے والی عیسائی تنظیموں کا منصوبہ اس وقت ناکام ہوگیا جب ان کی جانب سے بھیجے گئے عیسائی مبلغوں کی اکثریت نے اسلام قبول کرلیا ان تنظیموں نے چھ ہزار چار سو ترپن (۶۴۵۳) مبلغوں کے ایک گروہ کو صلیبی تربیت دے کر لیبریائی راجدھانی منرو ویا روانہ کیا تھا کہ وہاں جا کر وہ عیسائیت کی تبلیغ کریں اور وہاں کے مسلمانوں کی رگ وپے میں پیوست اسلام کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکیں۔

ان مبلغین نے لیبریا آکر جب وہاں کی مقامی زبانوں کا مطالعہ شروع کیا تو اس دوران ان کو اسلامی لٹریچر کے مطالعہ کا بھی موقع ملا اور وہ اسلامی تعلیمات سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ ان کی اکثریت عیسائیت چھوڑ کر حلقہ بگوش اسلام ہوگئی اور وہ علاقے جہاں وہ عیسائیت کی تبلیغ کے لئے بھیجے گئے تھے اب ان کی اسلامی تبلیغ کی سرگرمیوں کا مرکز بن گئے ان کا کہنا ہے کہ اگر چہ صلیبی تربیت کے دوران انہیں مذاہب عالم کے مطالعہ کا موقع دیا گیا تھا مگر اسلام کی صرف مسخ شدہ تعلیمات سے ہی واقف کرایا گیا تھا اور انہوں نے اصل اسلام کو اس وقت سمجھا ہے جب انہیں اپنے

میدان عمل لیبریا میں آکر اس کے اصل مآخذ کا براہ راست مطالعہ کا موقع ملا ہے لیبریا کے مسلمانوں کی ایک ذمہ دار تنظیم (الجمعیۃ الاسلامیہ کوادبونی) کے رابطۂ خارجہ کے جنرل سکریٹری محمد فانی سانیوہ نے مصر میں قائم دعوت اسلامی نامی ادارے کی قیادت کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ عالمی چرچ تنظیم کی امداد سے عیسائی تنظیموں نے گزشتہ چند سالوں کے دوران لیبریا کے مسلم قبائلی علاقوں اور راجدھانی منرو ویا بھیجنے کے لئے (۶۴۵۳) اشخاص کو تربیت دی اور اس مقصد کیلئے ان تنظیموں نے افریقی نسل کے علماء کی بھرتی کی تاکہ وہ وہاں پہونچ کر لوگوں کی نگاہوں کو اجنبی معلوم نہ ہوں اور ان کو تلقین کی کہ وہ لیبریا اور اس کی علاقائی زبانوں میں عبور حاصل کریں اور لیبریا کے معاشرے میں گھل مل کر اپنے کام کا آغاز کریں مبلغوں کا یہ گروہ حسب ہدایت وقتاً فوقتاً لیبریا کہ مسلم قبائلی علاقوں اور راجدھانی میں مسلم اکثریتی علاقوں میں غیر محسوس طریقہ پر آباد ہوگیا یہاں تک کہ ان میں سے سینکڑوں نے لیبریا کی قومیت کا سرٹیفکٹ بھی حاصل کرلیا ان مبلغوں کی اکثریت کو دبونی قبیلہ کے باشندوں کے درمیان آکر آباد ہوئی یہ قبیلہ وہ ہے جس نے ملک میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا تھا اور آج تک پوری سختی کے ساتھ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہے۔

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ جب مسلمانوں کو ان مبلغوں کی آمد اور ان کے مقاصد کا علم ہوا تو انہوں نے کھلے دل کا مظاہرہ کرتے ہوئے ملک کے مختلف مرکزی شہروں میں آل مذاہب کانفرنسیں اور اجتماعات منعقد کئے جن میں مذہب پر کھل کر بحث اور مذاکروں کا اہتمام کیا گیا ان کانفرنسوں میں عیسائیت بری طرح ناکام ہوئی اور یہ مبلغین کسی غیر عیسائی کو بھی متاثر نہ کرسکے اس کے برعکس یہ ہوا کہ خود ان مبلغوں کی اکثریت نے اسلام قبول کرلیا اور وہ لیبریا کی اسلامی تنظیموں سے وابستہ ہوکر اسلام کے مبلغ بن گئے اور برملا اعلان کیا کہ اسلام سے متعلق اب ان کا یہ نظریہ

بدل گیا ہے کہ اسلام افریقہ کی سرزمین میں ایک بیرونی اور فاتح دین کی حیثیت سے داخل ہوا اور یہ کہ اس کی تعلیمات میں عصر حاضر کی رہنمائی کی صلاحیتیں مفقود ہے۔

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ عیسائی مبلغین کی یہ جماعت لیبریا کی مقامی زبانوں میں مہارت کے ساتھ بولتی ہیں اور اقوام عالم نیز مذاہب عالم ہر گہری نظر رکھتے ہیں جس سے عیسائی چرچ کی قیادت میں قائم ان عیسائی تنظیموں کی دقت عمل کا اندازہ ہوتا ہے۔

رپورٹ میں لیبریا میں اسلامی تنظیموں کی خدمات اور سرگرمیوں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اب تک لیبریا میں محدود پیمانے پر اسلامی اسکولوں میں بارہ اہم اسکول ہیں جن کو حاجی عمر شیخ محمد سیسی نے قائم کیا ہے لیکن عیسائیت کے اس منصوبہ کے انکشاف کے بعد اسلامی تنظیموں نے کہا ہے کہ اب وہ ملک میں اسلامی اسکولوں اور مکاتب کا جال بچھا دیں گی اور مسلم بچوں کو اسلام کے ساتھ جوڑنے کے لئے اپنے تمام تر وسائل کا استعمال کریں گی۔

رپورٹ کے مطابق لیبریا کے اسلامی اسکولوں کے لئے ایک خاص نصاب تعلیم ترتیب دیا گیا جس کی رو سے بارہ سال کی مدت میں طالب علم داعی اسلام کا سرٹیفیکٹ حاصل کرے گا۔ رپورٹ میں وضاحت کی گئی ہے کہ ان اسلامی اسکولوں کو حکومت نے منظوری دیدی ہے اور ان کی اسناد کو بعض سرکاری تعلیمی اداروں کے مساوی تسلیم کیا ہے اسی طرح لیبریا کی اسلامی تنظیموں کو بھی حکومت کی منظوری حاصل ہے۔ واضح رہے کہ ان تنظیموں کے تیار کردہ غیر سرکاری اعداد وشمار کے مطابق لیبریا میں مسلمانوں کی تعداد دس لاکھ نواسی ہزار ہے جو وہاں کی کل آبادی کا نصف حصہ ہے ملک میں مسلمانوں کو اپنے عائلی معاملات میں خود مختار اور آزادی حاصل ہے جس سے وہ پوری طرح مستفید ہوتے ہیں۔

مفکر اسلام حضرت مولانا عبدالکریم پاریکھ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

میں اس وقت جناب پوپ پال صاحب، صدر بش اور ساری دنیا کے عیسائی بھائیوں اور یہودی عوام سے ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں مختلف مذاہب کی مذہبی کتابیں ہیں ان سب سے عرض کرتا ہو کہ قرآن مجید کی بے حرمتی کا جو واقعہ پیش آیا ملکوں بلکہ ساری دنیا میں اس کا چرچا ہے اس کی تفصیل بتانے کی ضرورت نہیں، جو چیزیں بتانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ قرآن کی بے ادبی جن لوگوں نے کی ہے ان لوگوں نے اگر قرآن کو پڑھا ہوتا تو یہ حرکت ہرگز نہ کرتے، قرآن میں آپ دیکھیں گے کہ حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم کی تعریف کن الفاظ میں کی گئی ہے اسی قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کی بھی توصیف بیان کی گئی ہے یہ صرف قرآن ہی کی توہین نہیں ہے بلکہ قرآن کے ساتھ ہی انجیل، تورات اور زبور کی بھی بے حرمتی ہے۔

قرآن کہتا ہے: ''اور انجیل والوں پر لازم ہے کہ جو کچھ اللہ نے انجیل میں حکم نازل فرمایا ہے اسی کے مطابق فیصلہ کریں اور جو شخص بھی اللہ کے نازل کئے فیصلہ کے مطابق نہ کرے یا نہ مانے تو بس یہ لوگ فاسق ہیں یعنی بڑے ہی بے ڈھنگے نافرمان بے حکم لوگ ہیں۔'' (مائدہ:۴۷)

جو انجیل کو نہیں مانتا اس کو قرآن فاسق (نافرمان) کہتا ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کو کوئی مسینجر آف گاڈ نہ مانے تو قرآن اس کو بھی جھوٹا کہتا ہے، قرآن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی اللہ کا نبی مانتا ہے اور تورات کی بھی تصدیق کرتا ہے۔ ''بے شک تورات بھی ہم نے نازل کی تھی، جس میں ہدایت اور نور تھا اسلام لانے والوں پر اور یہودی بن جانے والوں پر اللہ کے نبیوں نے اسی کتاب کا فیصلہ لاگو کیا اور تمام

خداپرست درویش اور عالم لوگ بھی اسی کتاب کے پابند بنائے گئے تھے اس لئے کہ یہ سب کے سب اللہ کی کتاب کی حفاظت کے ذمہ دار اور اللہ کے حکم کو جاری کرنے کے گواہ بنائے گئے تھے۔ (مائدہ:۴۴)

اتنی ہی نہیں بلکہ میں دنیا کے انسانوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ تورات، انجیل، زبور میں جو احکامات ہیں اور ان احکامات میں ہیرا پھیری اور تبدیلی نہیں ہوئی ہو تو چاہے وہ مذہبی قسم کے ہوں چاہے وہ احکامات عدلیہ سے تعلق رکھتے ہوں اس کی بھی قرآن نے تصدیق کی ہے اس کے لئے کچھ آیتیں دیکھئے۔

''اور ہم نے (تورات میں) ان پر حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا بدلہ بھی اسی طرح دیا جانا چاہئے، پھر جس نے بدلہ لینے کے حق میں صدقہ کر دیا یعنی معاف کر دیا تو مارنے والے کو چھوڑا جا سکتا ہے اور جو کوئی اس حکم کو لاگو نہ کرے جو اللہ نے نازل فرمایا ہے تو ایسے لوگ ظالم ہیں''۔ (مائدہ:۴۵)

یہ حکم قرآن میں جوں کا توں موجود ہے جب کہ یہ حکم تورات میں نازل ہوا تھا، اس کے معنی تو یہی ہوئے کہ یہ بے حرمتی صرف قرآن ہی کی نہیں بلکہ تورات کی بھی بے حرمتی ہوئی، مزید یہ کہ حضرت محمد نبی ﷺ کی احادیث کے اندر بھی خون کے ہر جانے کا حکم بھی وہی ہے جو تورات کے اندر تھا اور خود عیسائی بھائیوں کے لئے بھی قرآن فرماتا ہے۔ ''اور دوستی میں ایمان والوں سے زیادہ قریب تم ان لوگوں کو پاؤ گے جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں اس لئے کہ ان میں سمجھ دار عالم اور درویش لوگ موجود ہیں اور یہ اپنی بڑائی نہیں ہانکتے''۔ (مائدہ:۸۲)

ساری دنیا کو یہ بات صرف قرآن میں ملے گی کہ دنیا میں جتنی آسمانی کتابیں نازل کی گئی ہیں ان میں جن کے نام مشہور ہیں وہ قرآن، انجیل، تورات، زبور،

صحف ابراہیم ہے، نیز انبیاء یعنی اللہ کے رسولوں میں جن کے نام انجیل، تورات، زبور میں آئے ہیں قرآن نے ان سب کی تصدیق کی ہے۔

''آپ سے پہلے بہت سے رسول ہم بھیج چکے ہیں ان میں کچھ تو وہ ہیں جن کے احوال ہم نے آپ ﷺ پر بیان کر دیئے اور بہت سے وہ رسول ہیں جن کے واقعات ہم نے آپ پر بیان نہیں کئے''۔ (مومن:۷۸)

قرآن مجید اگر اس اطاع کو بیان نہ کرتا تو آسمانی کتابیں اور آسمانی دین ہر زمانے میں جب جب زمین کے انسانوں کی ہدایت کے لئے آیا اس کی تصدیق نہیں ہو سکتی تھی اس لئے قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ ''اور یہ کتاب ہم نے آپ ﷺ پر حق کے ساتھ نازل فرمائی ہے جو اپنے سے پہلے آنے والی کتابوں کو سچا کر دکھاتی ہے اور ان سب کتابوں پر نگہبان اور محافظ ہے تو بس اب ان کے درمیان اللہ کی نازل کی ہوئی اسی کتاب یعنی قرآن کے مطابق فیصلہ کرو جب کہ تمہارے پاس کھلا ہوا حق آچکا ہے اور ان کی کسی خواہش کو قبول نہ کرو''۔ (مائدہ:۴۸)

''اے محمد ﷺ آپ اعلان کر دو کہ اللہ نے کتاب میں جو بھی نازل فرمایا ہے میں سب پر ایمان لایا''۔ (الشوریٰ:۱۵)

لوگ اس بات کو مان لیں کہ قرآن مجید کی بے ادبی کرنا انجیل، تورات، زبور اور سب آسمانی کتابوں کی بے ادبی کرنا ہے اور اللہ کے تمام نبیوں اور رسولوں کی بے ادبی کرنا ہے اس لئے چاہے مسلمان ہو یا عیسائی ہو، اسرائیلی ہو یا پھر یہودی ہو، صابی، ہو مجوسی ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور ہو ان پر لازم ہے کہ ہم کسی بھی آسمانی کتاب کی اور اللہ کے کسی نبی کی بے ادبی سے باز رہیں۔ سبھی آسمانی کتابوں کی دعوت ایمان اور اسلام کی رہی، سبھی نبیوں اور رسولوں کا دین ''اسلام'' ہی رہا،

تب عیسیٰ مسیح علیہ السلام سے کہا حواریوں نے ہم ہیں اللہ کے مددگار، ہم ایمان لائے اللہ پر اور تو گواہ رہ کہ ہم نے اسلام قبول کیا''۔ (آل عمران:۵۲)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت بھی اسلام کی تھی، حضرت ابرہیم علیہ السلام بھی اعلان کرتے ہیں: اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْن اور یہ بیان بھی آیا ہے کہ تورات سے پہلے اور بعد آنے والے جتنے بھی نبی تھے وہ سب کے سب اسلام کی طرف ہی دعوت دینے والے تھے۔

نیز حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جن پر آخری کتاب یعنی قرآن اتارا گیا انہوں نے بھی اسلام اور مسلم ہونے کی دعوت دی، اب یہ سمجھنا کچھ مشکل نہ رہا کہ موجودہ دور کے مسلمان چاہے اسلام کو پورے طور پر نہ جانتے ہوں یا اسلام کے اصولوں پر وہ عمل میں کمزور ہوں تب بھی کسی بھی آسمانی کتاب والے کے لئے یہ جائز نہیں کہ مسلم دشمنی میں وہ قرآن کی بے ادبی کریں۔

مسلمانوں سے میری یہ درخواست ہے کہ وہ قرآن کی تعلیمات کو دنیا میں عام کریں تا کہ قرآن دشمنی کا جو ماحول بن گیا ہے، کچھ ہماری غفلت کی وجہ سے اور کچھ دوسروں کی بے خبری اور زیادتی کی وجہ سے اسے ختم کیا جا سکے۔ مجھے امید ہے میری گذارشات کو اسی فریم کے اندر دیکھا جائے گا کہ انسانوں کی ہدایت کے لئے اللہ نے آسمانی کتابیں نازل فرمائی اور کسی بھی آسمانی کتاب کی بے حرمتی کرنا اللہ کے عذاب کو دعوت دینے والی بات ہے۔ امریکی عوام اور حکام سے میری اپیل ہے کہ اس معاملے میں بہت سخت نوٹس لیں اور ایسا طریقہ اختیار کریں کہ دنیا کے کسی بھی علاقے میں نہ صرف قرآن کے بارے میں بلکہ انجیل، تورات، زبور کسی بھی آسمانی کتاب کے بارے میں کوئی بھی ایسی حرکت نہ کر سکے۔

محبت حال ہے یا مقام ہے

امام سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک محبت حال بھی ہے اور مقام بھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ محبت کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) محبت عام (۲) محبت خاص

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

محبت عام: بعض مشائخ نے محبت کو روحانی مقامات میں شامل کیا ہے ایسی صورت میں اس سے مراد وہ عام محبت ہے جس میں انسان کی تدبیر اور کوشش کو دخل حاصل ہو۔ (عوارف المعارف)

محبت خاص: محبت ذات ہے جو مشاہدہ روح سے پیدا ہوتی ہے اور اسی محبت میں سکرات لاحق ہوتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندے پر احسان او رعنایت ہے اس کا تعلق احوال سے ہے کیونکہ یہ محض عطیہ خداوندی ہے۔ اس میں تدبیر اور کوشش کا کوئی دخل نہیں۔

کسی نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ حضرت گانا سننے سے محبت بڑھتی ہے آپ نے فرمایا صحیح ہے محبت بڑھتی ہے لیکن یہ محبت مقبول نہیں۔ (ماہنامہ الخیر: جنوری ۱۹۹۶ء)

فرمایا عاشق کو اس سے بحث نہیں ہوتی کہ میرے عمل پر کچھ ثمرہ مرتب ہوا یا نہیں۔ وہ تو محض محبت کی وجہ سے محبوب کی خدمت و اطاعت کرتا ہے چاہے کامیابی ہو یا ناکامی۔ (کمالات اشرفیہ، ص:۴۷)

اللہ کا محبوب بننے کی ترکیب

فرمایا اللہ تعالیٰ کے محبوب اور محبّ بننا چاہتے ہو تو اعمال میں ہمت کر کے شریعت کے پابند رہو۔ ظاہراً بھی اور باطناً بھی اور اللہ اللہ کرو اور کبھی کبھی اہل اللہ کی صحبت میں جایا کرو اور وہ جو کتابیں بتائیں ان کو پڑھا کرو۔ (ایضاً، ص:۸۰)

تعلق مع اللہ بڑی دولت ہے

فرمایا: حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر فرمایا تھا (جس سے حضرت کا عشق معلوم ہوتا ہے کہ اگر میرے پاس ایک چیز نہ ہوتی تو میں ہلاک ہوجاتا۔ دریافت کیا گیا حضرت وہ کیا چیز ہے؟ فرمایا وہی چیز جس کی وجہ سے تم مجھ کو بڑا سمجھتے ہو۔ میں اس سے یہ سمجھا کہ اس سے مراد تعلق مع اللہ ہے۔ (الافاضات الیومیہ جلد۳،ص:۲۲۶)

حُبِّ عقلی اور حُبِّ عشقی

فرمایا: مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ حب عقلی کو افضل فرماتے تھے اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حب عشقی کو اور حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب تطبیق دی ہے مجھ کو تو وجد ہوگیا کہ حیات میں تو حب عقلی افضل ہے اور مرنے کے وقت حب عشقی۔ (الافاضات الیومیہ: ج۳،ص:۲۲۶)

جنات کی پیدائش اور ابلیس کا رول

قاضی مجیدالدین ضبطی نے تاریخ المقدس والخلیل میں آیت: وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ. کی تفسیر کے سلسلہ میں حضرت وہب بن منبہ سے یہ روایت نقل کی ہے۔

''اللہ تعالیٰ نے نارِسموم پیدا کیا اور یہ ایسی آگ تھی جس میں دھواں نہ تھا، اس آگ سے اللہ تعالیٰ نے جن کو پیدا کیا۔ اور اللہ کے قول: وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ. کے یہی معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس جان سے ایک عظیم مخلوق پیدا فرما کر اس جان کو مارج رکھا اور اس کے لئے ایک بیوی مرجہ نام کی

پیدا فرمائی اس طرح اس ایک جوڑے سے جنات کی افزائش نسلی ہوئی اور پھر قبیلے کے قبیلے بن گئے۔

جناب میں آٹھ سو نبی ہوئے

حضرت کعب احبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ان جنات اور شیاطین کی تعداد سینکڑوں ہوگئی اور انہوں نے زمین پر فتنہ وفساد پھیلانا شروع کردیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لئے ایک نبی کو بھیجا اور یہ سب سے پہلے نبی تھے جن کا نام عام بن عمیر بن الجان تھا۔ لیکن جنات نے ان کو قتل کردیا۔ ان کے بعد دوسرے نبی ضائق بن مائق ارد بن الجان کو مبعوث کیا گیا ان کو بھی جنات نے شہید کردیا۔ اسی طرح لگاتار ۸۰۰ نبی جنات میں مبعوث کئے گئے اور تمام کے تمام ان کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ یہ ۸۰۰ نبی ۸۰۰ سال میں بھیجے گئے یعنی ہر سال اللہ تعالیٰ نے ایک ایک نبی مبعوث فرمایا لیکن جنوں کی سرکشی اور بدکاری کا خاتمہ نہ ہوسکا۔ (الانجمی الجلیل)

۸۰۰ سال کی لمبی مدت میں جب جنات سرکشی اور بدکاری سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے پہلے آسمان پر رہنے والے جنات کو زمین پر رہنے والے جنات کے قتل عام کیلئے بھیجا اور اس لشکر کا امیر ابلیس کو بنایا اور حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

جنات کا قتل

''غرض جنات نے جب نبیوں کے احکامات کی خلاف ورزی کی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے آسمان پر رہنے والے جنات کو حکم دیا کہ تم زمین پر جاکر وہاں رہنے والے جنات کو قتل کردو اور ابلیس کو اس لشکر کا امیر مقرر کیا۔ ابلیس کی اس فوج نے زمین پر آنے کے بعد قتل عام شروع کردیا۔ جنات بھاگ پڑے ایک مقام پر

پناہ گزیں ہوگئے لیکن وہاں آگ آ کران کو جلا گئی۔اس طرح زمین پر ابلیس اور اس کی فوج آباد ہوگئی۔ابلیس نے اس مرتبہ اللہ تعالیٰ کی اس قدر عبادت کی کہ اس سے پہلے شاید کبھی نہ کی تھی''۔

اب ابلیس کا مسکن زمین ہوگیا اور یہاں اس نے اللہ تعالیٰ کی اس قدر عبادت کی کہ زمین کا کوئی گوشہ ایسا نہ چھوڑا جہاں اس نے سجدہ نہ کیا ہو۔اس کی یہ عبادت وریاضت دیکھ کر فرشتے حیرت میں پڑ گئے۔اور فرشتوں کی سفارش پر ابلیس کو آسمان پر بلا کر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں میں شامل کرلیا۔پھر رضوان علیہ السلام کی سفارش پر جنت میں بھی ابلیس کا داخلہ ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ سے ابلیس کا سوال

ابلیس کے ہاتھوں زمین پر جنات کے قتل عام کے بعد کچھ جنات روپوشی کی وجہ سے بچ گئے اور دھیرے دھیرے پھر ان کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔یہاں تک کہ پھر سینکڑوں کی تعداد میں ہوگئے۔اور پھر وہی فتنہ وفساد زمین پر برپا کیا۔فرشتہ اور ابلیس ان جنات کے حالات سے باخبر تھے۔ابلیس نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ مجھے ان شریر اجنہ کی ہدایت کے لئے پھر زمین پر جانے کی اجازت مرحمت فرمائیں تو اجازت ربانی.....سے ابلیس فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ پھر سے زمین پر وارد ہوگیا اور اس بار اس نے اس شدت سے جنات کا قتل عام کیا کہ تمام اجنہ سے زمین پاک ہوگئی اور بہت تھوڑے پہاڑوں وغیرہ میں چھپ کر ابلیس اور اس کے ساتھیوں سے جان بچا سکے۔عجائب القصص میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ ابلیس نے لوح محفوظ پر **اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم** لکھا ہوا دیکھا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا کہ اے اللہ! یہ شیطان الرجیم کون ہے؟حکم ربانی ہوا

کہ ہمارا ایک بندہ ہے اور عنقریب یہ اپنے غرور اور تکبر کی وجہ سے ذلیل وخوار ہوگا۔ابلیس نے کہا اے اللہ مجھے اس کی صورت دکھا دے تا کہ میں اس کو قتل کردوں۔حکم ربی ہوا کہ عنقریب تو اس کو دیکھ لے گا۔

اس کے بعد شیطان کا یہ معمول بن گیا کہ وہ ہر عبادت کے بعد شیطان پر لعنت بھیجتا۔لیکن دھیرے دھیرے اسے اس بات پر فخر محسوس ہونے لگا کہ اس نے تمام دنیا کو اجنہ سے پاک کردیا ہے اور پھر فخر بڑھتے بڑھتے غرور وتکبر بن گیا اور ابلیس اپنی ہستی کو مافوق الفطرت سمجھنے لگا۔اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے۔ادھر ابلیس کے دل میں یہ خیال آیا ادھر اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کو حکم ہوا۔

اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ طِیۡنٍ فَاِذَا سَوَّیۡتُہٗ فَنَفَخۡتُ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَہٗ سٰجِدِیۡنَ. (ص ۷۲)

ترجمہ:''میں مٹی سے ایک آدمی پیدا کرنے والا ہوں جب اس میں روح پڑ جائے تو اس کو سجدہ کرنا''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نصیحت

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک درخواست کی کہ آپ رضی اللہ عنہ مجھے کوئی نصیحت کریں اور یہ نصیحت طویل نہ ہو بلکہ مختصر ہو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب لکھ کر روانہ کیا۔میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کو راضی کرنے قوم اور ملت کی خدمت میں لگا رہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس شخص کے دل سے غم دور کردے گا اور اگر لوگوں کو خوش کرنے خدا تعالیٰ کی رضا سے بے فکر رہا تو اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے شخص کو انہیں کے حوالے کردے گا اور وہ اس سے کبھی خوش نہیں ہوگا۔

سکون قلب کیوں نہیں

برزگواور دوستو! اگر آپ غور کریں تو آپ کو اس دور میں ہر شخص مضطرب اور پریشان نظر آئے گا ۔ جسے دیکھیں اسے روزگار کی عزیز واقارب کی اور دوست احباب کی شکایت کرتا ہوا پائیں گے کسی کو سکون اور راحت حاصل نہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس دور کا سب سے بڑا مسئلہ نہ جمہوریت ہے اور نہ حقوق ہے نہ معاشی مسائل ہیں بلکہ سب سے بڑا مسئلہ دل کا سکون اور اطمینان کا فقدان ہے حالانکہ آج کے انسانوں کو راحت اور آسائش کے وہ وسائل اور سامان حاصل ہیں جن کا اس کے آباواجداد نے کبھی تصور بھی نہ کیا ہوگا۔ چنانچہ مضطرب اور بے قرار انسان نے دل کا سکون حاصل کرنے کے لئے بے شمار غلط راستے اختیار کئے لیکن اسے سکون نہ مل سکا کسی نے سوچا کہ یہاں تو ایک لمحہ کا سکون نہیں عبدالرحمٰن اموی اسپین میں پچاس برس تک مطلق العنان بادشاہ کی حیثیت سے حکومت کرتا رہا جب دنیا سے رخصت ہوا تو لوگوں نے سنا وہ کہہ رہا تھا کہ میں نے اپنی پوری زندگی میں صرف چودہ دن سکون کے دیکھے ہیں کوئی سمجھتا ہے سکون دولت کی کثرت سے ملتا ہے لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ بڑے بڑے سرمایہ داروں کا یہ حال ہے کہ انہیں کاروباری اور دوسری پریشانیوں کی وجہ سے رات کو گولی کے بغیر نیند نہیں آتی کسی کا خیال ہے کہ اگر انسان کی جنسی خواہشات پوری ہوجائیں تو اسے سکون مل سکتا ہے چنانچہ یورپ میں جنسی خواہشات کے لئے زنا عام کردیا گیا زنا کاری اور لواطت کو قانونی تحفظ دیا گیا باہمی رضامندی سے جب چاہیں جس سے چاہیں زنا ہوسکتا ہے بیویوں کا آپس میں تبادلہ ہوسکتا ہے عورتیں کرائے پر مل جاتی ہیں یہ تمام ذرائع انسان کو حقیقی سکون نہیں دے سکے اور انسان سکون کی تلاش میں دیوانوں کی طرح مارا مارا پھر رہا ہے اب خدا کی

طرف سے پکار آتی ہے میرے بندے تو نے دولت کے انبار لگائے مگر تجھے سکون نہ مل سکا تو نے فحاشی عریانی بدکاری کی انتہا کردی مگر تجھے سکون نہ مل سکا تو نے ساغر اور مینا شراب ہیروئن چرس اور بھنگ کا استعمال کر کے دیکھا مگر تجھے سکون نہ مل سکا تو نے نت نئے فیشن اختیار کئے مگر تجھے سکون نہ مل سکا اے بھولے بھٹکے ہوئے انسان میرے دروازے پر آ میں تیرا رب ہوں میں تیری ضروریات کا مالک ہوں میں تجھے حصول سکون کا راستہ دکھاؤں گا یہ چیزیں تجھے سکون نہیں دے سکتیں اے ظالم اور جاہل انسان تو بھی کتنا پاگل ہے انگاروں پر بیٹھا ہے اور چاہتا ہے کہ مجھے ٹھنڈک نصیب ہوگی گندگی کے ڈھیر پر بیٹھ کر چاہتا ہے کہ تجھے خوشبو کے دلنواز جھونکے آئیں کانٹوں پر بستر بچھایا ہے اور چاہتا ہے کہ تجھے چبھن نہ ہو تیل چھڑک کر تیلی جلاتا ہے اور چاہتا ہے کہ آگ بھی نہ جلے۔ اپنے خالق و مالک کو بھلا رکھا ہے اور چاہتا ہے کہ مجھے پریشانیاں بھی نہ آئیں او میرے پاگل بندے تجھے سیم وزر کی چھنا چھن سکون دے سکتی ہے نہ تخت وتاج تیرے دل کے اضطراب کو دور کرسکتا ہے نہ رقص وسرور اور میوزک تیری قلبی بیماریوں کا علاج ہے نہ زنا کاری اور فحاشی تجھے مطمئن رکھ سکتی ہیں اگر تجھے سکون ملے گا تو میری چھاؤں میں ملے گا میرے ذکر کی خوشبو سے ملے گا۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد ۲۸)

تمہیں دل کا سکون اور سچی خوشی اللہ کے ذکر کے بغیر کبھی حاصل نہیں ہوسکتی۔ جب تک گناہوں کو نہیں چھوڑو گے تمہاری پریشانیاں کبھی دور نہ ہوں گی۔

آیئے! ہم آج عہد کریں کہ آج کے بعد ہم کبھی بھی زندگی کے کسی شعبہ میں بھی شریعت کی مخالفت نہیں کریں گے پھر دیکھئے ہمیں روکھی سوکھی روٹی میں وہ لذت نصیب ہوگی جو امراء کو مرغن غذاؤں میں نصیب نہیں ہوتی۔ ہمیں گھاس پھوس کے بستر پر ایسی نیند آئے گی کہ اللہ کے باغیوں کو ریشم کے بستر پر بھی نہیں آتی۔

اللہ رب العزت ہمیں نافرمانی چھوڑ کر فرمانبردار بننے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین!

دل کی سختی کا علاج

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں شکایت کی کہ میرا دل بہت سخت ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ یتیموں کے سروں پر شفقت کے ساتھ ہاتھ پھیرا کرو اور مسکینوں کو کھانا کھلایا کرو (دل نرم ہوجائے گا)۔(مشکوٰۃ)

تشریح: کسی انسان کا دل کتنا ہی سخت کیوں نہ ہو لیکن ایک سلیم الفطرت کا دل کسی یتیم کو دیکھ کر بھر آتا ہے جب وہ یہ سوچتا ہے کہ جس طرح میں اپنی اولاد کا ایک مشفق اور مربی باپ ہوں اس کا بھی اسی طرح کا کوئی مشفق اور مربی باپ ہوگا جس کی شفقت سے آج یہ محروم ہے اگر اس نیت سے وہ کسی یتیم کے ساتھ رحم وکرم کا برتاؤ کرنے لگتا ہے تو قدرت آہستہ آہستہ اس کی قلبی سختی کو نرمی سے بدل دیتی ہے۔اس حدیث میں ایک طرف یتیم پر شفقت کی تعلیم ہے اور دوسری طرف اس شفقت کرنے والے کا ذاتی نفع بھی بیان کیا گیا ہے مگر آہ! افسوس کہ آج ہمارے مسلمان بھائیوں کے یتیم بچے ایک طرف عام مسلمانوں کی شفقت سے صرف محروم ہی نہیں ہوتے بلکہ ان کی بے رحمی کے شکار بھی ہوتے ہیں اسلام نے بیواؤں، یتیموں اور مساکین کی طرف بے حد توجہ کی ہے جب کہ دوسرے مذاہب میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہے۔

ڈاکٹروں نے ہر بیماری کیلئے من چاہے علاج گڑھ رکھے ہیں مگر کیا ہے کہ کوئی جس کو قلبی قساوت یعنی دل کی سختی کا علاج معلوم ہو؟ یہ صرف رسول اللہ ﷺ کا احسان ہے کہ آپ نے اس لاعلاج مرض کی دوا تجویز کی اور وہ بھی ایسی کہ جو ایک

طرف تو مفت اور بے خطا ہے اور دوسری طرف یتیموں کی شیرازہ بندی اور پرورش کا ایک باعزت اور مضبوط نظام ہے باعزت اس لئے کہ اس نظریہ میں یتیم سے زیادہ خود اس کا فائدہ ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

مدارس اسلامیہ میں دینی انحطاط کا سبب

یہ صحیح ہے کہ اخلاص ہر چیز میں اپنا اثر ضرور ظاہر کرتا ہے، دیر سویر سہی اس کا شجر بالیقین تناور پھر ثمر آور ہوتا ہے، بلاشبہ اس کے نتائج روشن اور عمدہ ہوتے ہیں، اس کے ساتھ کمیت وکیفیت کے کوئی معنی نہیں، وہ دور کیسا حسین دور وہ عہد کیسا زریں عہد تھا جس میں بانیان مدارس حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر پاک باز، خدا ترس لوگ حالات کے تقاضے، مسلمانوں کی فلاح وبہبود اور اسلامی تشخص کے وجود وبقا کی فکر میں ڈوب کر قیام مدارس کے لئے سوچا کرتے تھے، اللہ اللہ قوم کے تئیں کتنے بے لوث ومخلص، کیسا پاکیزہ جذبہ، کس قدر سچی تڑپ اور کیسی سچی لگن رہی ہوگی، کیا کسی باپ میں کسی جگر گوشہ سے اس قدر اپنائیت وتعلق کا جذبۂ صادق ہوگا جو ان نفوس قدسیہ کو نہ صرف اپنے قائم کردہ مدارس سے بلکہ سارے ہی مدارس سے رہا ہوگا، آج کی اس دنیوی حرص وہوس، خودغرضی اور مفاد پرستی کے دور میں وہ نیک جذبات اب کوئی کہاں سے لائے وہ اخلاق کا تاج محل منہدم ہوئے صدیاں بیت گئیں اس کے ملبے تلے دبے ہوئے ایثار وبے نفسی، صدق ودیانت، چراغ سحر گاہی کی طرح کسی طوفان کے منتظر ہیں، خدا نہ کرے اس طوفان سے آشنائی ہو لیکن موجودہ حالات کے تناظر میں ممکنہ خطرات سے اطمینان نہیں، دراصل آج ایک بات کہنی ہے بات بھی حقیقت سراپا حقیقت اور حق کی تلخیوں سے کون انکار کرسکتا ہے، اس لئے ممکن ہے کسی کو اس تلخ نوائی سے نشتر لگے لیکن اس کی مرہم پٹی کا

میرے پاس اس کے سوا کوئی معقول نظر نہیں آیا کہ وہ میرے ساتھ اس حقیقت پسندی میں شریک وسہیم ہوتا ہم اطمینان اس کا ہے کہ یہ اس خاک سار کا فرمودہ نہیں کہ اللہ مدارس کے تئیں بدگمانی اور منفی خیال قائم ہونے نہ دیجئے۔

تلخ حقیقت

یہ خدا لگتی بات علامہ مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مصنف احسن الفتاویٰ کی ہے جن کی عمر کے بیشتر بہاریں اسی دشت کی سیاحی میں خزاں ہوگئیں، بعض ارباب مدارس کی بے اعتدالی اور صدقات وزکوٰۃ میں بداحتیاطی نے ان کی پاکیزہ روح کو ایسا تڑپایا کہ بے ساختہ ان کے دل کے نہاں خانے سے آنکھیں کھول دینے والا یہ پیغام نکل آیا۔ ''اس دور میں دینی اقدار کے سقوط کا ایک نہایت ہی دردناک سانحہ یہ بھی ہے کہ دینی کاموں میں بالخصوص دینی مدارس کے لئے چندہ کرنے کا عام دستور یوں چل پڑا ہے کہ مدارس کے سفیر اہل ثروت کی دکانوں اور مکانوں پر جاجا کے خوشامد، تملق اور اصرار کے ساتھ دست سوال دراز کرتے ہیں، اہل ثروت ان کو ذلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں بلکہ بسا اوقات ان کے لئے نازیبا الفاظ استعمال کر کے ان کی تذلیل کرتے ہیں جو درحقیقت دین اسلام کی تذلیل ہے، یہ اتنا بڑا المیہ ہے کہ اس کے تصور سے ہی شرم سے آنکھیں جھک جاتی ہیں اور دل پر آرے چلنے لگتے ہیں، دین اور علمائے دین کی اس تذلیل وتوہین میں اہل مدارس اور اہل ثروت دونوں برابر کے مجرم ہیں۔ (احسن الفتاویٰ، جلد اول)

اس کے اسباب ومحرکات اور وجوہ وعلل کے بارے میں حضرت خود ہی فرماتے ہیں کہ اہل مدارس کی اس بے راہ روی اور دروازوں پر خاک چھاننے کی بنیاد تین چیزوں پر ہے:

(۱) کام شروع کرتے ہی اپنے ذہن میں لمبا چوڑا نقشہ مرتب کر لیتے ہیں کہ اتنے طلباء کے قیام وطعام کا انتظام کیا جائے گا، اتنے کمرے بنیں گے اتنی درسگاہیں ہوں گی، اتنے اساتذہ ہوں گے، اتنا بڑا کتب خانہ ہوگا حتی کہ سنگ بنیاد رکھے سے قبل ہی دارالعلوم اور جامعہ جیسے نام تجویز ہوجاتے ہیں، اب اتنی بڑی پلاننگ کے لئے سرمایہ موجود نہیں ہوتا تو اہل ثروت کے دروازوں پر بھیک مانگتے ہیں اور دین کو ذلیل کرتے ہیں۔

(۲) مدرسہ کو ایسا مقصود بنالیا جاتا ہے کہ اسکی حفاظت وبقا پر دین کو قربان کر دیا جاتا ہے، حالانکہ اصل مقصود دین ہے، مدارس حفاظت دین کا ایک ذریعہ ہیں پس ذریعہ کی حفاظت پر مقصود کو قربان کر دینا کتنا بڑا ظلم اور کیسی ناعاقبت اندیشی ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ پر توکل اور اعتماد کا فقدان اگر اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد ہوتا اور ''اَنَاعِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ'' کے مطابق اللہ تعالیٰ سے حسن ظن ہوتا تو اس کریم کے دروازے کو چھوڑ کر دنیاداروں کے دروازے پر دھکے نہ کھاتے۔ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ غیب سے وہ معاملہ فرماتے کہ اہل ثروت خود ہی ان کے دروازوں پر ناک رگڑتے۔

قابل تقلید اقدام

ایک شخص جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کے بانی ومہتمم حضرت مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بڑی رقم لے کر آیا اور کہا حضرت! میں یہ رقم آپ کے مدرسہ کے لئے لایا ہوں، مولانا نے جواب دیا کہ ہمارے مدرسے کا ایک سال کا خرچ پورا ہو چکا ہے۔ اس لئے آپ یہ رقم لے جائیں اور کسی ایسے مدرسے میں دے دیں، جو ہم سے زیادہ حق دار ہو اس نے پھر کہا اور اصرار کرتا رہا لیکن حضرت مولانا نہ مانے۔ آخر وہ اٹھ کر کھڑا ہوا اور جاتے وقت بولا حضرت! آپ کو اتنی زیادہ رقم

دینے والا کوئی نہیں ملے گا، اس پر حضرت نے جواب دیا اور تمہیں بھی اتنی بڑی رقم ٹھکرانے والا کوئی نہیں ملے گا۔

اللہ اللہ! استغنا وتوکل کا یہ عالم، آج کوئی سوچ سکتا ہے؟ اسی کا نتیجہ تھا کہ بڑی سے بڑی رقم قدموں پر نچھاور ہوتی تھی لیکن کوہ استغنا میں معمولی جنبش بھی نہیں ہوتی تھی، اگر وہ استغنا وتوکل ہمارے اندر بھی پیدا ہوجائے تو اہل ثروت آج بھی ہمارے مدرسوں کے چوکھٹوں پر ناک رگڑنے پر مجبور ہوجائیں گے، کیا یہ صحیح نہیں کہ ان دنوں چند لوگوں کی بدولت کچھ مدارس مشن نہیں بلکہ تجارت، تحریک نہیں بلکہ تلبیس، تبلیغ نہیں بلکہ تملیک کا ذریعہ بن گئے ہیں اور تجارت ہی کی وہ ذہنیت ہے جو سوبھینس بنالیتی ہے خودغرض ومفاد پرستی ہی کی وہ لت ہے جس نے کئی فرضی مدارس قائم کرلئے، ذاتی رنجش وعداوت ہی کا وہ روگ ہے جس نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنالی، مال وزر ہی کی وہ ہوس ہے جس نے اپنے ذاتی مکان میں ''جامعہ اسلامیہ'' کا سائن بورڈ لگوادیا اور اس کے نام پر رسید چھپوا کر جہاں دیدہ بن گئے، تنگ وتاریک حجرہ کو مکتب، مکتب کو مدرسہ اور مدرسہ کو دارالعلوم اور جامعہ کا نام دیدینا یہ بائیں ہاتھ کا کھیل ہے جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے اور مسکین صورت بنا کر مدرسہ کے طلبا کی غریبی ونا داری، یتیمی، مفلسی کی ایسی دردناک تصویر پیش کرنا کہ سننے والا سنے تو اس کی آنکھیں بھر آئیں اور اس کا دل موم ہوجائے، جہاں یہ جالب سیم وزر میں مقناطیس کا اثر رکھتا ہے وہیں اسلام کی بھونڈی تصویر بھی پیش کرتا ہے لیکن افسوس کہ عموماً اس فرضی بپتا سنانے والے کی نگاہ سننے والے کی جیب پر ہوتی ہے، بات کچھ تلخ ہوتی جارہی ہے لیکن:

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

خدا مجھے معاف کرے، میں خود ایک مدرسے کا نمک خور ہوں اور اس کا ایک ادنی سا خادم ہوں، اس سے قبل دس پندرہ سال کا معتد بہ حصہ انہی مدرسوں کی چہار دیواری میں گذار دیا، انہی خرقہ پوشوں کے خوان علم کا ریزہ چیں اور انہی مدارس کی جو قلابازیاں، انقلابی صورت حال، نشیب وفراز اور مدوجزر دیکھنے کو ملے وہ تا ہنوز لوح قلب پر نقش ہیں اور وہی رس رس کے ان نقوش وحروف کی شکل میں دکھائی دیتے ہیں۔

مخارج مسوڑھوں سے بھی ادا ہوسکتے ہیں

فرمایا: مخارج تو مسوڑھوں سے بھی ادا ہوسکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے دانت نہ رہے تھے۔ مگر قرآن شریف پڑھنے کے وقت یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دانت نہیں ہیں۔ عمر اسی سال کی تھی۔ ایک صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا تھا کہ حضرت دانت بنوالیجئے۔ فرمایا کیا ہوگا دانت بنوا کر پھر بوٹیاں چبانی پڑیں گی۔ اب تو لوگوں کو رحم آتا ہے نرم نرم حلوہ کھانے کو ملتا ہے حضرت بڑے ہی ظریف تھے۔ (الافاضات الیومیہ: جلد۲، ص۶۶)

۳۷- ذکر جہر میں ریاء نہیں ہوسکتا

فرمایا: حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ذاکر کے اس شبہ پر کہ اس ذکر جہر میں ریاء ہے یہ جواب فرمایا تھا کہ ذکر جہر میں تو سب دیکھ رہے ہیں کہ اللہ اللہ کررہے ہیں اور ذکر خفی میں گردن جھکائے بیٹھے ہیں۔ دیکھنے والے سمجھتے ہیں کہ نہ معلوم لوح وقلم عرش وکرسی کی سیر کررہے ہیں تو اس حساب سے ذکر خفی میں ذکر جہر سے زیادہ ریاء ہے۔ (الافاضات الیومیہ: جلد۲، ص:۱۱۲)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بکری کے بچہ کا واقعہ سنایا۔ فرمایا کہ بکریوں کے ریوڑ میں ایک بچہ تھا جس کو اس کی ماں دودھ پلا کر اس کا پیٹ بھرتی اور پرورش کرتی تھی۔ ایک دن وہ بچہ اپنی ماں سے علیحدہ ہوگیا (بھوکا پریشان پھرتا رہا) تو اس کے بعد اس کو تمام بکریوں نے دودھ پلایا لیکن وہ پھر بھی شکم سیر نہیں ہوا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ مثال ان لوگوں کی ہے جو بعد میں آئیں گے کہ ان میں سے ہر ایک شخص کے پاس اتنا مال ہوگا کہ وہ پورے ایک قبیلہ اور ایک جماعت کے لئے کافی ہوسکتا ہوگا۔ لیکن اس کے باوجود وہ یہی کہے گا کہ میرا اس میں بھلا نہیں ہوتا''۔

عصائے موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیات

بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے عصائے موسیٰ علیہ السلام کو تین وصف عطاء کئے تھے۔ (۱) حَیَّۃٌ (۲) جانٌ (۳) ثُعْبَانٌ کہ وہ عصا دشمنوں کے لئے حَیَّۃٌ (سانپ) تھا اور موٹا ہونے کے اعتبار سے ثُعْبَانٌ (اژدہا) تھا اور حرکت ورفتار کے اعتبار سے جَانٌّ (ہلکا پھلکا سانپ) تھا۔

فرقدا السنجی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سانپ کے دونوں جڑوں کے درمیان چالیس گز کا فاصلہ تھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی زمین پر ڈالی تو وہ زرد اور سرخ رنگ کا سانپ بن گیا۔ جس کا منہ کھلا ہوا تھا۔ اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان کا فاصلہ اسی گز تھا اور یہ تقریباً زمین سے ایک میل دور اپنی دم کے سہارے کھڑا تھا جس کا نیچے والا ہونٹ زمین پر پڑا تھا اور اوپر والا فرعون کے محل کی دیوار پر تھا۔

حیاۃ الحیوان کے مصنف فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا اور وہ فوراً اژدہا بن گیا تو اس نے لوگوں پر حملہ شروع کردیا۔ بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ اس نے فرعون پر بھی حملہ کردیا جس کی بنا پر وہ تخت شاہی سے اٹھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔

بہرحال اس نے لوگوں پر حملہ شروع کردیا تو لوگ بری طرح گھبرا گئے۔ چیخنے چلانے لگے جن میں سے تقریباً پندرہ ہزار تو اس کی دہشت کی وجہ سے وہیں مرگئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کے بارے میں حق تعالیٰ کو یہ جواب دیا تھا کہ میں اس پر سہارا لگاتا ہوں اور بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور تیسری بات آپ نے یہ فرمائی تھی وَلِیَ فِیْھَا مَاٰرِبُ اُخْرٰی (طٰہٰ ۱۸) کہ اس سے میرے اور بھی کام نکلتے ہیں۔ مثلاً کندھے پر رکھ کر اپنے اسباب وسامان (کھانے پینے کو لٹکا لینا یا موذی جانوروں کو دفع کرنا وغیرہ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے اس عصا سے بہت سے کام لیا کرتے تھے مثلاً موذی جانوروں سے حفاظت کا کام اس سے ہی لیتے تھے اور اگر کوئی دشمن سامنے آجاتا تھا تو اس کے واسطے بھی یہی کام میں آتا تھا اور اگر کہیں کنویں سے پانی کھینچنے کی ضرورت پڑتی تو وہاں بھی اسی کو استعمال کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اگر آپ کی طبیعت پھل کو چاہتی تو آپ اس عصا کو زمین پر گاڑ دیتے تو اس پر فوراً شاخیں نکلتیں پھر اس کے بعد عصاء پھل دینے لگتا۔ نیز آپ رات کو روشنی کا کام بھی اسی سے لیتے تھے۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شان

فرمایا: مکہ معظّمہ میں حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فلاں جگہ مولود شریف ہے چلتے ہو؟ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے

صاف انکار کر دیا نہیں حضرت میں نہیں جا سکتا کیوں کہ میں ہندوستان میں اس کو منع کیا کرتا ہوں لوگ سند پکڑیں گے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شان دیکھئے فرمایا: جزاک اللہ! میں تمہارے جانے سے اتنا خوش نہ ہوتا جتنا کہ نہ جانے سے خوش ہوا۔ اور اگر کوئی پیر ہوتا تو سمجھتا کہ مریدی سے خارج ہو گئے۔ اس سے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مذاق معلوم ہو سکتا ہے کہ مولود میں نہ جانے کو پسند فرمایا۔ پھر خود تشریف لے گئے۔ اس قول اور فعل سے دونوں فریق اپنا اپنا مدعا ثابت کر سکتے ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا عجب رنگ تھا۔ تصوف غالب تھا۔ فرمایا کرتے تھے ہر شخص مجھ کو اپنا ہم رنگ سمجھتا ہے حالانکہ میرا کوئی رنگ نہیں۔ (حسن العزیز جلد ۱، ص ۱۷۲)

قلب جاری ہونا

فرمایا: انبہٹہ کے ایک صاحب منشی تجمل حسین، حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ ان کی عادت تھی کہ درویشوں سے بہت ملتے تھے۔ ادھر ادھر مارے مارے پھرتے تھے۔ ان کی بی بی نے ایک دفعہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے شکایت کی۔ مولانا نے فرمایا کیوں ادھر ادھر پھرتے ہو؟ عرض کیا کہ اس میں شک نہیں کہ ہمارے حضرات کے برابر کوئی کامل نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے سب کچھ موجود ہے لیکن میرا جی چاہتا ہے کہ میرا قلب جاری ہو جائے اسکی فکر میں ادھر ادھر پھرتا ہوں۔

مولانا نے فرمایا کہ اس میں کیا رکھا ہے؟ عرض کیا کہ یہ میں خوب جانتا ہوں کہ اس میں واقعی کچھ نہیں رکھا لیکن میں اس کو کیا کروں کہ جی چاہتا ہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اچھا جاؤ مسجد میں جا بیٹھو۔ ادھر مولانا وضو کر کے کھڑاؤں پہن کر مسجد کی طرف چلے۔ کھڑاؤں کی کھٹ کھٹ سنی تھی کہ ادھر ان کا قلب جاری ہو گیا۔ دوڑ کر مولانا کے قدم چومنے کیلئے جھکنا چاہا تو حضرت نے سختی سے منع فرما دیا۔

ناصحانہ جواب

ایک مرتبہ حجاج نے عبدالرحمٰن بن اشعث کے شاگردوں میں سے کسی سے کہا کہ خدا کی قسم! میں تم سے شدید بغض رکھتا ہوں۔ تو اس شاگرد نے جواب دیا کہ جو ہم میں سب سے زیادہ مبغوض ہوگا اسے اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کریں گے۔

حجاج کی پہلی شرارت

حجاج بن یوسف کے حالات میں یہ واقعہ بھی ہے کہ اولاً حجاج سپہ سالار روح بن زفاع کے ماتحت تھا۔ جو عبدالملک بن مروان کا وزیر تھا اور عبدالملک کا لشکر ان کا حکم نہیں مانتا تھا نہ اس کے کہنے سے لشکر تیار ہوتا تھا اور نہ پڑاؤ ڈالتا تھا۔ چنانچہ عبد الملک نے روح بن زفاع سے لشکر کی شکایت کی۔ ایک دن روح بن زفاع نے عبد الملک سے یہ عرض کیا۔ عالی جاہ میری فوج میں ایک شخص حجاج بن یوسف ہے۔ اگر آپ اسے سپہ سالار بنا دیں تو لشکری آپ کا کہنا مانیں گے۔ آپ کے حکم سے وہ پابہ رکاب ہو جائیں گے اور پڑاؤ بھی ڈالیں گے۔

یہ سن کر عبدالملک نے حجاج بن یوسف کو لشکر کا قائد بنا دیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایک مرتبہ عبدالملک پابہ رکاب ہوا تو لشکر والے بھی تیار ہو گئے لیکن روح بن زفاع کے لشکر نے تیاری میں تاخیر کی۔ اچانک ان کے پاس سے حجاج بن یوسف کا گذر ہوا۔ دیکھا کہ لشکری دکھانے میں مصروف ہیں یہ دیکھ کر حجاج نے کہا تمہیں کیا ہو گیا ہے تم لوگ لشکر کے ساتھ کوچ کیوں نہیں کر رہے ہو؟ لشکریوں نے کہا آپ بھی ٹھہریئے ہمارے ساتھ کھانا کھایئے اور ابن الحنا گفتگو بند کرو۔ ابن الحنا کسی کی توہین کرنے کے وقت بولتے ہیں۔ حجاج نے کہا جو بات پہلے تھی وہ اب نہیں رہی۔ اس کے بعد حجاج نے ان سب کو قتل کرنے کا حکم دے دیا اور روح بن زفاع کے

گھوڑوں کی کونچیں کٹوا دیں۔ خیمے جلوا دیئے۔ جس وقت روح بن زفاع کو معلوم ہوا تو فوراً عبدالملک کے پاس گیا اور عرض کیا حضور والا حجاج نے آج جو میرے ساتھ سلوک کیا ہے اس کا انصاف کیجئے۔ عبدالملک نے دریافت کیا کہ کیا ہوا بتاؤ؟ روح بن زفاع نے کہا کہ اس نے میرے غلاموں کو قتل کر دیا۔ گھوڑوں کی کونچیں کاٹ دیں خیموں کو جلا دیا۔ یہ سن کر عبدالملک نے حجاج کو طلب کیا، جس وقت حجاج حاضر ہوا۔ عبدالملک نے کہا تمہارا برا ہو آج تم نے اپنے بڑے روح بن زفاع کے ساتھ کیا کیا؟ یہ سن کر حجاج نے جواب دیا۔

اے امیر المومنین میری قوت آپ ہی کی قوت ہے۔ میرا کوڑا آپ ہی کا کوڑا ہے۔ امیر المومنین کے لئے کیا ہے آپ تو ایک غلام کے بدلے دو غلام اور ایک خیمے کے بجائے دو خیمے روح بن زفاع کو دے سکتے ہیں۔ آپ میری لشکر کے سامنے دل شکنی نہ کیجئے۔ عبدالملک نے کہا ٹھیک ہے ایسا ہی کرتا ہوں۔ چنانچہ حجاج کا منشاء پورا ہو گیا۔ اسی دن سے حجاج مضبوط ہو گیا اور اس کا شر بڑھ گیا۔ وَکَانَ ھٰذَا اَوَّلُ مَاعُرِفَ مِنْ کَفَائَۃٍ اور یہ اس کی پہلی شرارت تھی جو کھل کر سامنے آئی۔

دعا مانگنا رضا بالقضاء کے منافی نہیں

فرمایا: حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ پر ایک مقدمہ ہو گیا تھا ایک حافظ صاحب لکھنو کے کہتے تھے کہ مجھ کو تعجب تھا کہ سب کے لئے تو یہ دعا کرتے ہیں اپنے بیٹے کے معاملے میں کچھ نہیں کر سکتے۔ بس خواب میں دیکھا کہ مولانا آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے عرض کر رہے ہیں کہ ''یا اللہ! میں احمد کے بارے میں تو کچھ نہ کہوں گا جو آپ کی مرضی ہو اس پر راضی ہوں'' جس کی یہ شان ہو کہ جو خدا کی مرضی وہی اس کی مرضی، بھلا ایسے رضا بر ضا رہنے والے اب کہاں؟

پیر سے مناسبت ضروری ہے

فرمایا: حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو اجازت دی تھی تو یوں بھی فرما دیا تھا کہ اگر کوئی بیعت ہونا چاہے تو انکار مت کرنا۔ مولانا نے عرض کیا کہ میں بیعت کے قابل نہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم کیا جانو ہم جو کہتے ہیں وہی کرنا جب مولانا گنگوہ پہنچے۔ گنگوہ میں ایک بی بی تھی۔ اس نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی درخواست کی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت فرمانے سے انکار کر دیا۔ اتفاق سے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی گنگوہ تشریف لے گئے اس بی بی نے حضرت سے بیعت نہ کرنے کی شکایت کی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا سے فرمایا ان کو بیعت کیوں نہیں کر لیتے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا اب تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ خود تشریف رکھتے ہیں۔ حضرت ہی بیعت فرمالیں۔ فرمایا یہ کیا ضرورت ہے کہ ایک شخص کو تم سے عقیدت ہے مجھ سے نہیں تم ہی کرو۔ غرضیکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان بی بی کو اپنے سامنے مولانا سے بیعت کرایا۔

یہاں ایک مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ مدار اس طریق میں مناسبت پر ہے سو اگر پیر سے مناسبت ہو اور پیر کے پیر سے مناسبت نہ ہو تو پیر ہی کی طرف توجہ کرے اس کے پیر کی طرف نہ کرے۔ لیکن ادب اور تعظیم اس کی بھی ضروری ہے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ قدس اللہ سرہ العزیز فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجلس میں حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ دونوں ہوں تو ہم حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں وہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پیر ہوں گے۔ ہمارا تعلق تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ افسوس پھر بھی ان حضرات کو وہابی اور خشک کہتے ہیں۔ بڑا ظلم کرتے ہیں۔ (الافاضات الیومیہ، جلد۲، ص۳۰۶، الاقتباط بالغیر، ص۱۶)

دولت مندی دل کی بے نیازی کا نام

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : لَیْسَ الْغِنٰی عَنْ کَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلٰکِنَّ الْغِنٰی غِنَی النَّفْسِ.

(بخاری، کتاب الرقاق) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دولت مندی مال واسباب کی کثرت کا نام نہیں ہے۔ بلکہ اصلی دولت مندی دل کی بے نیازی ہے''۔اس حدیث کا ترجمہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے ان لفظوں میں ادا کیا ہے۔تونگری بدل است نہ بہ مال۔

غنیٰ کے معنی بے نیازی کے ہیں اور ہر چیز سے بے نیازی ایک ایسا وصف ہے جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے اور اس بے نیازی میں اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے وہی ایک بے نیاز ہے اور ساری دنیا اس کی محتاج ہے: وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۔(محمد:۳۸) ''اور اللہ بے نیاز ہے اور تم ہی محتاج ہو''۔

انسان کی بے نیازی یہ ہے کہ اس ذات بے نیاز کے سوا دوسروں سے بے نیاز ہو، اور یہی چیز اسلامی بے نیازی کے سبق کو بے نیازی کے دوسرے اسباق سے ممتاز کرتی ہے۔اسلام کے آئین اخلاق میں اس بے نیازی کی تعلیم دو اصولوں پر قائم ہے۔اول یہ کہ جو کچھ ملتا ہے اس کا دینے والا درحقیقت اللہ تعالیٰ ہے۔اس لئے اس کے سوا کسی اور کے آگے ہاتھ نہ پھیلایا جائے:۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔ ''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔''

اللہ نے جابجا اپنے کو بندہ کا اصلی کارساز اور کارفرماں بتا کر ان کے مضطرب دلوں کو تسکین دی ہے۔فرمایا: اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلاً ۔(بنی اسرائیل:۲) ''میرے سوا کسی کو کارساز نہ بناؤ''۔

وَکَفٰی بِاللّٰهِ وَکِیْلاً. (النسا:۱۳۲) ''اور اللہ کارساز بس ہے''۔اس لے کسی شاہ امیر اور دولت مند کے دروازے کو جھانکنے کی ضرورت نہیں۔

دوسرا اصول جس پر اسلامی استغناء کی بنیاد ہے وہ یہ کہ کم سے کم جو ملا ہے اس پر طمانیت حاصل ہو جائے اور زیادہ کی حرص اور لالچ نہ کیا جائے: وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ ۔(النساء:۳۲) ''اور جس چیز میں اللہ نے ایک کو دوسرے پر بڑائی دی ہے اس کی ہوس مت کرو''۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْکَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِهٖ اَزْوَاجاً مِّنْهُمْ ۔(طٰہٰ:۱۳۱) ''اور اپنی آنکھیں نہ پسار اس کی طرف جو ہم نے ان میں سے طرح طرح کے لوگوں کو سامان دیا ہے''۔

بعض لوگ باوجود دولت مند ہونے کے نہایت حریص ہوتے ہیں، مال و دولت سے ان کا جی نہیں بھرتا اور اس کو ہر جائز و ناجائز طریقے سے حاصل کرتے ہیں، اس لئے وہ باوجود دولت مند ہونے کے محتاج ہوتے ہیں، لیکن ایک شخص بہت زیادہ دولت مند نہیں ہوتا، تاہم اللہ نے اس کو جو کچھ دیا ہے اس پر قانع رہتا ہے۔اور اس سے زیادہ کی حرص نہیں کرتا، اس لئے وہ باوجود مال کی کمی کے مستغنی اور بے نیاز ہے۔اس بنا پر استغناء و بے نیازی کا تعلق دولت کی کمی اور بیشی سے نہیں ہے، بلکہ روح اور قلب سے ہے اور اسی نکتہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ حدیث میں بیان فرمایا ہے۔

ایک اور حدیث میں اس نکتہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوذر! تمہارے خیال میں مال کی کثرت کا نام بے نیازی ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔فرمایا: تو تمہارے خیال میں مال کی قلت کا نام محتاجی ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔فرمایا: بے نیازی دل کی بے نیازی ہے اور محتاجی دل کی محتاجی''۔(فتح الباری:۱۱/۲۳۲)

اس بنا پر بے نیازی درحقیقت رضا وتسلیم سے پیدا ہوتی ہے، مال ودولت سے پیدانہیں ہوتی، یعنی اللہ انسان کو کچھ دے دے اگر وہ اس پر دل سے راضی ہوجائے تو اسی کا نام بے نیازی ہے یا کم ازکم اس سے بے نیازی کا جوہر نفس میں پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہی تعلیم دی اور فرمایا کہ جو کچھ تمہاری قسمت میں ہے اگر تم اس پر راضی ہوجاؤ تو سب سے زیادہ بے نیاز ہوجاؤ گے۔ (فتح الباری:۱۱/۲۳۴)

بے نیازی مومن کی شان

ایک بار چند انصاریوں نے آپ ﷺ سے مال کا سوال کیا اور آپ ﷺ نے ان کا سوال پورا کیا، لیکن وہ اس پر راضی نہیں ہوئے اور پھر سوال کیا، آپ ﷺ نے پھر ان کا سوال پورا کیا۔ جب دیتے دیتے تمام مال ختم ہوچکا تو فرمایا کہ میرے پاس جو کوئی بے نیازی حاصل کرنا چاہتا ہے اللہ اسکو بے نیاز کردیتا ہے۔ (ابوداؤد، کتاب الزکوۃ)

اسی طرح ایک بار حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے بار بار مال کا سوال کیا، اور آپ نے ہر بار ان کا سوال پورا کیا، لیکن آخر میں فرمایا کہ اے حکیم! یہ مال نہایت مرغوب چیز ہے جو شخص اس کو کھلے دل سے لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں برکت دیتا ہے اور جو شخص اس کو حرص کے ساتھ لیتا ہے اس میں برکت نہیں ہوتی اور اس شخص کی طرح ہوتا ہے جو کھاتا ہے لیکن اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔ ان میں اس تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ انہوں نے اس کے بعد کسی کا عطیہ قبول نہیں کیا۔ (ترمذی، کتاب الزہد)

فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خوشخبری ہو اس کو جس کو اسلام کی ہدایت ملی اور اس کی روزی ضرورت کے مطابق ہے اور اللہ نے اس کو اس پر قانع بنادیا ہے۔ (زوائد صحیح ابن حبان)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جبریل امین نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا کہ مومن کا شرف رات کی نماز اور مومن کی عزت انسانوں سے بے نیاز ہوجانا ہے۔
(مستدرک حاکم:۴/۳۵۲)

تلاوتِ قرآن کا ایک فائدہ

فرمایا: بڑھاپے میں عموماً حواس خراب ہوجاتے ہیں اس سے بچنے کی تدبیر تلاوتِ قرآن ہے۔ اللہ والوں کو دیکھا ہوگا کہ باوجود بڑھاپا آنے کے بھی ان کے حواس قائم رہتے ہیں۔ جیسے مولانا فضل الرحمٰن صاحب قدس سرہٗ کہ سو برس سے متجاوز تھا مگر حواس ویسے ہی تھے۔ یہ سب تلاوت قرآن کی برکت تھی اسے عقلاء نہیں جانتے اہل اللہ جانتے ہیں کہ راز اس میں کیا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

خود قوی تر مے شود خمر کہن
خاصہ آں خمرے کہ باشد من لدن

(الشریعت، ص۱۱)

دعا بہت بڑی نعمت ہے

فرمایا: مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ میرا مقدمہ ہے مولانا نے فرمایا کہ دعا کروں گا۔ اس نے کہا دعا نہیں کرانے آیا ہوں یہ تو میں بھی کرسکتا ہوں۔ یوں کہہ دیجئے کہ میں نے یہ کام کردیا۔ مولانا ناخوش ہوئے۔
(طریق النجاۃ:، ص۴۷)

کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو ایسا مختار سمجھنا خلاف توحید اور شرک ہے۔

حضور ﷺ کی میزبانی

شیخ ابوالخیر اقطع کا بیان ہے کہ وہ مدینہ منورہ حاضر ہوئے وہاں انہوں نے پانچ روز قیام فرمایا اس مدت قیام میں کچھ کھانے کو نہ ملا بھوک سے بے تاب تھے

سرورکائنات ﷺ کی قبرانور پر حاضر ہوئے سرکاراورشیخین کریمین رضی اللہ عنہ پر سلام پیش کیا اورعرض کیا: یارسول اللہ! آج میں آپ کا مہمان ہوں۔ کچھ دیر بعد منبر رسول اللہ ﷺ کے پیچھے جاسوئے خواب میں نصیبہ جاگا او رزیارت رسول ﷺ سے سرفراز ہوئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حضور اقدس کے دائیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کے بائیں اور حضرت علی مرتضٰی کو آپ ﷺ کے سامنے پایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شیخ ابوالخیر کو اٹھایا اور کہا دیکھ سرور کونین ﷺ تیرے پاس تشریف لائیں شیخ ابوالخیر نے اٹھ کر حضور ﷺ کی چشمان مبارک کے بیچ میں بوسہ دیا اس وقت قاسم نعمت ﷺ نے شیخ ابوالخیر کو ایک روٹی عنایت فرمائی انہوں نے خواب ہی میں آدھی روٹی کھالی اور جب بیدار ہوئے تو آدھی روٹی ان کے ہاتھ میں موجود تھی۔ سبحان اللہ!

عصائے موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام

ائمہ کرام لکھتے ہیں کہ جس وقت سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے شعیب علیہ السلام سے عرض کیا: اَیَّمَا الْاَجَلَیْنَ الآیۃ (القصص ۲۸) تو اسی وقت شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ فلاں گھر میں بہت سی لاٹھیاں رکھی ہوئی ہیں ان میں سے ایک لے لینا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام گھر میں داخل ہوئے اور وہ لاٹھی اٹھائی جس کو حضرت آدم علیہ السلام جنت سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ پھر یہ عصا تمام انبیاء کرام میں بطور وراثت چلا آتا رہا یہاں تک کہ شعیب علیہ السلام کے حصے میں آیا۔ شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اس لاٹھی کو گھر میں رکھ آؤ اس کے بجائے دوسری لاٹھی لے لینا چنانچہ موسیٰ علیہ السلام گھر کے اندر داخل ہوکر وہی لاٹھی نکال لائے۔ اس طرح موسیٰ علیہ السلام نے سات مرتبہ کیا۔ شعیب علیہ السلام سمجھ گئے کہ موسیٰ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی نہ کوئی حیثیت ہے۔

جب صبح ہوئی تو شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ بکریوں کو چراگاہ میں چرالاؤ لیکن تم دائیں جانب جانا اگرچہ اس جانب میں گھاس وغیرہ نہیں ہے برخلاف بائیں جانب کے اس جانب میں گھاس تو خوب ہے لیکن اس جانب ایک بہت بڑا اژدہا رہتا ہے جو بکریوں کو مار ڈالے گا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام بکریوں کو چوراہے پر لے گئے تو بکریاں بائیں جانب خود بخود جانے لگی آپ ان کو روک نہ سکے اور آزاد چرانے کے لئے چھوڑ دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو نیند آگئی اتنے میں اژدھا نکل کھڑا ہوا۔ لاٹھی نے اژدھا کا مقابلہ کیا یہاں تک کہ اژدھا مرگیا۔ موسیٰ علیہ السلام جس وقت بیدار ہوئے دیکھا کہ عصا خون آلود ہے اور اژدھا مرا پڑا ہے، آپ نے شعیب علیہ السلام کو بتایا۔ چنانچہ شعیب علیہ السلام بہت خوش ہوئے فرمایا جو بھی بکریاں اس سال دورنگ کی پیدا ہوں گی وہ موسیٰ علیہ السلام تمہارے لئے ہیں۔ چنانچہ تمام بکریاں دورنگی پیدا ہوئیں۔ ان تمام باتوں سے شعیب علیہ السلام کو خوب معلوم ہوگیا کہ موسیٰ علیہ السلام کی خدا کے یہاں ایک شان اور حیثیت ہے۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام شعیب علیہ السلام کی خدمت میں ۱۲ سال رہے۔ اس کے بعد اپنی اہلیہ کو لے کر چل دیئے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک وعظ، سالکین کیلئے

واضح ہو کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''طَلَبُ الْحَلَالِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ'' رزق حلال کی تلاش ہر مسلمان پر فرض ہے مگر طلب حلال ہر وقت ممکن نہیں جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ حلال کسے کہتے ہیں؟ نیز نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی مگر جو مشکل ترین امر ہے وہ یہ ہے جو ان کے بین بین ہے وہ ایسے شبہات ہیں جو نہایت پوشیدہ ہیں اور جو کوئی ان شبہات میں پڑ گیا ممکن ہے کہ وہ حرام میں مبتلا ہو جائے۔ یاد رکھئے ان کے متعلق بڑے وسیع علم کی

ضرورت ہے۔اسی بناء پرہم نے اس کی تفصیل اپنی کتاب ''احیاءالعلوم'' میں بڑی وسعت سے رقم کرچکے ہیں۔ زیرنظر کتاب (سنہری عبادت) ترجمہ کیمیائے سعادت میں بقدرضرورت تحریرکریں گے جولوگوں کی سمجھ میں آسکےاوراس کی تشریح ہم چارابواب میں رقم کریں گے۔انشاءاللہ العزیز۔

باب ۱-ثواب وفضائل طلب حلال ، باب ۲-باعتبار حلال وحرام ،مدارج تقویٰ ، باب ۳-امتیاز حلال وحرام اوراس سے متعلق سوالات، باب ۴- سلطان وقت سے وظیفہ پانے میں طلب حلال۔

(۱) ثواب وفضائل طلب حلال: واضح ہوکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحاً'' (سورہ المومنین:۵۱)

اے رسولوں کی جماعت پاکیزہ رزق کھایئے اورصالح عمل بجالایئے اورجو بھی عمل کرواسے طاعت وبندگی سے زینت بخشو جوتمہاری شان وعظمت کے مطابق اورموزوں ہو۔ یہی سبب ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کوحکم دیا کہ تمام مسلمانوں پررزق حلال کی تلاش فرض ہے۔

نیزآپ نے یہ بھی فرمایا کہ جومسلمان چالیس روزتک رزق حلال کھاتا رہے گا اوراس میں کسی حرام چیز کی آمیزش نہیں ہوگی اللہ تعالیٰ اس کے دل کونور سے بھردیتاہے، پھراس دل سے حکمت ومعرفت کے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں اوراس کے دل سے دنیا کی محبت مٹادیتاہے۔

ہردعا قبول: حضرت سعد رضی اللہ عنہ جلیل القدرصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ہیں۔ ایک دن رسول کریم ﷺ کی خدمت میں عرض گزار ہوئے کہ حضور دعا فرمایئے تاکہ اللہ تعالیٰ میری ہردعا قبول فرمالیا کرے۔آپ نے فرمایا کہ رزق حلال کھاؤ گےتوتمہاری ہردعا قبول ہوگی۔

دعا قبول نہیں ہوگی

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ''بعض آدمی ایسے بھی ہیں کہ ان کا کھانا، پینا اور پہننا سبھی حرام ہوتا ہے مگر بڑی لمبی لمبی دعائیں مانگتے رہتے ہیں لیکن ان کی دعائیں قبول نہیں کی جاتیں۔''

فرشتے کی نداء

سید عالم مخبر صادق ﷺ نے فرمایا بیت المقدس میں ایک فرشتہ رہتا ہے جس کی ڈیوٹی یہ ہے کہ وہ اعلانیہ پکارتا ہے ''لوگو! جورزق حرام استعمال کرتا ہے اس کی کوئی دعا قبول نہیں ہوتی۔اللہ تعالیٰ اس کا کوئی فرض اورکوئی سنت قبول نہیں کرتا''۔

● نیزآپ نے یہ بھی فرمایا جس شخص نے ایک روپئے میں کپڑا خریدا،اگر اس میں ایک پیسہ بھی حرام کا شامل ہے تو جب تک وہ کپڑا اس کے بدن پر رہے گا اس کی کوئی دعا قبول نہیں ہوگی۔

● آپ ﷺ فرماتے ہیں جس کا گوشت حرام سے بنا دوزخ کی آگ کا وہ زیادہ حق دار ہے۔ ● آپ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جوشخص اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ یہ مال کیسا ہےاورکہاں سے آیا ہے،اللہ تعالیٰ کواس کے بارے میں کوئی پرواہ نہیں کہ اسے دوزخ کے کونسے طبقے میں ڈالے۔

● آپ ﷺ نے فرمایا عبادت کے دس حصے ہیں جن میں نوحصے رزق حلال کی تلاش سے متعلق ہیں۔

● نیزفرمایا جوشخص رزق حلال کی تلاش میں تھکا ماندہ گھر لوٹتا ہے اللہ تعالیٰ اسے سونے سے قبل ہی بخش دیتا ہےاور جب صبح کو بیدار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے اپنی خوشنودی اوررضا کا اظہار فرماتا ہے۔

● آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو لوگ حرام سے بچتے ہیں مجھے شرم آتی ہے کہ ان سے حساب لوں۔

● نیز ارشاد ہے کہ مسلمان سے ایک روپیہ سود لینا ۳۲ بتیس بار زنا کرنے سے بدتر ہے اور فرمایا حرام خور کا صدقہ وخیرات قبول نہیں ہوتا بلکہ حرام کا مال اس کے جہنم میں جانے کے لئے زادراہ ہے۔

روایات، اقوال اسلاف

● حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک بار اپنے کسی غلام کے ہاتھ سے دودھ یا شربت کا پیالہ پی لیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مشتبہ مال سے تھا تو آپ نے فوراً اپنے حلق میں انگلی ڈال کر قے کر دی جو اتنی سخت تھی کہ جیسے روح بدن سے پرواز کر جائے گی اور ساتھ ہی ساتھ کہہ رہے تھے:

''الٰہی! میں تجھ سے معافی طلب کرتا ہوں، اس لئے کہ اس کا کوئی نہ کوئی ذرہ تو میری رگوں میں رہ ہی گیا ہوگا جسے باہر نکالنا میرے بس کی بات نہیں''۔ ایسے ہی حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کیا، جب انہیں صدقے کا دودھ پلا دیا گیا تھا۔

● حضرت سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، ''نماز پڑھتے پڑھتے کمر دوہری ہو جائے اور روزے رکھتے رکھتے جسم خشک ہو جائے تب بھی ان سے کوئی فائدہ نہیں جب تک رزق حرام سے اجتناب نہ کیا جائے کیونکہ اس کی موجودگی میں نماز اور روزے قبول ہی نہیں کئے جاتے''۔

● حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''جو شخص مال حرام صدقہ میں دیتا ہے وہ ایسے جیسے ناپاک لباس کو پیشاب سے دھونے کی کوشش کرتا ہے جواز خود پلید اور زیادہ ناپاک ہے''۔

● حضرت یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ ''اطاعت وعبادت اللہ تعالیٰ کا خاص خزانہ ہے جس کی چابی دعا ہے اور اسکے دندانے رزق حلال سے تیار ہوتے ہیں''۔

حضرت سہیل بن عبداللہ تشتری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ''چار چیزوں کی معرفت کے بغیر کوئی بھی آدمی ایمان کی اصل حقیقت سے واقف نہیں ہوسکتا''۔

(۱) جملہ فرائض کی ادائیگی سنت کے مطابق ہو۔ (۲) حلال کھائے جیسا کہ پرہیزگاری اور تقویٰ کا تقاضا ہے۔ (۳) تمام برائیوں سے منہ پھیر لے خواہ وہ ظاہری ہوں یا پوشیدہ۔ (۴) مرتے دم تک ان پر مضبوطی سے عمل پیرا رہے''۔

● نیز کہا گیا ہے کہ جو شخص چالیس دن تک مشتبہ مال سے شکم بھرتا رہتا ہے اس کا دل سیاہ اور زنگ آلود ہو جاتا ہے۔

● حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میرے نزدیک ایک لاکھ روپے صدقے دینے سے بہتر ہے کہ مشتبہ مال اس کے مالک کو واپس کر دیا جائے۔

● حضرت سہیل تشتری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے: ''حرام خور کے تمام اعضاء گناہ میں مصروف رہتے ہیں، خواہ وہ چاہے یا نہ چاہے اور جو شخص رزق حلال استعمال کرتا ہے اس کے جملہ اعضاء مشغول عبادت رہتے ہیں اور توفیق الٰہی اس کے شامل حال رہتی ہے''۔ الغرض اس سلسلہ میں اولیاء کرام اور بزرگان دین کے اقوال وارشادات کا شمار نہیں۔ یہی سبب ہے کہ زاہدین اس سلسلہ میں نہایت محتاط رہتے ہیں۔

چارے کے مشتبہ ہونے کے باعث دودھ نہ پیا

حضرت وہب بن ورد رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت بیان کرتے ہیں جن کی یہ عادت تھی کہ جب تک اچھی طرح اطمینان نہ کر لیتے کوئی بھی چیز نہ کھاتے۔ چنانچہ ایک روز اس کی ماں نے اسے دودھ کا ایک پیالہ دیا۔ آپ نے پوچھا یہ دودھ کہاں سے آیا؟

اس کی قیمت ادا کی ہے یا نہیں؟ کسی آدمی سے خریدا گیا ہے؟ سب کچھ دریافت کرنے کے باجود مطمئن نہ ہوئے، پھر کہنے لگے جس بکری کا یہ دودھ ہے اس نے چارہ کہاں سے کھایا تھا۔ جب واضح ہوا کہ اس بکری نے ایسی چراگاہ سے چارہ کھایا ہے جس پر غیر مسلم قابض ہیں۔ چنانچہ اسی بنا پر آپ نے دودھ پینے سے انکار کردیا۔ ماں نے بہت کہا بیٹا! اسے پی لیں اللہ تم پر رحمت کرے گا۔

حضرت وہب عرض کرنے لگے، اماں جی! بے شک میرا رب رحیم وکریم رحمت فرمانے والا ہے تاہم میں اس دودھ کو نہیں پی سکتا۔ اس لئے کہ گناہ کے ارتکاب کے بعد جو مجھے رحمت حاصل ہوگی اس میں گناہ کی آلائش شامل ہوگی۔ لہٰذا میں نہیں چاہتا کہ کہ اس کی رحمت کو گناہ سے آلودہ کروں۔

● حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے دریافت کیا، آپ کہاں سے کھایا پیا کرتے ہیں؟ کیوں کہ آپ انتہائی احتیاط سے کام لیا کرتے تھے۔ فرمایا میں وہیں سے کھاتا ہوں جہاں سے عموماً لوگ کھایا کرتے ہیں۔ لیکن فرق صرف اتنا سا ہے کہ میں کھانا کھاتے وقت اللہ تعالیٰ کی گرفت کے خوف سے روتا ہوں جب کہ وہ لوگ کھاتے وقت خوب ہنستے ہیں، انہیں اس چیز کی پرواہ ہی نہیں ہوتی کہ ہم جو کھانا کھا رہے ہیں یہ حلال ہے یا حرام یا مشتبہ اور غافل ہوکر لمبے لمبے ہاتھ کھانے کی طرف بڑھاتے رہتے ہیں۔ حالانکہ چھوٹے چھوٹے لقمے بھی اٹھائیں تو کوئی حرج نہیں یعنی حلال وحرام میں تمیز کریں تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔

حلال وحرام کے درجات

واضح ہو کہ حلال وحرام کے علیحدہ علیحدہ درجے ہیں اور ہر ایک اپنی نوعیت رکھتا ہے۔ یعنی بعض محض حلال ہیں۔ بعض حلال اور طیب وپاک جب کہ بعض بہت ہی زیادہ پاک اور اطیب ہیں۔

اسی طرح حرام کے مختلف درجے ہیں۔ ایک حرام اور صعب ہیں دوسرے حرام اور ناپاک تر بعض نہایت بدترین جیسے بیمار کے لئے گرمی نقصان دہ ہے اگر ایسی کوئی گرم چیز کھلائیں گے تو اور زیادہ نقصان پہنچائے گی، اس لئے کہ گرمی کے از خود مختلف درجات ہیں۔ مثلاً شہد، شکر مختلف قسم کی گرمی رکھتا ہے۔ اسی طرح حرام کے بھی علیحدہ علیحدہ درجے ہیں جن سے پرہیز کرنا مسلمان کے لئے نہایت ضروری ہے اور پھر پرہیز پانچ مدارج رکھتا ہے۔

دال کا پرہیز کرنا اور یہ عمومی مسلمانوں کا پرہیز اور تقویٰ ہے یعنی جن اشیاء کی حرمت کا ظاہری فتویٰ موجود ہے اس سے بچنا چاہئے، یہ پرہیز گاری یا تقویٰ کا انتہائی کم تر درجہ ہے اور جو شخص اتنی سی پرہیز گاری اختیار نہ کرسکے اس کا عادل ہونا باطل ہوجاتا ہے۔ ایسے شخص کو فاسق اور حکم عدولی کرنے والا قرار دیا جائے گا۔ پھر اس کے بعد متعدد درجے ہیں۔ جو کوئی کسی دوسرے کا مال عقد فاسد سے کرلے اس کو فاسق اور نافرمان کہا جائے گا مگر کھائے تو مالک کی رضا مندی سے تو اسے فقط حرام کہا جائے گا، مگر جو شخص رضا مندی کے بغیر ہی اسے غصب کرلے تو اس کا یہ فعل حرام تر ہے اور اگر درویش یا یتیم کا مال ہو تو وہ انتہائی سطح پر حرام ہے نیز عقد فاسد سود پر مبنی ہو وہ حرام ترین ہوگا۔ حرام اگرچہ بہر صورت حرام ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ حرام حرام میں فرق لازماً ہوتا ہے۔ جو عاقبت کے لئے خطرناک ہے اور اس کے باعث امید ضعیف تر ہوتی چلی جائے گی۔ جیسے کوئی بے شمار شہد کھائے تو اسے شکر یا مصری استعمال کرے کی بہ نسبت وہ زیادہ ضرر رساں ہوگا اور پھر شہد کھانے کے عمل میں بھی مختلف درجے ہیں یعنی جتنا زیادہ کھائے گا، اسی قدر نقصان بھی زیادہ ہوگا نیز حرام اور حلال کسے کہتے ہیں ان کی تفصیل وہی شخص جان سکتا ہے جس نے علم فقہ کا اچھی طرح احاطہ کیا ہوگا اور تمام علوم فقہ سے آگاہ ہو، ہر ایک پر واجب نہیں ہے۔

حاجت تو فقہی علم کی اسے ہوگی جسے کسی نہ کسی طرح اس سے تعلق ہوگا۔ جب کسی شخص کا واسطہ تجارت اور سوداگری سے ہو تو اسے بیع کا علم حاصل کرنا بلا شبہ لازمی ہے اور اگر مزدوری کرتا ہے تو اسے اجارہ کے مسائل سے آگاہی ضروری ہے۔ علم تو ہر ایک پیشے کا ہوتا ہے اور پیشوں کا شمار ہی نہیں پس ہر ایک آدمی کے لئے اسی پیشے کا علم حاصل کرنا ضروری ہوگا جس سے وہ تعلق رکھتا ہے۔

پرہیزگار یا متقی ہونا جسے اچھے اور نیک بندوں کا پرہیز کرنا کہا جاتا ہے اور عموماً یہ لوگ صوفی یا صالح کہلاتے ہیں۔ اس پرہیز سے مراد یہ ہے کہ اگر مفتی صاحب نے کسی چیز کے حرام ہونے کے بارے میں کوئی فتویٰ نہ بھی صادر کیا ہو لیکن اس مال میں شبہ پایا جاتا ہے تو اس سے بچنا اور اسے استعمال م میں لانا پرہیز کہلاتا ہے۔ البتہ شبہات کی بھی تین اقسام ہیں جن میں کچھ ایسے ہیں جن سے کلی طور پر پرہیز کرنا لازمی ہوتا ہے۔ اور بعض ایسے ہیں جن سے پرہیز کرنا واجب تو نہیں مستحب ضرور ہوتا ہے اور ظاہر ہے واجب کا درجہ مستحب کے درجے سے اول واعلیٰ ہے اور پھر تیسری قسم یہ ہے کہ اس میں حذر نہ واجب ہے اور نہ ہی مستحب صرف درس کہا جائے گا۔ یعنی کوئی آدمی شکار کا گوشت محض اس شبہ پر نہ کھائے کہ ممکن ہے کہ یہ کسی کی ملکیت میں ہو مگر بھاگ گیا ہو۔ یوں ہی کہنے لگے ہوسکتا ہے کوئی دوسرا شخص اسے اپنے پاس لے آیا ہو اور پھر کہے یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا مالک مر گیا ہو، ہاں اس کے وارث کا اس پر حق فائق ہے تو یہ باتیں بلا دلیل اور بلا وجہ محض وسواس ہیں جسے کسی قسم کی اہمیت دینا محض تکلفات میں پڑنا ہے۔

اعلیٰ درجات کے متقی

یعنی ایسے لوگ جو اتقیاء کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں وہ ہر اس چیز سے اجتناب کرتے ہیں جو حرام اور مشتبہ بھی نہ ہو، مطلقاً حلال ہوں لیکن وہ اس بات کا خطرہ

محسوس کرتے ہیں۔ مبادا کہ اس کے استعمال کرنے میں کسی شبہ میں پڑ جائیں تو اس سے اجتناب کرنا، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کوئی آدمی اس وقت تک کامل متقی نہیں بن سکتا جب تک وہ کسی چیز کو محض اس بناء پر نہ چھوڑنا سیکھے کہ ممکن ہے کہ اس کے باعث میں کسی حرام میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ چنانچہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نے حلال کے دس حصوں میں سے نو حصوں پر اکتفاء کرلیا ہے، مبادا کہ کسی حرام میں نہ پڑ جائیں۔ یہی سبب ہے کہ اگر کسی شخص کو سو روپئے کسی دوسرے شخص سے لینے تھے وہ ننانوے سے زیادہ محض اس خطرہ کے پیش نظر وصول نہیں کرتا کہ کہیں زائد نہ ہو جائیں۔ (اور حرام کا مرتکب قرار دیا نہ جاؤں)۔

حضرت علی بن معبد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں کرائے کے مکان میں رہتا تھا۔ ایک دن میں نے خط لکھا اور سیاہی خشک کرنے کے لئے میں نے اس مکان کی دیوار سے مٹی لی تا کہ خشک کرلوں۔ پھر خیال پیدا ہوا کہ یہ دیوار میری تو نہیں، اس لئے مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے پھر دل میں آیا کہ اتنی معمولی سی مٹی لینے سے بھلا کیا گناہ ہوگا۔ چنانچہ میں نے دیوار سے مٹی لے لی۔

رات کو خواب دیکھا کہ کوئی شخص کہہ رہا ہے کہ جو لوگ گمان کرتے ہیں دیوار کی تھوڑی مٹی کی کیا حیثیت اس کے لینے میں کونسا گناہ ہے انہیں اس کے انجام کی کل خبر ملے گی، یہی وہ لوگ ہیں جو پرہیزگاری کے مقام پر فائز ہیں۔ ایسی معمولی سی باتوں سے بھی اعراض کرتے ہیں تا کہ ہوتے ہوتے ان چیزوں کے استعمال کرنے کی رغبت ہی پیدا نہ ہو جائے اور پھر روز قیامت جو درجات متقین اور پرہیزگاروں کے ہیں ان سے محروم نہ کردیئے جائیں۔ اسی بناء پر حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے صدقہ کی کھجور منہ میں ڈال لی تو نبی کریم ﷺ نے دیکھتے ہی فرمایا کخ کخ القہا نکالوں کا لو اور اس کو پھینک دو۔

● حضرت امیر المومنین سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس ایک بار مال غنیمت سے مشک نافہ لایا گیا تو آپ نے فوراً ناک کو بند کرلیا اور فرمایا اس کی خوشبو بھی منافع کا ایک حصہ ہے جو میرا حق نہیں بلکہ اس میں تمام مسلمان شامل ہیں۔

● ایک صاحبِ تقویٰ بیمار کے سرہانے بیٹھے ہوئے تھے کہ وہ بیمار فوت ہوگیا۔ اس اللہ کے بندے نے فوراً چراغ بجھادیا اور کہا کہ اس چراغ سے روشنی حاصل کرنا صرف ورثاء کا حق رہ گیا۔

غصہ کو پی جانے والے اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ. (آل عمران:۱۳۴) ''جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کو معاف کردیتے ہیں، ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جو طبعی قوتیں اور نفسانی تقاضے ودیعت کررکھے ہیں ان میں سے ایک ''غصہ'' ہے۔ اگر انسان اسے قابو میں کرلے تو یہ اس کے لئے باعث خیر اور رحمت بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس انسان اگر اس کے قابو میں چلا جائے تو وہ اسے تباہ و برباد کرنے کے لئے کافی ہے۔ اسی لئے قرآن وحدیث میں غصہ کو قابو میں رکھنے پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نصیحت کی گزارش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا تَغْضَبْ. ''تم غصہ مت کرو''۔ اس شخص نے اپنی گزارش بار بار دہرائی اور ہر بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا: لا تغضب. ''تم غصہ مت کرو''۔ (بخاری)

بے قید غصہ حقیقت میں شر و فساد کی جڑ ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو انسان کی زندگی کو جلا کر خاکستر کردیتی ہے اور الفت ومحبت کی جگہ نفرت وعداوت، ظلم وتشدد اور بد وانتقام کے شعلوں کو بھڑکا دیتی ہے۔ اکثر لڑائی جھگڑوں کی بنیادی وجہ غصہ ہی ہوا کرتا ہے۔ ہم آئے دن ایسے واقعات دیکھتے، سنتے اور پڑھتے رہتے ہیں کہ ایک آدمی کے غصے نے پورے خاندان کو تباہ و برباد کردیا۔ اس پس منظر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نصیحت میں کس قدر معنویت ہے: وَاِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ (احمد) ''جب تم میں سے کسی کو غصہ آجائے تو اسے اپنے لب سی لینے چاہئے''۔

غصے کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا۔ ہمیشہ برا ہی ہوا کرتا ہے۔ غصہ کی حالت میں آدمی اچھائی اور برائی، خیر وشر اور جائز وناجائز کے درمیان تمیز کھو بیٹھتا ہے۔ غصہ کا خون جب آنکھوں میں اتر آتا ہے تو ایسا اندھا ہوجاتا ہے کہ اسے نہ حقوق اللہ کا پاس ولحاظ ہوتا ہے اور نہ حقوق العباد کا، نہ اپنوں کا خیال رہتا ہے اور نہ غیروں کا۔ نتیجے میں چند لمحوں کے لئے غصے کے گھونٹ نہ پینے والے آدمی کے لئے زندگی بھر خونِ دل پینے پر مجبور ہوجانا پڑتا ہے۔

غصے کو لگام لگائے رکھنا ہر مسلمان پر ضروری ہے۔ حدیث میں اس شخص کو ''حقیقی پہلوان'' بتایا گیا ہے جو غصے پر قابو رکھتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرْعَةِ اِنَّمَا الشَّدِيْدُ يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ (بخاری) ''پہلوان وہ نہیں جو کشتی میں مقابل کو پچھاڑ دے۔ اصل پہلوان تو وہ ہے جو غصہ آنے پر اپنے نفس کو قابو میں رکھے''۔

خصوصاً ایک داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ غصے پر مکمل قابو رکھنے کی کوشش کرے۔ مخاطب کے ہر طرح کے اشتعال دلانے کے باوجود وہ مشتعل نہ ہو۔ اس لئے کہ غصے پر کنٹرول کئے بغیر ایک داعی نہ اپنا فرض منصبی ادا کرسکتا ہے اور نہ اتمام

حجت قائم کرسکتا ہے ۔قرآن مجید نے بہت سے انبیاء کرام کا اور ان کی دعوتی کوششوں کا ذکر کیا ہے ان میں کسی نبی کے سلسلے میں یہ بات نہیں ملتی کہ انہوں نے راہ دعوت میں مدعو پر اپنے غیض وغضب کا مظاہرہ کیا ہو۔قرآن کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون بڑا سرکش، ظالم اور مغرور بادشاہ تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طبیعت میں ذرا تیزی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو فرعون کے پاس جا کر اسے توحید کا پیغام سنانے کا حکم دیتے ہوئے تاکید فرمائی: فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (طٰہٰ:۴۴) ''تم دونوں اس سے نرمی سے بات کرو، ممکن ہے وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈر جائے''۔

ابوبکر طوشی کہتے ہیں کہ ایک رات عبدالملک بن مروان کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ چنانچہ عبدالملک نے ایک قصہ گو کو بلایا۔اس کے بیان کردہ قصوں میں ایک قصہ یہ تھا کہ جناب امیر المومنین مقام موصل کا ایک اُلّو تھا اور ایک دوسرا اُلّو بصرہ میں رہتا تھا۔موصل کے اُلو نے اپنے لڑکے کی شادی کا پیغام بصرہ کے اُلو کی لڑکی کے لئے بھیجا۔بصرہ کے اُلو نے کہا میں ایک شرط کے ساتھ اپنی لڑکی سے شادی کرسکتا ہوں۔ وہ یہ کہ تم میری لڑکی کے مہر میں مجھے سو بیگھہ ویران جگہ دو۔موصل کے اُلو نے کہا کہ فی الحال تو میں اس پر قادر نہیں ہوں۔لیکن اگر موجودہ امیر اپنی تباہ کاریوں کے ساتھ ایک سال اور امیر رہے تو یہ شرط پوری کی جاسکے گی۔بس یہ واقعہ سنتے ہی عبدالملک کی آنکھیں کھل گئیں اور چوکنا ہوگیا۔پھر اس کے بعد (یعنی اس قصہ کو سننے کے بعد) روزانہ دیوان میں بیٹھ کر لوگوں کی زیادتیوں پر غور کرتا اور ان کو دور کرنے کی کوشش کرتا اور گورنروں پر نظر رکھتا۔

امام دمیری کہتے ہیں کہ میں نے بعض اکابر کے مجموعوں میں دیکھا ہے کہ ایک مرتبہ مامون الرشید نے اپنے محل سے جھانکا کیا دیکھتا ہے کہ ایک آدمی کھڑا ہوا

ہے۔اس کے ہاتھ میں کوئلہ ہے اور وہ محل کی دیوار پر لکھ رہا ہے یہ دیکھ کر مامون الرشید نے ایک نوکر سے کہا دیکھو اس آدمی کے پاس گیا اور جو اس نے لکھا تھا اسے غور سے پڑھا اور پھر اس کو پکڑ لیا۔وہ یہ اشعار لکھ رہا تھا۔

يَا قَصْرُ جُمِعَ فِيْهِ الشُّؤْمُ وَاللُّوم
مَتٰى يُعَشِّشُ فِيْ اَرْكَانِكَ الْيُوْمُ

ترجمہ: اے محل جب اُلو اس کے گوشوں میں گھونسلہ بنانے لگے تو اس میں ہر طرح کی قبیح وقابل ملامت اشیاء جمع ہوگئیں۔

يَوْمَ يُعَشِّشُ الْبُوْمُ فِيْكَ مِنْ فَرَحٍ
اَكُوْنُ اَوَّلَ مَا يَنْعِيْكَ مَرْغُوْمُ

ترجمہ: جب اُلو تمہارے اندر خوشی خوشی اپنا گھونسلہ بنائیں گے تو میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جو ناپسندیدگی کے ساتھ تمہارے اوپر ماتم کرے گا۔

نوکر نے اس کے پاس جاتے ہی یہ کہا چلیئے جناب آپ کو امیر المومنین یاد فرما رہے ہیں۔اس آدمی نے کہا میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں مجھے ان کے پاس نہ لے چلو۔نوکر نے کہا تمہیں تو ضرور چلنا پڑے گا۔چنانچہ جب وہ امیر المومنین کے دربار میں حاضر کیا گیا اور خادم نے جو پڑھا تھا اس سے بھی امیر المومنین کو آگاہ کیا۔ یہ سن کر مامون الرشید نے فرمایا تمہارا ابراہوتم یہ کیوں لکھ رہے تھے؟ اس نے جواب دیا کہ امیر المومنین جو آپ کے محل میں مال ودولت، قیمتی جوڑے، کھانے پینے کا سامان، فرنیچر برتن، ساز وسامان باندیاں اور نوکر وغیرہ جمع ہیں وہ سب آپ کو معلوم ہے جن کی میں تعریف نہیں کرسکتا۔ مجھے شدید قسم کی بھوک لگی ہوئی تھی بس میں کھڑا ہوا کر سوچنے لگا میرے دل نے یہ کہا کہ میرے سامنے اتنا بلند وبالا محل ہے اور آباد ہے اور مجھے اس محل سے کوئی فائدہ نہیں ہو رہا ہے۔اس کے بجائے اگر یہ جگہ ویران

ہوتی اور میں یہاں سے گذرتا تو یہاں لکڑی وغیرہ ضرور ہوتیں جن کو میں فروخت کر کے کچھ کھا بھی سکتا تھا۔ پھر اس نے کہا، امیر المومنین آپ یہ چند اشعار نہیں سنے؟

امیر المومنین نے کہا وہ چند اشعار کون سے ہیں سناؤ۔ چنانچہ اس نے سنایا:

اِذْ لَمْ یَکُنْ لِلْمَرْءِ فِیْ دَوْلَةِ امْرِئٍ
نَصِیْبٌ وَلَا حَظٌّ تَمَنَّی زَوَالَهَا

ترجمہ: جب کسی شخص کے لئے کسی ملک میں کوئی حصہ نہ ہو اور نہ کچھ دولت کہ جس کے ختم ہونے کی تمنا کی جائے۔

وَمَا ذَاکَ مِنْ بُغْضٍ لَهَا غَیْرَ اَنَّهُ
یَرْجُوْ سِوَاهَا فَهُوَ یَهْوِیْ اِنْتِقَالَهَا

ترجمہ: اور جب کہ وہ یہ تمنا اس کے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے نہیں بلکہ مزید کی توقع رکھنے کی وجہ سے کرتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ اسے منتقل کر دے۔

یہ سن کر مامون الرشید نے فرمایا نوکر! تم انہیں ایک ہزار اشرفیاں دے دو۔ اس کے بعد امیر المومنین نے فرمایا کہ سنو اتنی رقم تمہیں ہر سال ملا کرے گی۔ بشرطیکہ ہمارا محل اسی طرح آباد رہا۔

سالکین کیلئے سبق آموز واقعہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سبق آموز واقعہ لکھا ہے کہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ کا جو بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے تھے، دہلی میں قیام تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑا اونچا مقام عطا فرمایا تھا، ساتھ میں بڑے نازک مزاج بھی تھے۔ ان کی نازک مزاجی کے بڑے واقعات مشہور ہیں۔ ایک مرتبہ دو طالب علموں کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ حضرت مرزا

مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے ہیں، ہم ان کی خدمت میں جائیں اور ان سے بیعت ہوں اور ان سے اصلاحی تعلق قائم کریں۔ چنانچہ یہ دونوں طالب علم اپنے شہر ''بلخ'' سے جو اس وقت ترکستان کا حصہ تھا، وہاں سے سفر کر کے دہلی پہنچے، دہلی کی جس مسجد میں حضرت مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قیام تھا، اس مسجد میں گئے، نماز کا وقت قریب تھا، یہ دونوں وضو کرنے کے لئے مسجد کے حوض پر بیٹھ گئے اور وضو کرنا شروع کیا حضرت مرزا صاحب بھی کہیں قریب تھے۔ البتہ، یہ دونوں طالب علم حضرات مرزا صاحب کو پہچانتے نہیں تھے وضو کے دوران ایک طالب نے دوسرے سے پوچھا کہ یہ حوض بڑا ہے یا ہماری بلخ کی مسجد کا حوض بڑا ہے؟ دوسرے طالب علم نے کہا کہ مجھے یہ بڑا معلوم ہوتا ہے، پہلے طالب علم نے کہا نہیں، بلخ کی مسجد کا حوض بڑا ہے، اس پر دونوں کے درمیان بحث شروع ہوگئی، ایک کہتا کہ بلخ والا حوض بڑا ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ دہلی والا حوض بڑا ہے اور دلائل دینے شروع کر دیئے اور وضو بھی کرتے رہے لیکن وضو ختم ہو گیا اور کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔

فضول کاموں کا شوق ہے

پھر ان دونوں نے نماز پڑھی اور نماز کے بعد حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت نے پوچھا کہ کیسے آنا ہوا؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت ہم آپ سے بیعت ہونے اور اصلاحی تعلق قائم کرنے کے لئے آئے ہیں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ بیعت کا معاملہ تو بعد میں ہوگا؟ پہلے یہ بتاؤ کہ یہ فیصلہ ہوا یا نہیں کہ دہلی کا حوض بڑا ہے یا بلخ کا حوض بڑا ہے اب دونوں بڑے شرمندہ ہوئے اور کہا کہ حضرت فیصلہ تو ہوا نہیں، فرمایا کہ اچھا ایسا کرو کہ پہلے یہاں کا حوض ناپو اور پھر واپس جا کر بلخ کا حوض ناپو اور مسئلہ کا تصفیہ کرو، بیعت کی بات بعد میں کرنا۔ آپ

دونوں کی اس بحث سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ دونوں کو فضول کاموں میں مشغول رہنے کا بڑا شوق ہے فرض کرو کہ اگر یہ پتا بھی چل گیا کہ بلخ کا حوض بڑا ہے یا دہلی کا حوض بڑا ہے تو اس سے دنیا یا آخرت میں کیا فائدہ حاصل ہوا؟ تم نے اس فضول بحث میں اپنے آپ کو لگا رکھا ہے۔

فرمایا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر عزیزی میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا ایک قول نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں: اِنِّیْ لَا اَحْتَسِبُ نَوْمَتِیْ کَمَا اَحْتَسِبُ قَوْمَتِیْ.

یعنی میں اپنے سونے کی حالت میں اسی طرح اجر وثواب کی امید رکھتا ہوں جس طرح کہ اپنے تہجد پڑھنے میں۔

شاہ صاحب نے سورہ والشّمس وضحہا کی تفسیر فرماتے ہوئے لیل ونہار کی قسم کھانے میں یہ نکتہ بیان فرمایا کہ نہار کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے لیل کی جو قسم کھائی تو اسی سے معلوم ہوا کہ اوقات غفلت وراحت نیز رحمت رکھتے ہیں کیونکہ قسم کسی معظم اور محترم ہی چیز کی کھائی جاتی ہے۔ شاہ صاحب کے الفاظ یہ ہیں فرماتے ہیں کہ:

ازیں جام معلوم شد کہ اوقات غفلت وراحت نیز حرمت دارند کہ ممد ومعاون ریاضات آئندہ می شوند، وہم باعث حصولی ثواب عباداتیکہ متعلق بحقوق خلق است۔ چنانچہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرمودہ است۔ اِنِّیْ لَا اَحْتَسِبُ نَوْمَتِیْ کَمَا اَحْتَسِبُ قَوْمَتِیْ. یعنی من درخواب خود نیز متوقع اجر وثواب می باشم چنانچہ در تہجد خود چہ اگر تہجد ادائے حق خالق جل وعلا است خواب نیز ادائے حق نفس است وہر دو حق بایجاب خدا تعالیٰ واجب آرے غفلتے کہ ممد برطاعات نباشد وبحکم شرع ونیت امتثال فرمان الٰہی نبود آں غفلت ہیچ حرمت ندارد بلکہ حرام مطلق است۔ (تفسیر عزیزی، ص:۲۲۴، پ۳۰)

بعض اوقات کھانے کو نماز پر مقدم کرنے کی حکمت

اور سنئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر بھوک لگی ہو کھانا موجود ہو اور نماز کا بھی وقت آ گیا ہو تو چاہئے کہ پہلے کھانا کھالے پھر نماز پڑھے اس کی دلیل کیا عمدہ بیان فرمائی ہے کہ ہمارا سارا کھانا نماز بن جائے یہ اس سے کہیں اچھا ہے کہ ساری نماز کھانا بن جائے۔ مطلب یہ ہے کہ آدمی کھانے کے سارے اوقات میں اپنے قلب میں نماز کی فکر رکھے کہ ابھی نماز پڑھنی ہے ابھی نماز پڑھنی ہے یہ اچھی صورت ہے بمقابلہ اس کے کہ نماز پڑھتا رہے اور یہ سوچتا رہے کہ ابھی کھانا کھانا ہے ابھی کھانا کھانا ہے۔ ایک دفعہ ایک صاحب نے اپنے ساتھیوں سے کہا آؤ نماز پڑھ لی جائے پھر اطمینان سے کھانا کھائیں گے ایک دوسرے صاحب بولے کہ اطمینان نماز میں ہے یا کھانے میں ہے آؤ پہلے کھانا کھالیا جائے پھر اطمینان سے نماز پڑھ لی جائے گی۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا بصیرت افروز ارشاد

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ میں سر میں تیل جو لگاتا ہوں تو یہ سمجھ کر کہ یہ سرکاری مشین ہے اس کی حفاظت ہمارے ذمہ ہے اور یہ ہمارے پاس خدا کی امانت ہے جس کی ناقدری اور ضیاع پر مواخذہ ہوگا۔ اسی طرح سے اوقات کا بھی حال ہے کہ اگر یہ گناہ اور معصیت میں گذریں یعنی معین طاعت نہ بنیں بحکم شرع وبہ نیت امتثال امر شارع نہ ہوں تو ان کی کچھ حرمت نہیں اور اگر طاعت میں گذریں یا ممد طاعت بنیں اور ذریعہ ادائے حقوق العباد ہوں تو ان کے لئے حرمت ہے اور یہ قابل احترام ہیں اسی معنی کے اعتبار سے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

فرمارہے ہیں کہ: انی لا حتسب نومتی کما احتسب قومتی . یعنی میں اپنے سونے میں بھی اسی طرح ثواب کی امید رکھتا ہوں جس طرح تہجد میں۔

متحمل شخص کو زینت جائز ہے

ایک مرتبہ نماز ہورہی تھی اسی درمیان میں زور کی بارش ہونے لگی کپڑے بھیگنے کے خیال سے سب لوگوں نے جلدی جلدی نمازیں پوری کرلیں اور اندر بھاگے لیکن ایک صاحب جو بہت ہی عمدہ لباس پہنے ہوئے تھے وہ اسی طرح خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھتے رہے۔ کپڑے بھیگ گئے مگر کچھ پرواہ نہیں کی بلکہ یہ کیا کہ گھر جاکر اسی قسم کا دوسرا کپڑا بدل لیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسے شخص کو زینت کا حق ہے اور اس کے لئے تجمل جائز ہے۔

میں تو دل سے بیعت ہو چکا

فرمایا: حافظ محمد ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں یہ معاہدہ قرار پایا تھا کہ جہاں ایک صاحب بیعت ہوں، دوسرے کو خبر کردیں، وہ بھی انہی بزرگ سے بیعت ہوں گے۔ پھر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ لوہاری جاکر میاں جی صاحب (حضرت مولانا میاں جی نور محمد صاحب جھنجھانوی شہر لوہاری) سے بیعت ہوگئے اور حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تذکرہ کرنا بھول گئے۔ جب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ یہ بار بار لوہاری جاتے ہیں تو دریافت کیا کہ آپ بار بار لوہاری کیوں جاتے ہیں؟ تو فرمایا میں ایک بزرگ سے بیعت ہوگیا ہوں۔ فرمایا ہم سے تو معاہدہ ٹھہرا تھا کہ دونوں ایک جگہ بیعت ہوں گے ہم سے تذکرہ کیوں نہ کیا۔ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اب چلے چلو۔ جب آپ لوہاری پہنچے تو میاں جی

صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت کیا کہ حافظ صاحب کیسے آئے؟ عرض کیا۔ حضرت بیعت کے ارادہ سے آیا ہوں۔ فرمایا بھائی میں تو بزرگ نہیں ہوں ایک میاں جی ہوں بچوں کو پڑھاتا ہوں کسی بزرگ سے بیعت ہونا چاہئے۔ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں نے تو اپنا ارادہ عرض کردیا۔ آگے آپ کو اختیار ہے۔ اس کے بعد حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ لوہاری آتے جاتے رہے اور بیعت کے لئے پھر عرض نہیں کیا۔ آخر میاں جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار خود ہی فرمایا کہ حافظ صاحب کیا اب بھی وہی خیال ہے؟ حافظ صاحب نے عرض کیا۔ حضرت میں تو دل سے بیعت ہو چکا ہوں کیونکہ بیعت اعتقادی ہے باقی بزرگوں پر اصرار کرنا بے ادبی ہے۔ اس لئے صورتِ بیعت پر میں نے اصرار نہیں کیا۔ فرمایا اچھا وضو کرکے آجاؤ اور بیعت ہوجاؤ۔

اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا

فرمایا: مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جواب اس اعتراض کے متعلق یہ ہے کہ اگر اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے تو یہ بتلاؤ کہ وہ شمشیر زن کہاں سے آئے تھے؟ کیونکہ تلوار خود تو نہیں چل سکتی۔ تو جن لوگوں نے سب سے پہلے تلوار چلائی ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اے اللہ اس نعمت کو نعمت عافیت سے مبدل فرمادیجئے۔

یہ طرز دعا سن کر ہماری آنکھیں کھل گئیں کہ سبحان اللہ کسی طرح ضدین کو جمع کیا کہ بلاء کا نعمت ہونا بھی باقی رکھا اور اس کے رفع کی دعا بھی فرمادی۔ اور کس خوبی سے اس وقت کا ادب ملحوظ رکھا۔ حسیات میں اس کا مشاہدہ ہے کہ بھنا ہوا گوشت نعمت ہے مگر ضعیف المعدہ اس کا تحمل نہیں کرسکتا اس کو ساگودانہ دیا جاتا ہے۔ دوسرے بلاء اور مصیبت میں بھی فرق ہے، بلاء کے معنی امتحان کے ہیں اور مصیبت وہ ہے جس سے پریشانی ہو اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بلاء کو نعمت فرمایا تھا۔

نہ کہ مصیبت کو۔ کیونکہ مصیبت تو نعمت ہوتی ہے اور اس کا سبب معاشی ہوتے ہیں اور بلاء سے محبین کا امتحان مقصود ہوتا ہے جو رفع درجات کا سبب ہے۔ اسی لئے حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے بلاء فرمایا ہے۔: ''اَشَدُّ النَّاسِ بَلاءً اَلْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ'' لوگوں میں شدید تر بلاء کے اعتبار سے انبیاء علیہم السلام ہیں پھر وہ لوگ جوان کے مماثل ہیں پھر وہ لوگ جوان کے مماثل ہیں۔

(ارضائ الحق حصہ اول، ص ۲۸، ضرورت الاعتناء بالدین، ص ۲۳)

اللہ والوں سے علم وفہم حاصل کرو

آدمی بزرگوں کے یہاں جائے اور علم وفہم نہ حاصل کرے تو یہ بڑے ہی مقامات میں حقوق اللہ سے مقدم ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اگر بینم کہ نابینا وچاہ است
اگر خاموش بنشینم گناہ است

''یعنی اگر میں یہ دیکھوں کہ کوئی اندھا جارہا ہے اور آگے کنواں ہے تو اس وقت اگر میں خاموش بیٹھوں (اور اس کا ہاتھ نہ پکڑلوں) تو یہ گناہ ہے''۔ اسی کے عموم میں یہ بھی داخل ہے کہ اگر کوئی شخص طاعت کررہا ہے اور اسے یہ معلوم ہو کہ کوئی شخص معرض ہلاکت میں پڑا ہوا ہے تو اس طاعت کو ترک کرکے اس کو بچانا ضروری ہے۔

حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی رعایتِ حُدود

چنانچہ اس کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دیکھ چکا ہوں۔ وہاں ان سب چیزوں پر بھی عمل تھا اس کی مثال سنئے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ نماز سے فارغ ہوکر بعد کی سنتیں پڑھ رہے تھے اتنے میں ایک شخص قصبہ سے بھاگتا ہوا آیا اور مسجد کے دروازہ

کے پاس آکر زور سے کہا کہ باجی کوٹھے پر سے گر گئیں ہیں۔ (حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے گھر میں کو، لوگ باجی صاحبہ کہتے تھے) حضرت رحمۃ اللہ علیہ جیسے ہی آواز سنی فوراً نماز کی نیت توڑ کر بڑی تیزی کے ساتھ مکان تشریف لے گئے اور جاکر انہیں دیکھا۔ ہم لوگ ہوتے تو آپس میں مشورہ ہی کرتے اور مشورہ پوچھتے رہ جاتے کہ کیا کرنا چاہئے اور کم از کم نماز پوری ہی کرلیتے لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ چونکہ شریعت سے پوری طرح واقف تھے حدود کو خوب سمجھتے تھے اس لئے سمجھے کہ اب یہ وقت اس عبادت کا نہیں ہے بلکہ مخلوق سے متعلق اس وقت ایک دوسرا حق سامنے آگیا ہے اس کی ادائیگی واجب ہے اس لئے بدون کسی تاخیر کے فوراً تیزی کے ساتھ تشریف لے گئے۔ دیکھا آپ نے یہ بتارہا ہوں کہ یہ بھی دین ہے بلکہ دین کا ایک ضروری حصہ ہے جسے ہم لوگ چھوڑے ہوئے ہیں اور مشائخ کے ہاں برسہابرس آمد ورفت رکھنے کے باوجود ہمارے دین کا یہ خلا پر نہیں ہوتا۔

جنت کا مزہ مصیبت زدہ کو زیادہ ملے گا

فرمایا: ایک مرتبہ میں نے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت حدیث میں جو آیا ہے کہ قیامت کے دن جب جنت نہ بھرنے کی شکایت کرے گی تو اللہ تعالیٰ ایک مخلوق پیدا کرے گا اور اسے بلاعمل جنت میں داخل کرے گا۔ تو یہ لوگ بڑے مزے میں ہوں گے۔ فرمایا انہیں کیا خاک مزہ ہوگا؟ وہ راحت کا کیا لطف اٹھائیں گے؟ جو راحت بعد کلفت کے حاصل ہو اس میں لذت ہوتی ہے جنت میں آرام وچین ان کو ہوگا جو مختلف شدائد اور آلام جھیلے ہوئے ہیں۔

اے ترا خارے بپانشکستہ دانی کہ چیست
حال شیرانے کہ شمشیر بلا برسر خورندا

(ارواحِ ثلاثہ، ص: ۳۷۷)

عوام الناس کو معافی کی خبر نہیں

فرمایا: حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب شیخ نہال احمد رئیس دیوبند کا نکاح ان کے والد نے کیا تو چماروں کو بھی زردہ پلاؤ فرینی وغیرہ کھلائی اور کھانے کو انہوں نے جس طرح ہوا کھائے مگر جب فرینی سامنے آئی تو اس کو چھوکر ان میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ یہ تھوک سا کیسا ہے؟ یعنی کیا ہے؟ واقعی جس نے ہمیشہ گڑ اور شیرا کھایا ہو وہ کیا جانے کہ قند میں کیا مزہ ہے؟ اور فرینی کیسی ہوتی ہے؟ اسی طرح معافی کی، عوام الناس عارفین کے کاموں کی حقیقت کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔

درنیابد حال پختہ ہیچ خام
پس سخن کوتاہ باید والسلام

''یعنی تجربہ کار آدمی کی حالت کو غیر تجربہ کار آدمی نہیں سمجھ سکتا۔ لہٰذا بات کو طول نہ دے''۔

یعنی بڑوں کی شان میں اعتراض کرنے سے اپنی زبان کو تھامے رکھ۔ اسی میں بھلائی و خیریت ہے۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی شان

فرمایا: ایک واقعہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دریافت ہوا کہ ایک درویش مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں امتحان درویشی لینے بڑے تزک واحتشام سے آئے۔ بہت سے گھوڑے اور خادم اور بھنگی اور گھسیارے وغیرہ بھی ساتھ تھے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے سب کی دعوت کی اور شاہ صاحب اور ان کے مخصوصین کی خدمت میں مصروف ہوگئے۔ شاہ صاحب کے نوکروں اور بھنگیوں کو اپنے ہاتھ سے اسی شان

کے برتنوں میں کھانا کھلایا جیسے برتنوں میں خود کھاتے تھے۔ درویش مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ انکسار اور خلق دیکھ کر مولانا کے کمال کے قائل ہوگئے۔ (شوق اللقاء، ص:۳۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے محبوب مشغلہ؟

مفکر اسلام مولانا عبدالماجد دریا آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا مشغلہ کیا تھا؟ کس شغل میں آپ زیادہ لگے رہتے تھے؟ کون سا کام آپ کو دل سے پیارا تھا؟ کیا تصنیف وتالیف؟ کیا لکھنا پڑھنا کیا بحث ومناظرہ؟ کیا منطق وفلسفہ؟ کیا ریاضی وہیئت؟ کیا تاریخ وجغرافیہ؟ کیا ملازمت ووکالت؟ کیا سیر وسیاحت؟ کیا تفریح وشکار؟ کیا نذر ونیاز لینا؟ کیا قبروں کی مجاوری؟ کیا کھانے اور کپڑے کا اہتمام؟ کیا مکان وجائداد کی فکر؟ کیا روپیہ جمع کرنا؟ کیا بیمہ اور بینک کا حساب کتاب؟ کیا آلات اور کلیں بنانا؟ کیا صنعت وحرفت؟ کیا شعر وافسانہ؟ کیا نعوذ باللہ ان مشغلوں میں آپ دن رات لگے رہتے تھے؟ کیا ان میں سے کوئی شغل آپ کی خاص دلچسپی اور اصلی ذوق کا تھا؟

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بشر تھے اور بشر کو دنیا میں جو کچھ پیش آتا ہے، سب کچھ اس افضل البشر صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پیش آیا۔ آپ کھاتے تھے، پیتے تھے، سوتے تھے، ہنستے تھے، روتے تھے، سردی گرمی محسوس کرتے تھے، رنج وراحت سے اثر لیتے تھے، بیوی بچوں سے تعلق رکھتے تھے، دوستوں رفیقوں سے ملتے جلتے تھے.... خرید وفروخت کرتے تھے، دشمنوں سے مقابلہ بھی کرتے تھے، اور درگزر بھی کرتے تھے، لیکن ان ساری مشغولیتوں کے درمیان، ان ساری مصروفیتوں کے باوجود، جو شے ہر وقت اور ہر آن، ہر حالت میں اور ہر موقع پر، آپ پر غالب وحاوی رہتی تھی، وہ کیا تھی؟ وہ یاد الٰہی اور صرف یاد الٰہی تھی۔ آپ آرام فرمانے لیٹتے تو اللہ ہی کا نام لیتے لیتے سو

جاتے، بیدار ہوتے تو اللہ ہی کا نام زبان پر ہوتا تھا۔ درمیان شب میں بار بار اٹھتے، اور ہر بار لب ہائے مبارک پر اللہ ہی کا نام ہوتا۔ مکان میں داخل ہوتے، تو اللہ کا نام لے کر، اور دم شریف باہر نکالتے تو پھر اللہ کا نام لے کر۔ بلندی پر چڑھتے تو اللہ اکبر کہتے ہوئے اور نشیب میں اترتے تو سبحان اللہ کا ورد کرتے ہوئے۔ سواری پر سوار ہوتے تو اللہ کو یاد کرتے ہوئے اور مقام پر پہونچتے تو پھر اسی اللہ کو پکارتے ہوئے۔ چلتے تو اسی کے نام کی رٹ تھی، اور رکتے تو اسی کے نام کی دھن تھی۔ خوشی ہوتی تو اسی کا شکر ادا کرتے تھے۔ اور رنج ہوتا تو اسی پر صبر فرماتے تھے۔ دشمنوں کے مقابلہ میں جاتے، تو اسی کے نام کی تکبیر کہتے ہوئے اور واپس تشریف لاتے تو اسی کی یاد میں سرشار۔ طہارت خانہ میں داخل ہوتے تو اپنے مولیٰ کا نام لیتے ہوئے اور باہر آتے تو اسی کا نام جپتے ہوئے۔ وضو کرنے بیٹھتے تو دعائیں پڑھتے جاتے، نیا کپڑا زیب جسم فرماتے تو اللہ کا نام پکارتے ایک صحابی رضی اللہ عنہ جو شب کو آستانۂ مبارک پر حاضر رہتے، بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کی تسبیح وتہلیل کی آواز سنتے سنتے میں تھک جاتا اور مجھے نیند آجاتی، بیویوں سے لطف ومحبت کی باتیں فرماتے ہوتے کہ اذان کی آواز کان میں آتی اور دفعتاً بیگانوں کی طرح اٹھ کھڑے ہوتے۔ مختصر یہ کہ سب سے زیادہ مفصل ومعتبر سیرت مبارک کے الفاظ ہیں:

اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاتے، وضو کرتے، نئے کپڑے پہنتے، سوار ہوتے، سفر میں جاتے، واپس آتے، گھر میں داخل ہوتے، مسجد میں قدم رکھتے، غرض ہر حالت میں دل وزبان ذکر الٰہی میں مصروف رہتے۔ امہات المومنین کا بیان ہے کہ ہر وقت اور ہر حالت میں زبان مبارک پر تسبیح وتہلیل جاری رہتی تھی''۔

اب آپ فرمائیے، کہ آپ کے وقت کا کتنا حصہ اللہ کی یاد میں گزرتا ہے؟ سال میں گئے ہفتے، مہینہ میں گئے دن، ہفتہ میں گئے گھنٹے، دن میں گئے منٹ، آپ

سچے دل سے اللہ کی یاد میں بسر فرماتے ہیں؟ اگر آپ ملازم ہیں تو اپنے افسروں کی رضا جوئی سے، اگر زمیندار ہیں تو اپنی جائداد کے انتظام سے، اگر تاجر ہیں تو اپنے کاروبار سے، اگر کسی اور پیشہ میں ہیں تو اس پیشہ کے متعلق اشغال سے، کچھ بھی وقت آپ اس کام کے لئے نکالتے ہیں؟ یا آپ کے نزدیک یہ چیز سرے سے غیر ضروری ہے؟ آپ اپنے رسول ﷺ کو اپنا سردار وپیشوا مانتے ہیں۔ کیا سردار کی اطاعت، اور پیشوا کی پیروی یوں ہی کی جاتی ہے؟ آپ سرور کائنات ﷺ کے ساتھ محبت کا دم بھرتے ہیں کیا محبوب کی پسندیدہ خصلتوں کا اسی طرح پاس ولحاظ کیا جاتا ہے؟ آپ کو رسول اللہ ﷺ کے اتباع کا حکم دیا گیا ہے کیا اتباع کے یہی معنی ہیں؟ کیا ذرہ کے لئے ممکن ہے کی آفتاب سے بے نیاز ہوکر اندھیرے میں چمک سکے؟ کیا موج کے لئے ممکن ہے کہ سمندر سے الگ ہوکر اپنی ہستی باقی رکھ سکے؟ کیا پتّے کے لئے ممکن ہے کہ درخت سے ٹوٹ کر اپنی سرسبزی وشادابی قائم رکھ سکے؟ اگر نہیں تو کیا آپ کے لئے ممکن ہے کہ آپ اپنی اصل سے اپنا رشتہ توڑ کر، دینی دینوی، کسی قسم کی فلاح وبہبود حاصل کرسکیں؟

عاقبت نہ سہی، اپنی دنیا ہی کو سنبھال لئے جائیں؟ کل نہیں، آج ہی اپنے دل کا چین اور سکھ، سکون واطمینان حاصل کرسکیں؟ دنیا کا نظام بہتر طریقہ پر قائم کرلیں؟ زندگی میں امن وعافیت زیادہ پیدا کرلیں؟ یونان نے یہ کوشش کی؟ رومہ نے یہ منصوبہ باندھا؟ ایران نے یہ ارادہ کیا؟ آج فرانس اور انگلستان، جرمنی اور روس، امریکہ وجاپان، اٹلی واسپین سب اسی کوشش، اسی فکر، اسی دھن میں ہیں، ان میں سے کوئی ذرہ بھر بھی کامیاب ہوا ہے؟ کیا آپ کو اب بھی عبرت نہ ہوگی، اور آپ بدستور اسی بات کو بھلائے رہیں گے، جو اکیلی یاد رکھنے کے قابل ہے۔

حکمت ودانائی، مومن کا گمشدہ خزانہ

علم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ اس کا نقطۂ آغاز ہی ''علم'' کے پاکیزہ اور مقدس لفظ اور ''پڑھو'' کے ایجابی حکم سے ہوا ہے۔ چنانچہ پیغمبر اسلام ﷺ پر جو سب سے پہلی وحی نازل ہوئی وہ ''پڑھنے'' کے ایجابی حکم سے ہی متعلق ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ. خَلَقَ الْاِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اِقْرَأْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ . الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ . عَلَّمَ الْاِنسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ .

پڑھئے! اپنے رب کے نام سے جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھئے آپ کا رب سب سے بڑا کریم ہے جس نے قلم سے انسان کو لکھنا سکھایا اور وہ سب کچھ سکھایا جس سے وہ ناواقف تھا۔ (العلق:۱-۵)

اللہ تعالیٰ نے تخلیق انسان کے بعد سب سے پہلے جس علم کی دولت سے بنی نوع انسان کو مالا مال کیا ''وہ علم اسماء'' ہے جس سے فرشتے بھی لاعلم تھے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِکَةِ فَقَالَ اَنبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ کُنتُمْ صَادِقِیْنَ. قَالُوْا سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ.

اس نے آدم کو ساری چیزوں کے اسماء سکھا دیئے، پھر ان چیزوں کو فرشتوں پر پیش کیا اور فرمایا ان کے اسماء بتاؤ اگر تم (اپنے دعویٰ میں) سچے ہو۔ انہوں نے عرض کیا: پاکی ہے تیرے لئے ہمیں تو اتنا ہی معلوم ہے جتنا تو نے ہمیں بتایا، بے شک تو علم وحکمت والا ہے۔ (البقرہ:۳۱-۳۲)

خود پیغمبر اسلام ﷺ کا تعارف قرآن نے ''معلم کتاب وحکمت'' کی حیثیت سے کرایا ہے اور اس ''معلم برحق'' کی بعثت کو مومنوں پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت بتایا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنفُسِهِمْ یَتْلُوْ عَلَیْهِمْ آیَاتِهِ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ.

بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان فرمایا کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاکیزہ کرتا ہے اور کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہیوں میں تھے۔ (آل عمران:۱۶۴)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا انسانی دنیا پر یہ عظیم احسان ہے کہ انہوں نے عرب جیسے جہالت پذیر اور غیر متمدن دنیا میں تعلیم وتعلم کا ایسا زبردست نظام قائم کیا کہ اسلام کے آغاز میں صرف پندرہ آدمی معلوم تاریخ کی روشنی میں پڑھنا لکھنا جانتے تھے لیکن آپ کے وصال کے وقت نہ صرف پورا جزیرۂ عرب بلکہ اس کے باہر کے ممالک میں بھی اسلام کا ہمہ گیر پیغام کے ساتھ ساتھ علم کی شمع پوری توانائی کے ساتھ فروزاں ہوچکی تھی۔

معلم کائنات ﷺ تحصیل علم کے ساتھ تحریر وکتابت پر بھی خاصا زور دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ معاشرے کے ہر طبقے اور ہر فرد میں خاص مقبول واشاعت پذیر ہوا۔

رسول اکرم ﷺ تحصیل علم کا کس قدر اہتمام فرماتے تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے جنگ بدر میں گرفتار کئے گئے قیدیوں سے زر فدیہ نہ دینے کی صورت میں ہر شخص کو مدینہ منورہ کے دس بچوں کو لکھنا پڑھنا زر

فدیہ کا بدل قرار دیا۔ ساتھ ہی زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ یہود کی زبان سیکھیں اورانہوں نے چھ مہینے کے اندر اس زبان کو سیکھا۔

اس طرح اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام میں کس قدر علم کی تحصیل اوراس کی اشاعت پہ لوگوں کو ابھارا گیا ہے۔ خود قرآن حکیم میں علم کا لفظ اپنی دوسری اشتقاقی صورتوں کے ساتھ تقریباً ۷۷۸ مرتبہ آیا ہے جس سے اسلام میں علم کی اہمیت اور عظمت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

آج کی اصطلاح میں جن علوم کو سائنسی علوم کہا جاتا ہے خود اس کے تعلق سے قرآن حکیم میں بے شمار آیات مذکور ہیں۔ قرآن نے علوم سائنس کے تمام شعبوں کی جانب بھرپور رہنمائی کی ہے چنانچہ کائنات گیتی کی وسعتوں میں، زمین کے اوپر نیچے بکھرے ہوئے ذروں اور معدنی ذخائر میں غور وفکر، تعقل وتدبر کو بروئے کار لاتے ہوئے گہرے مشاہدہ کی دعوت دی گئی ہے اوراس سلسلے میں سمع، بصر اور قلب کو واضح ذریعۂ علم ومشاہد قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ان تینوں ذرائع علم کو استعمال کر کے قرآن کریم خارجی کائنات کے متعلق علم حاصل کرنے پر بڑا زور دیتا ہے کیوں کہ اس علم کی بنیاد دلائل وبراہین اور حقائق ومشاہدات پر ہوتی ہے۔ جذباتی عقیدت مندی کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ قرآن کریم کے ساتھ ساتھ احادیث کا ایک قابل قدر ذخیرہ بھی ایسا ہے جس میں علم کی تحصیل واشاعت کے سلسلے میں بھرپور رہنمائی ملتی ہے۔ نیز عقلیاتی اور سائنسی علوم کی تحصیل پر بھی رہنما ہدایات سامنے آتی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے: اُطْلُبُو الْعِلْمَ وَلَوْ کَانَ بِالصِّیْنِ. علم کو تلاش کرو خواہ چین میں ملے۔

ایک دوسری حدیث میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی واضح فرمادیا کہ علم وحکمت میں کسی طرح کا امتیاز نہیں ہے وہ مرد مومن کا ورثہ اوراس کی متاع گم گشتہ ہے۔ جہاں ملے وہ اسے لینے کا حق دار ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

کَلِمَةُ الْحِکْمَةِ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ اَیْنَمَا وَجَدَهَا فَهُوَا حَقُّ بِهَا. (ترمذی شریف)

حکمت ودانائی کی بات مومن کا گم شدہ خزانہ ہے جہاں بھی اسے پائے وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔

قرآن کریم میں مختلف اشیاء کی حکمتوں، مصلحتوں، اور تخلیق ارض وسماوات کا مطالعہ اور مظاہر کائنات کے دوری (گردش) اختلافات کے مشاہدہ کے سلسلے میں کہیں پر یتفکرون (غور وخوض کرنے والے) کہیں پر یعقلون (سمجھنے والے) اور کہیں پر العالمین (علم والے) وغیرہ الفاظ کے ذریعہ فکر، عقل اور علم کے جذبات بیدار کئے گئے ہیں۔

قرآن مجید میں ''فکر'' کا لفظ ۴۹۰/مقامات پر مختلف انداز سے استعمال کیا گیا ہے جو غور وفکر اور تلاش وجستجو کیلئے ذہن انسانی کو جھنجھوڑتی ہوئی نظر آرہی ہیں۔ اس کا مطلب یہ قطعی نہ لیا جائے کہ قرآن سائنس کی کوئی کتاب ہے بلکہ وہ صرف ایسا اس لئے کرتا ہے کہ اسلام کے بنیادی افکار اور اسلام کی حقیقی اقدار کو مشاہدات کی روشنی میں ثابت کیا جاسکے اور خود بنی نوع انسان مظاہر عالم اور ان کے نظاموں میں غور وخوض کر کے حکمت تخلیق معلوم کر سکے اور صانع عالم کے وجود کا پتہ لگا سکے۔

ان تعلیمات قرآن وحدیث کا منطقی نتیجہ یہ سامنے آیا کہ پیروانِ اسلام نے دینی علوم کے ساتھ جو آنے والی زندگی کو کامیاب بنانے کیلئے ضروری ہیں عقلیاتی وطبعیاتی علوم کے حصول کو ضروری سمجھا اور ان علوم وفنون کی اشاعت میں غیر معمولی تاریخی خدمات انجام دیں جس کی قدرے تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔ سردست ان چند آیات کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جن میں عقلیاتی علوم، صحیفۂ کائنات کا مطالعہ اور نظام کائنات میں غور وفکر کر کے تسخیر کائنات کے لئے زبردست ہمت افزائی کی گئی ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

(۱) کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لئے کام میں لگائے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور تمہیں اپنی ظاہر اور چھپی نعمتیں بھرپور عطا کی۔ (لقمان:۲۰)

(۲) وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے بس میں دریا کر دیا کہ اس میں اس کے حکم سے کشتیاں چلیں، تاکہ اس کا فضل تلاش کرو اور حق کو تسلیم کرو اور تمہارے ہی لئے کام میں لگائے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اپنے حکم سے۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں غور کرنے والوں کے لئے۔ (الجاثیہ:۱۲-۱۳)

(۳) کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر تم نے اس سے پھل نکالے، رنگ برنگ کے اور کچھ کالے بھجنگ (یعنی بہت گہرے سیاہ) اسی طرح انسانوں اور جانوروں اور چوپایوں کے رنگ یوں ہی طرح طرح کے ہیں۔ اللہ نے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔ (فاطر:۲۷-۲۸)

(۴) اور اللہ نے زمین پر ہر چلنے والے جاندار کو پانی سے بنایا تو ان میں کوئی اپنے پیٹ کے بل چلتا ہے اور ان میں کوئی دو پاؤں پر چلتا ہے۔ اللہ بناتا ہے جو چاہے بے شک اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ (النور:۴۵)

(۵) کیا وہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کیسا بنایا گیا؟ اور آسمان کو کس طرح بلند کیا گیا؟ اور پہاڑ کس طرح کھڑے کئے گئے؟ اور زمین کس طرح بچھائی گئی؟ تو آپ نصیحت سنایئے اور آپ صرف نصیحت سنانے والے ہیں۔ (الغاشیہ:۱۸ تا ۲۱)

(۶) اور بے شک! تمہارے لئے چوپایوں میں عبرت حاصل ہونے کی جگہ ہے۔ ہم تمہیں پلاتے ہیں اور چیز میں سے جو ان کے پیٹ میں ہے، گوبر اور خون کے بیچ میں سے خالص دودھ، گلے میں آسانی سے اترنے والا پینے والوں کیلئے۔ (النحل:۶۶)

(۷) اور کیا انہوں نے اپنے اوپر پرندے نہ دیکھے پر پھیلاتے اور سمیٹتے؟ انہیں کوئی نہیں روکتا سوائے رحمٰن کے بے شک وہ سب کچھ دیکھتا ہے۔ (ملک:۱۹)

(۸) عنقریب ہم انہیں دکھائیں گے اپنی آیتیں دنیا بھر میں اور خود ان کے آپ میں یہاں تک کہ ان پر کھل جائے گا کہ بے شک وہ حق ہے۔ کیا تمہارے رب کا ہر چیز پر گواہ ہونا کافی ہے۔ (البقرہ:۲۵)

(۹) تو آدمی کو چاہئے کہ اپنے کھانوں کو دیکھے کہ ہم نے اچھی طرح پانی پھر زمین کو خوب چیرا تو اس میں اگایا اناج اور انگور اور زیتون اور کھجور اور گھنے باغیچے اور میوے اور دودھ، تمہارے فائدے اور تمہارے چوپائے کے فائدے کیلئے۔ (عبس:۲۴-۳۲)

(۱۰) بے شک! آسمانوں اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین والوں کے لئے۔ یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں، اور اس میں کہ اللہ نے آسمان سے روزی کا سبب مینہ اتارا تو اس سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کیا اور ہواؤں کی گردش میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لئے۔ (الجاثیہ:۲۵)

خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون کا اصول اور طریقہ کار

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ کی خانقاہ میں اور مدرسہ میں یہ طریقہ تھا کہ استادوں کیلئے گھنٹے مقرر تھے کہ فلاں وقت میں وہ استاد آئے گا اور فلاں کتاب پڑھائے گا اور مدرسہ کی طرف سے کوئی قانون اور ضابطہ مقرر نہیں تھا، مگر ہر شخص کا مزاج بنا دیا گیا تھا۔ اسلئے جب کوئی استاد تاخیر سے آتا تو وہ رجسٹر پر نوٹ لکھ دیتا کہ آج میں اتنی تاخیر سے آیا اور اگر مدرسہ کے اوقات کے درمیان کوئی دوست یا کوئی عزیز رشتہ دار ملاقات کیلئے آ گیا اور اس کے ساتھ بات چیت میں مشغول ہو گئے تو اس وقت گھڑی دیکھ کر استاد وقت نوٹ کر لیتا کہ یہ دوست اس وقت آیا اور اس وقت گیا اور آدھا گھنٹہ دوست کے ساتھ بات چیت میں

صرف ہوگیا اور جب تنخواہ وصول کرنے کا وقت آتا تو وہ پورے مہینے کا گوشوارہ پیش کرتا اور ایک درخواست پیش کرتا کہ ہم سے اس ماہ میں یہ کوتاہی ہوئی ہے اور ہم نے اتنا وقت اپنی ذاتی مصروفیات میں خرچ کر دیا تھا، لہٰذا اتنے وقت کی تنخواہ ہماری کاٹ لی جائے۔ اس طرح ہر استاد مہینے کے ختم پر درخواست دے کر اپنی تنخواہ کٹواتا تھا۔

تنخواہ کاٹنے کی درخواست

الحمدلہ، ہم نے دارالعلوم کراچی میں بھی یہ طریقہ رکھا ہوا ہے اور صدر سے لے کر چپراسی تک ہر ایک کے ساتھ یکساں معاملہ کیا جاتا ہے کہ جتنا وقت ذاتی مصروفیات میں استعمال ہوا ہے اس کی تنخواہ کٹوا دیتے ہیں۔ آج کے دور میں تنخواہ بڑھانے کی مثالیں تو بہت ملیں گی لیکن کوئی درخواست آپ نے ایسی نہیں دیکھی ہوگی جس میں اس نے یہ درخواست دی ہو کہ میں نے ملازمت کے اوقات کے درمیان اتنی دیر اپنا کام کرلیا تھا لہٰذا میری اتنی تنخواہ کاٹ لو۔ کیونکہ وہ حرام ہے، وہ میرے لئے حلال نہیں۔ آج اس کا کسی کو خیال نہیں۔

اپنے فرائض صحیح طور پر انجام دو

اس کی وجہ یہ ہے کہ آج یہ نعرہ تو لگایا جاتا ہے کہ ہمارا حق ہمیں پورا ملنا چاہئے۔ لیکن ہم اپنا فریضہ پورا ادا کریں اور ہمارے ذمہ جو واجبات ہیں ان کو ادا کریں، اس کی کسی کو فکر نہیں، قرآن وحدیث یہ کہتے ہیں کہ ہر شخص اپنے فرائض بجا لانے کی فکر کرے۔ جب ہر انسان اپنے فرائض صحیح طور پر بجالائے گا تو دوسروں کے حقوق خود بخود ادا ہو جائیں گے۔

بہر حال! اوقات میں چوری کرنا امانت میں خیانت ہے اور اس کے نتیجے میں اچھی خاصی حلال ملازمت کی آمدنی کو حرام بنا لیتے ہیں۔ اگر یہی سرکاری ملازم

صبح کو صحیح وقت پر آئے اور شام کو صحیح وقت پر جائے اور اپنے فرائض کو صحیح طور پر بجا لائے اور دل میں یہ نیت کرے کہ یا اللہ! میں آپ کی مخلوق کی خدمت کیلئے یہاں بیٹھا ہوں، چونکہ پیٹ اور اپنی بیوی بچوں کا پیٹ پالنے کیلئے تنخواہ ضروری ہے اس وجہ سے تنخواہ لیتا ہوں، لیکن میری نیت یہ ہے کہ میں مخلوق کی خدمت کروں تو اس صورت میں یہ پورے آٹھ گھنٹے اس کے لئے عبادت اور اجر وثواب کا باعث بن جائیں گے۔ اور تنخواہ بھی حلال ہوگی، لیکن اگر اوقات کی چوری کرلی۔ یا اپنے فرائض پورے طور پر انجام نہیں دیئے تو اس نے حلال آمدنی کو حرام بنالیا۔ اس تنخواہ کو آگ کے انگارے بنالئے۔

حلال اور حرام میں فرق ہے

آج ان پیسوں میں فرق نظر آرہا ہے، بلکہ حلال اور حرام دونوں دیکھنے میں یکساں نظر آرہے ہیں لیکن جب یہ ہماری ظاہری آنکھیں بند ہوں گی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی اس وقت پتہ چلے گا کہ یہ حرام آمدنی جو لے کر آیا تھا وہ آگ کے انگارے تھے جو وہ اپنے پیٹ میں بھر رہا تھا، قرآن کریم نے ارشاد فرمایا کہ: اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتَامٰی ظُلْماً اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَاراً. (النساء:۱۰) یعنی جو لوگ یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔ آج ہماری پوری قوم عذاب میں مبتلا ہے، کسی کو سکون نہیں ہے، کسی کو چین نہیں ہے کسی کو آرام نہیں ہے، کسی کا مسئلہ حل نہیں ہوتا، ہر ایک انسان بھاگ دور میں مبتلا ہے۔ یہ سب اسلئے ہے کہ امانت میں خیانت کرنا اس قوم کی گھٹی میں پڑ گئی ہے اور جس قوم کو حلال اور حرام کی پرواہ باقی نہ رہی ہو، فلاح کہاں سے پائے گی قرآن کریم کا فرمان یہ ہے کہ فلاح ان لوگوں کو ملے گی جو امانتوں کا اور عہد کا پاس کرنے والے ہیں۔

عاریت کی چیز امانت ہے

امانت کی ایک اہم قسم یہ ہے کہ دوسرے کی کوئی چیز آپ کے پاس عاریتاً آ گئی ہے، ''عاریت'' کا مطلب یہ ہے کہ جیسے کہ دوسرے کی کوئی چیز استعمال کے لئے لینا مثلاً کوئی کتاب دوسرے سے پڑھنے کے لئے لے لی، یا دوسرے کا قلم لے لیا، یا گاڑی لے لی یہ چیزیں امانت ہیں، لہٰذا پہلی بات تو اس میں یہ ہے کہ جب ضرورت پوری ہوجائے اس کے بعد جلد از جلد اس چیز کو اس کے مالک تک پہنچانا ضروری ہے، آج لوگ اس کی پرواہ نہیں کرتے، چنانچہ ایک چیز وقتی ضرورت کے ساتھ آپ نے دوسرے سے لے لی تھی۔ اب ضرورت ختم ہوگئی، لیکن وہ چیز آپ کے پاس پڑی ہوئی ہے، واپس پہنچانے کی فکر نہیں ہے۔

شریعت کی مصلحت، عمل کرنے کے بعد ظہور میں آتی ہیں

حضور سرورِ عالم ﷺ کی وفات کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے، اس وقت تین اہم امور درپیش تھے۔ ایک تو مانعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کرنے کے متعلق اختلاف رائے تھا۔ دوسرے مرتدین کے خلاف لشکر بھیجنا تھا۔ جو مسیلمہ کذاب سے جا ملے تھے، تیسرے جیش اسامہ کی روانگی کا مسئلہ تھا جس کے جھنڈے کو خود حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے باندھا تھا مگر قبل روانگی حضور ﷺ مرض وفات میں علیل ہوگئے۔ اور وہ لشکر بھی اس پریشانی میں روانہ نہ ہوسکا۔ مانعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کے جواز ہی میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کلام تھا۔ لیکن صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ قطعی رائے تھی کہ ان کے خلاف جہاد کرنا واجب ہے۔ کیونکہ وہ تاویل کے ساتھ ایک رکن اسلام کے منکر تھے۔ اور ضروریات دین میں تاویل دافع کفر نہیں۔

چنانچہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے نہایت شدومد کے ساتھ فرمایا کہ اگر کوئی شخص حضور سرورِ عالم ﷺ کے زمانہ میں ایک رسی بھی زکوٰۃ میں نکالتا تھا اور اب دینے سے انکار کرتا ہے تو میں اسکے خلاف بھی جہاد کروں گا چاہے کوئی میرا ساتھ دے یا نہ دے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: **اجبار فی الجاهلية خوار فی الاسلام** کیا تم جاہلیت میں تو بہت مضبوط شجاع اور بہادر تھے، اسلام میں آ کر ایسے بودے اور دبو ہوگئے۔

یہ تقریر سنکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اس کے متعلق بالکل شرح صدر ہوگیا۔ نیز حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی یہ بھی رائے تھی کہ جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کو ابھی نہ روانہ کیا جائے۔ کیونکہ اندرون ملک میں جو گڑبڑ ہے پہلے اس کو رفع کیا جائے۔ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس جھنڈے کو حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے باندھا ہے میں اس کو کسی حال میں نہیں کھول سکتا ہوں۔ میں اس لشکر کو ضرور روانہ کروں گا۔ چاہے مدینہ کے اندر کتنا ہی فتنہ فساد کیوں نہ برپا ہوجائے، حتی کہ میں اس کی بھی پرواہ نہ کروں گا کہ فتنہ فساد کی وجہ سے خدانخواستہ ''امہات المومنین'' مقدس بیبیوں کی ٹانگیں پکڑ کر کتے مدینہ کی گلیوں میں گھسیٹے پھریں۔ چنانچہ یہ ہی کیا اور تینوں کام ایک ساتھ شروع کردیئے۔ مانعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کی کاروائی بھی شروع کردی۔ اور مرتدین کے مقابلہ میں بھی لشکر کشی فرمادی اور جیش اسامہ کو بھی روانہ کردیا۔ اس سے تمام کفار پر رعب طاری ہوگیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس اندرونی کوئی بڑی زبردست قوت ہے کہ تین تین جگہ لڑائی چھیڑ رکھی ہے۔

دیکھئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شریعت مقدسہ پر بلا لحاظ دیگر مصالح کے عمل فرمایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سب کفار مغلوب اور مرعوب ہوگئے۔ جس کا پہلے سے کسی کو علم بھی نہ تھا مسلمانوں کی دھاک تمام بلاد وامصار میں بیٹھ گئی۔ غرض اکثر شریعت مقدسہ کے مصالح اس پر عمل کرنے کے بعد معلوم ہوتے ہیں۔

پسینہ بھی نکلا یا نہیں؟

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ آج کل جب لوگ کہیں ملازمت کرتے ہیں یا مزدوری کرتے ہیں تو یہ حدیث بہت یاد رہتی ہے کہ مزدور کو اس کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو، مگر میں یہ عرض کرتا ہوں کہ یہ بھی تو دیکھو پسینہ نکلا بھی یا نہیں؟ ہمیں پسینہ نکلنے کی تو کوئی فکر نہیں ہے کہ جس کام میں میرا پسینہ نکلنا چاہئے تھا وہ نکلا یا نہیں؟ اور واقعتاً ہم اجرت کے حقدار بنے یا نہیں؟ اس کو تو کوئی نہیں دیکھتا بس یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ مزدوری ادا کرو، بہر حال یہ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی اور یہ اوقات کا چرانا، یہ سب امانت میں خیانت ہے اور اس کے عوض جو پیسے مل رہے ہیں وہ حرام ہیں وہ انسان اپنے پیٹ میں آگ کے انگارے کھا رہا ہے۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا اہتمام نماز

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے: صلاح الدین پسر کریم الدین و نصیر الدین غزلخواں نے یہ بیت شروع کر دی۔

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

یعنی خنجر تسلیم و رضا کے قتل کئے ہوؤں کو ہر وقت ایک دوسرے قسم کی جان غیب سے ملتی رہتی ہے۔

اس بیت کے سنتے ہی آپ پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ دس گز زمین سے اچھلنے لگے۔ تین روز تک یہی حالت رہی۔ سوائے نماز کے اور کسی وقت ہوش نہ ہوتا۔ جب نماز پڑھ لیتے پھر وجد کرنے لگتے۔

ارشادات حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ

تھانہ بھون میں ایک شیعی تھانہ دار تھے ان کا ایک لڑکا تھا وہ درویشوں کا بہت معتقد تھا وہ کہتا تھا کہ میں ایک روز چاندنی چوک میں جا رہا تھا کہ ایک مجذوب پر نظر پڑی جو برہنہ سر اور برہنہ پا تھے میں نے ان کو دیکھتے ہی دل میں یہ ارادہ کیا کہ بازار سے خرید کے ان کو جوتا اور ٹوپی پہناؤں گا۔ یہ خیال آنا تھا کہ ان مجذوب نے بہت ڈانٹ کر یہ شعر پڑھا ؎

پا برہنہ نیستم دارم کلاہ چار ترک
ترکِ دنیا ترکِ عقبیٰ ترکِ مولیٰ ترک ترک

''اس شعر کی تاویل اہل طریق جانتے ہیں'' پھر اس شیعی لڑکے نے تھانہ بھون کے لئے دعا کرائی۔ کہتا تھا (خدا جانے سچ یا جھوٹ) کہ اس مجذوب نے کہا کہ تھانہ بھون کے لئے کراتا ہے ارے وہ قصبہ تو اس قابل ہے کہ غرق کر دیا جائے مگر دو شخصوں کی وجہ سے بچا ہوا ہے ایک مردہ کی وجہ سے اور ایک زندہ کی وجہ سے۔ مردہ تو شاہ ولایت صاحب کو بتایا کہ وہ قبر میں مچل رہا ہے غرق نہیں ہونے دیتا۔ زندوں میں میرا نام لیا۔ مگر ان کشفوں سے کیا جی خوش ہو۔ کشف کوئی حجت شرعی نہیں۔ بڑی چیز تو شریعت ہے اور کسی چیز کا اعتبار نہیں۔

خلاصہ

پا برہنہ نیستم دارم کلاہ چار ترک
ترکِ دنیا ترکِ عقبیٰ ترکِ مولیٰ ترک ترک

یعنی اے بندۂ خدا! مجھے ننگے پاؤں دیکھ کر مفلس و نادار، حقیر و ذلیل ہرگز نہ سمجھنا کیوں کہ میں عظیم الشان باطنی دولتیں رکھتا ہوں۔ چار قسم کے ترک کا تاج

میرے سر پر ہے۔ترک دنیا، ترک عقبیٰ، ترک مولیٰ اور تر ترک۔یعنی دنیا اور اس کی محبت کا ترک، عقبیٰ اور اس کے اجر وثواب سے بے التفاتی، اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مراتب عالیہ اور بزرگی وجاہ کی تحصیل سے صرف نظر، اس کے بعد ان تمام تروک سے بھی بے توجہی اور صرف نظر۔

حاصل یہ کہ دنیا کی محبت سے ہاتھ دھو چکا ہوں۔اسی طرح آخرت کے اجر وثواب کو خیر کہہ چکا ہوں۔اور اپنے خالق ومالک کی بارگاہ عالی میں علو مرتبت اور قدر وجاہ کی طلب بھی دل سے نکال دی ہے۔اس لئے کہ بندے کا وظیفہ عبدیت وبندگی اور اپنے مولیٰ کے سامنے تذلل وانکسار، ذلت وخواری پیش کر کے ان کی رضاء وخوشنودی طلب کرنا ہے نہ کہ بڑا بننا۔اور مراتب حاصل کرنا عظمت وجلال، کبریائی وبڑائی اسی ذات بے ہمتا کے لئے زیبا ہے۔تصوف کی اصطلاح میں اسی ترک کو فنا کہتے ہیں۔اور اپنے فناء کا بھی علم اور ادراک نہ رہ جائے اس کو فناء در فنا اور فناء الفناء کہتے ہیں۔

تو دروگم شوکمال اینست وبس
گم شدن گم کن وصال اینست وبس

تو مجذوب نے گویا یہ کہا کہ میری اس ظاہری خستہ حالی سے دھوکہ نہ کھانا اس لئے کہ ہم غریب ہیں مگر اس قسم کے غریب ہیں کہ

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں
کہ ناز برفلک وحکم برستارہ کنم

(میں میکدۂ عشق کا ایک ادنی گدا ہوں لیکن مستی کے وقت دیکھ کہ فلک پر ناز اور ستاروں پر حکومت کرتا ہوں)

اور اس قسم کے غریب ہیں کہ:

مبیں حقیر گدایان عشق راکیں قوم
شہان بے کمر وخسرو ان بے کلہ اند

(ان گدایان عشق کو ذلیل وحقیر نہ سمجھو۔کیونکہ یہ بے پٹکے اور تاج کے بادشاہ ہوتے ہیں)۔

اور ایسے غریب ہیں کہ:

در سفالیں کاسۂ رنداں بخواری منگرید
کیں حریفاں خدمت جام جہاں بیں کردہ اند

(ان رندوں کے مٹی کے پیالے کو ذلت وحقارت سے نہ دیکھو۔اس لئے کہ ان دوستوں نے جام جہاں بیں کی خدمت کی ہے)۔

اور ایسے غریب ہیں کہ:

ما اگر قلاش وگر دیوانہ ایم
مست آں ساقی وآں پیمانہ ایم

(اگر ہم مفلس اور دیوانے ہیں تو کیا پرواہ ہے کیونکہ ہم اس ساقی اور پیمانہ کے مست ہیں۔یعنی محبوب حقیقی کے عشق میں شیفتہ وسرمست ہیں (جس کے سامنے کسی دولت وسلطنت کی کوئی حقیقت نہیں)

اس مضمون فناء در فناء اور ترک مولیٰ بمعنی ترک طلب جاہ عند المولیٰ کی مزید توضیح کیلئے سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہٗ کا ایک ملفوظ ملاحظہ فرمائیے۔

حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشد اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہٗ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ العزیز فرماتے تھے کہ جیسے جاہ عند الخلق مذموم ہے محققین کے نزدیک جاہ

عندالخلق بھی اسی درجہ میں مذموم ہے۔حاصل اس کا یہ ہے کہ جیسے نیک کام اس لئے کرنا کہ میں خلق کے نزدیک بزرگ اور بڑا بن جاؤں یہ برا ہے۔اسی طرح طاعت اس لئے اختیار کرنا کہ میں خالق کی نظر میں صاحب جاہ بنوں، یہ بھی اہل بصیرت کے نزدیک امر منکر ہے، برا ہے۔اس لئے کہ کبریائی تو خاصہ خاص باری تعالیٰ کا ہے حق تعالیٰ کے ہوتے ہوئے جاہ کے کسی مرتبے کی بھی ہوس زیبا نہیں۔

(ترجیح المفسدہ علی المصلحۃ ص:۱۸۰،اشرف المسائل)

حکم کی تعمیل گوہر کی حفاظت سے زیادہ اہم ہے

محمود ایاز کو سلطان محمود بہت زیادہ مانتا تھا۔ بڑے بڑے وزراء تھے ان کو شبہات تھے کہ بادشاہ اس کو اتنا زیادہ کیوں مانتا ہے۔ایک روز اس نے یہ کیا کہ اپنا بیش قیمت گوہر جو ساری دنیا میں نایاب تھا اس کو منگوایا اور ایک وزیر کو دیا کہ اس کو توڑ دو۔اس نے کہا کہ حضور یہ ایسا نایاب گوہر ہے اگر ٹوٹ جائے گا تو پھر کہاں ملے گا؟ ساری دنیا میں نایاب ہے۔یہی دوسرے وزیر نے بھی کہا اور تیسرے نے بھی۔ اس پر مولانا روم لکھتے ہیں کہ دنیا تقلید پر قائم ہے یعنی ایک وزیر نے نہیں توڑا تو سارے عملہ نے نہیں توڑا۔ پھر ایاز سے کہا کہ ایاز اس کو توڑ دو۔اس نے توڑ دیا تو بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ کسی نے نہیں توڑا تم نے کیوں توڑ دیا؟ تو کہا کہ حضور غلطی ہوگئی، بادشاہ نے پوچھا کہ آخر غلطی کی وجہ کیا ہوئی تو کہا کہ ان لوگوں نے گوہر تو نہیں توڑا لیکن حضور کا حکم توڑ دیا۔ مجھ کو یہ بات گوارا نہیں ہوئی میں نے سوچا کہ گوہر بلا سے ٹوٹ جائے لیکن حضور کا حکم نہ ٹوٹنے پائے۔ بادشاہ نے وزرا سے کہا میں اسی وجہ سے اس کو مانتا ہوں دیکھو کیا کہہ رہا ہے گوہر کا ٹوٹنا مجھ کو گوارہ تھا لیکن حضور کے حکم کا توڑنا گوارہ نہیں ہوا۔

نسبت کے لحاظ سے کامیابی حاصل ہوتی ہے

مصلح الامت حضرت شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک واقعہ بار بار بیان فرماتے تھے کہ ایک آدمی تھا جب اس کا انتقال ہوگیا اور لوگ دفن کر چکے تو نکیرین اس کے پاس آئے اور اس سے پوچھا: من ربک تو اس نے کہا میں اور کچھ نہیں جانتا میں بڑے پیر صاحب کا دھوبی ہوں۔ اس کہہ دینے کی وجہ سے اس سے سوال معاف ہوگیا اور وہ فرشتے چلے گئے۔

حضرت فرماتے تھے کہ اب علماء اس کو شریعت کے قاعدے سے حل کریں؟

میں کہتا ہوں کہ یہ غلط کیسے کہا جا سکتا ہے بلکہ اس کو مانا جائے گا۔

سنئے بزرگان دین کی نسبت یہاں (دنیا میں) بھی مقبول ہوتی ہے اور وہاں (آخرت میں بھی) جتنی نسبت ہوگی اتنی ہی کامیابی ہوگی۔ اور اسی کے اعتبار سے قبولیت ہوگی۔

اللہ والوں کی نسبت کا اثر

ہم نے ایک آدمی سے کہا جو وعظ وغیرہ کہا کرتے تھے کہ ہم تو وعظ کہنا جانتے نہیں لیکن اس کے باوجود جو تم دیکھتے ہو کہ اتنے زیادہ آدمی آتے ہیں جانتے ہو کیا بات ہے؟ پھر میں نے کہا کہ بات یہ ہے کہ:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت حاصل ہے اور وہی نسبت پوچھی جارہی ہے اگر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت نہ ہوتی تو تم لوگ ہم جیسے لوگوں کو کب پوچھتے ہو؟ مگر اب چونکہ حضرت سے نسبت حاصل ہے اس لئے بھلا تمہاری مجال ہے کہ چھوڑ دو۔ (از وصیۃ العرفان، شمارہ اکتوبر ۲۰۰۹ء شوال ۱۴۳۰ھ)

حضرت شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کی جاں سپردگی کا عالم

حضرت شیخ عبدالقدوس ہی کے بارے میں منقول ہے کہ مرض الموت کی حالت میں عبادت کے اندر کسی قسم کا تفاوت نہ پیدا ہو باوجود یکہ محویت کامل طور پر تھی۔ایک رات ستر بار وضو کر کے نماز تحیۃ الوضو پڑھی اخیر میں وضو کیلئے اشارہ کیا اور دو رکعت نماز کی نیت باندھی اور رکوع وسجدہ اشارہ سے کیا اسی حالت میں انتقال فرمایا۔

حسن تلاوت کا لحاظ

باوجود غلبۂ احوال کے دینی احکام کے عزیمتوں کی رعایت اس قدر مہتم بالشان تھی کہ ایک دفعہ امام مسجد وقت پر نہ آئے اور ان کے فرزند شیخ عبدالنبی آگے بڑھے اور امامت کی تو اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ کے درمیان وقف کر دیا شیخ نے نماز کا اعادہ فرمایا اور بہت غصہ سے فرمایا کہ احداث اور نوجوان کو منع کیا جائے کہ وہ امامت نہ کریں اور لوگوں کی نماز کو فاسد نہ کریں۔کیا اتنی بات بھی نہیں جانتے کہ موصول صلہ سے مل کر بمنزلہ ایک کلمہ کے ہوتا ہے کہ اس کے درمیان میں قطع کرنا درست نہیں ہے اور وقفہ اس کے درمیان میں جائز نہیں۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہی غایت درجہ متبع سنت تھے

اور حضرت شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں فرماتے ہیں:

''باوجود کثرت جذبات وتوفیر غلبات در اتباع سنت سنیہ بعنایت متقن بود در التزام عزائم امور دینیہ سخت متمکن''۔یعنی باوجود جذبات کی کثرت اور غلبۂ احوال کے سنت سنیہ کے اتباع میں غایت درجہ مضبوط تھے اور دین کی عزیمتوں پر التزام کرنے میں بہت ثابت قدم تھے''۔

تعلیم کی اہمیت

حضرت شیخ قدس سرہٗ کی زبان مبارک سے سنا کہ جس زمانہ میں شیخ کے بچے دہلی میں پڑھتے تھے جب کبھی ان کو والد بزرگوار کی زیارت کا شوق اور امنگ ہوتی تو ان کی خدمت میں عریضہ لکھتے کہ اگر امر عالی اور اجازت ہو تو آستانۂ عالیہ کے تقبل (حاضری) کی تیاری کریں۔شیخ فرماتے کہ ان بچوں کے آنے سے ان کے تعلیم کا حرج ہوگا۔اس لئے ہم کو ہی ان کے پاس چلا جانا چاہئے۔چنانچہ باوجود اس کبرسنی اور ناتوانی کے خود دہلی تشریف لے جاتے تھے۔

حالت مغلوبیت میں بھی احکام شرعیہ کی پابندی

صاحب اقتباس الانوار نے سیر السالکین سے نقل کیا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا حال کبھی جمال اور کبھی جلال کا ہوتا تھا۔چنانچہ جس وقت جمال کا غلبہ ہوتا تھا تو اس میں ایسے مستغرق اور بے خبر ہو جاتے کہ اس عالم کا کچھ ہوش نہیں رکھتے تھے۔جب نماز کا وقت آتا تو حضرت خواجہ قطب الدین اور قاضی حمید الدین ناگوری ان کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوتے اور بآواز بلند الصلوٰۃ الصلوٰۃ کہتے تھے۔حضرت خواجہ کو کچھ خبر نہیں ہوتی تھی۔دوبارہ ان کے کان میں الصلوٰۃ الصلوٰۃ کہتے تھے پھر بھی کچھ خبر نہ ہوتی تھی۔یہ دونوں خدام حضرت کا شانہ پکڑ کر ہلاتے تب آنکھ کھولتے اور یہ فرماتے کہ ''از شرع محمدی چارہ نیست سبحان اللہ از کجا بکجا آوردند۔یعنی شرع محمدی سے چارہ نہیں ہے۔سبحان اللہ کہاں سے کہاں مجھ کو لے آئے۔(یعنی مشاہدہ میں غرق تھے اس سے ادھر توجہ کرنی پڑی) یہ فرما کر وضو کرتے اور نماز پڑھتے تھے۔

دیکھئے ایسی مغلوبیت کی حالت میں بھی احکام شرعیہ کو تاہی نہیں کرتے تھے اوران کے خلفاء بھی کیسی رعایت کرتے تھے۔ان کے لوگوں کوان کا یہ حکم تھا کہ ایسے وقت میں وضوکراؤ اور نمام پڑھاؤ اس واسطے یہ لوگ نہایت ادب کے ساتھ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے اور نماز کی اطلاع کرتے۔اس واسطے کہ سمجھتے تھے کہ شیخ اس وقت دوسری حالت میں ہیں۔

حضرت نظام الدین اولیاء کا سفرِ آخرت

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ السنۃ الجلیہ میں فرماتے ہیں کہ: حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں منقول ہے کہ محرم کی پانچویں شب کوان پر تکلیف کی شدت ہوئی۔عشا کی نماز جماعت سے پڑھی اس کے بعد بیہوش ہوگئے ایک گھنٹہ کے بعد ہوش میں آئے تو پوچھا کہ میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں،فرمایا کہ لاؤ ایک بار اور پڑھ لوں۔کون جانتا ہے کہ کیا ہو؟ دوسری بار نماز ادا کی پھر بیہوش ہوگئے اس مرتبہ بیہوشی زیادہ ہوگئی پھر ہوش میں آئے اور فرمایا کہ میں نے نماز عشاء کی ادا کی ہے؟ خادموں نے عرض کیا کہ آپ دوبارہ ادا کر چکے ہیں۔فرمایا کہ ایک دفعہ اور پڑھ لوں خدا جانے کیا ہو؟ تیسری مرتبہ نماز پڑھی اس کے بعد فرمایا:یا حی یا قیوم اور انتقال فرما گئے۔

وقت کا سب سے بڑا قانون

اگر مثلاً خدانخواستہ کسی گاؤں میں آگ لگ گئی ہو اور تیزی سے پھیل رہی ہو تو آرام سے اس کو بجھانا،چھوٹی چھوٹی شیشیاں اور چھوٹے چھوٹے پیالے لے کر ان میں پانی ڈالنے کے لئے احتیاط سے نکل کھولنا اور پھر آگ پر پانی آرام سے ڈالنا۔

اس سے کام نہیں چلے گا۔جب آگ سارے گاؤں کو جلا کر خاکستر بنانے کے لئے تیار ہو اور ایسا نظر آرہا ہو کہ اب چند گھنٹوں میں یہ گاؤں جل کر خاکستر ہو جائے گا اور مویشی،آدمی،مال اور جان سب کے سب ختم اور جل کر راکھ ہو جائیں گے تو اس وقت کھانا کھانے والے کھانا چھوڑ دیتے ہیں اس وقت کھیتی کرنے والے کھیت چھوڑ کر چلے آتے ہیں اس وقت دکانوں پر بیٹھنے والے دکانوں کو کھلا چھوڑ کر آگ بجھانے کے لئے کود پڑتے ہیں اس وقت جو ماں اپنے بچوں کو دودھ پلا رہی ہوتی ہے وہ بچوں کو پھینک دیتی ہے اور دیوانوں کی طرح دوڑ پڑتی ہے اس وقت بیمار اپنی بیماری کو نہیں دیکھتا،اپنے بستر سے کود کر کے دوڑ آتا ہے وہ جانتا ہے کہ اگر یہ آگ ہمارے گھروں تک پہنچ گئی تو اس چارپائی پر پڑا پڑا جل کر خاک ہو جاؤں گا۔

اس وقت کا سب سے بڑا قانون اس وقت کا سب سے اخلاق اور اس وقت کا سب سے بڑا فریضہ یہ ہوتا ہے کہ سارے کام بند کرو اور اس آگ کو بجھاؤ۔اگر یہ آگ تھوڑی دیر اور رہ گئی تو نہ کتب خانے باقی رہیں گے نہ مدرسے باقی رہیں گے نہ خانقاہیں باقی رہیں گی نہ مسجدیں باقی رہیں گی۔(مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں!

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والد ابوطالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف کی پیدائش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے ۳۵ سال پہلے ہوئی تھی۔وہ قریش کے ان ممتاز لوگوں میں سے تھے،جو حکم اور تنازعات میں فیصلہ کرنے والوں کا درجہ رکھتے تھے،اہم مسائل میں لوگ انہی سے رجوع کرتے تھے۔

ابوطالب کوئی صاحب ثروت ودولت آدمی نہ تھے ،لیکن وہ اپنے والد عبدالمطلب کی وصیت کے مطابق اپنے بھتیجے (محمد ﷺ) کو اپنے فرزند سے بھی زیادہ عزیز رکھتے تھے،اپنے ساتھ سلاتے ،کہیں جاتے تو اپنے ساتھ لے جاتے ، ان کو اس سے پہلے کسی سے وہ تعلق خاطر نہیں ہوا تھا جو برادر زادۂ عزیز سے ہوا کھانے میں بھی ان کے ساتھ خصوصیت برتتے تھے۔

ابوطالب کے چار صاحبزادے تھے: طالب (جن کے نام سے آپ کنیت کرتے تھے) دوسرے عقیل، تیسرے جعفراور چوتھے علی اور دو صاحبزادیاں تھیں۔ ام ہانی اور جمانہ اور یہ سب فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھیں اوران تمام بھائی بہنوں میں دس دس سال کا فرق تھا، چنانچہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے دس سال چھوٹے تھے۔

علی مرتضٰی رسول اللہ ﷺ کی کفالت میں

طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ اللہ عزوجل کے خصوصی انعامات میں سے اور جو خیر وبرکت ان کے لئے مقدر کر رکھی تھی ،اس کا ظاہری سبب یہ ہوا کہ قریش سخت تنگ حالی کی مصیبت سے دوچار ہوئے۔ابوطالب کثیر العیال تھے،رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے جو قریش کے خوشحال لوگوں میں سے تھے۔کہا: چچا! آپ کے بھائی ابوطالب کثیر العیال ہیں،اور آپ کو معلوم ہے کہ لوگ کن مصائب سے دوچار ہیں۔چلئے ان کا کچھ بوجھ ہلکا کریں اوران ک بال بچوں میں سے کچھ کی پرورش اپنے ذمہ لیں،حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: بہتر ہے۔ چنانچہ دونوں ابوطالب کی خدمت میں پہنچے اور کہا: ہم دونوں اس لئے آئے ہیں کہ جب تک یہ تنگی اور سختی کا زمانہ ہے جس میں سب ہی گرفتار ہیں اس

وقت تک ہم آپ کے بال بچوں کا کچھ بوجھ اپنے ذمہ لے کر آپ کو ہلکا کریں۔ ابوطالب نے ان دونوں سے کہا: عقیل کو تم لوگ میرے پاس چھوڑ دو باقی کے بارے میں چاہے جو فیصلہ کرلو۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری خود لے لی اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی کفالت حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے قبول فرمائی۔حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت سے رسول اللہ ﷺ سے وابستہ رہے یہاں تک کہ وہ وقت آیا جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر مبعوث کیا اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی اتباع کیا۔آپ ﷺ کی صداقت پر ایمان لائے اور تصدیق کی۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا واقعہ

ابن اسحاق کا بیان ہے: ''علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ ایسے وقت آئے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا دونوں نماز میں تھے ،حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ کیا معاملہ ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے بتایا: یہ اللہ کا دین ہے جس کو اللہ نے اپنے لئے پسند کیا اور اسی کے لئے انبیاء کو مبعوث کیا ہے میں تم کو بھی خدائے واحد کی طرف بلاتا ہوں جو تنہا معبود ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ وہ بات ہے جس کو میں نے پہلے کبھی نہیں سنا اور میں جب تک ابوطالب سے ذکر نہ کرلوں، کچھ فیصلہ نہیں کرسکتا، رسول اللہ ﷺ نے پسند نہیں کیا کہ جب تک اعلانیہ دعوت اسلام شروع نہ کردیں یہ راز فاش نہ ہو، چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم ایمان نہیں لاتے ہو تو اس کو ابھی پوشیدہ رکھو۔حضرت علی رضی اللہ عنہ اس رات خاموش رہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اسلام ڈال دیا، صبح سویرے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: آپ نے مجھے کل کیا دعوت دی تھی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ

تنہا معبود ہے اور لات وعزیٰ کا انکار کرو اور اللہ کا کسی کو شریک ٹھہرانے سے بری ہو جاؤ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کلمہ شہادت پڑھا اور اسلام لے آئے وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پوشیدہ آیا کرتے اور اپنے اسلام کو رسول اللہ ﷺ کی حسب ہدایت ظاہر نہیں کیا۔ (البدایہ والنہایہ: ۳/۲۴)

ان روایات میں ثابت شدہ اور راجح روایت ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے ایمان لانے والے ہیں اور (مردوں میں) پہلے شخص ہے جس نماز پڑھی۔

حضرت جمال البحر معشوق ربانی ثانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت معشوق ربانی بھی ان شیوخ المشائخ قادریہ میں سے ہیں جنہوں نے تبلیغ دین کی خاطر دجلہ وفرات کی زرخیز وشاداب وادی کو چھوڑ کر ہندوستان آکر ایمان وعرفان کی روشنی پھیلائی۔ آپ کی ولادت باسعادت بتاریخ ۷/رجب المرجب ۸۹۶ھ م ۱۵۲۷ء شہر بغداد میں ہوئی۔ آپ کا اسم گرامی جلال الدین اور جمال البحر آپ کا لقب ہے۔ معشوق ربانی ثانی رحمۃ اللہ علیہ آپ کا خطاب ہے۔ آپ کا شجرہ نسب ولسلہ بیعت وخلافت ایک ہی ہے جو سید السادات سلطان اولیاء ابو محمد شیخ محی الدین سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تک جا پہنچتا ہے۔

آپ صغرسنی ہی میں اپنے والدہ ماجدہ سے جو اربعہ وقت تھیں کلام مجید حفظ کرلیا۔ اپنے پدر بزرگوار سے علم متداولہ میں استفادہ کیا اور بارہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے بعد فراغت علوم ظاہری پدر بزرگوار سے خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ ۹۱۲ھ میں راہی مدینہ ہوئے اس وقت آپ کی عمر شریف ۱۶ سال تھی۔ مدینہ شریف میں آپ دو سال تک مقیم رہے۔ چنانچہ دربار رسالت مآب ﷺ سے

عظیم نوارش خسروانہ سے مشرف ہوکر حضور اقدس ﷺ کے قاصد ومبلغ کی حیثیت سے آپ سرزمین ہندوستان دکن کی سمت ورنگل تشریف لائے اور اس ظلمت کدہ کو نور اسلام سے منور کردیا۔ ۲۲/رجب المرجب ۹۷۷ھ میں ۸۱ سال کی عمر شریف میں وصال فرمایا مزار پر عہد قطب شاہی میں بلند عالی شان گنبد تعمیر کیا گیا اور ساتھ میں عالی شان مسجد تعمیر کی گئی۔

آپ کے فرمودات حسب ذیل ہیں:

۱- مومن کی نشانی یہ ہے کہ وہ مصائب میں صبر اور راحت میں شکر گزار ہے۔

۲- ایمان کی حفاظت خوف ورجا کی منزل میں حاصل ہوتی ہے۔

۳- غصہ اور ایمان ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

۴- قسم نہ کھا کہ دل سے عظمت حق اٹھ جاتی ہے۔

۵- عجز وانکسار کمال انسانی ہیں۔

۶- والدین کی اطاعت باعث نجات ہے۔

۷- کوئی شخص تمہارے خلاف کچھ کہے تو غور کرو کہ سچ ہے یا جھوٹ، اگر سچ ہے تو شکر کرو کہ پوشیدہ بات سے واقف ہوئے۔ اس کو زائل کردو اگر جھوٹ ہے تو اس کی پروانہ کرو۔

متصرف حقیقی اللہ تعالیٰ ہیں بندہ صرف واسطہ ہے

ایک شخص نے شیخ بدرالدین قدس سرہ کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک خط سفارشی میرے لئے سلطان غیاث الدین بلبن کو تحریر فرمادیجئے۔ شیخ نے لکھا کہ:

''رَفَعْتُ قَضِيَّتَهُ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ اِلَيْكَ فَاِنْ اَعْطَيْتَهُ شَيْئًا فَالْمُعْطِيْ هُوَ اللّٰهُ وَاَنْتَ الْمَشْكُوْرُ وَاِنْ لَمْ تُعْطِهِ شَيْئًا فَالْمَانِعُ هُوَ اللّٰهُ وَاَنْتَ الْمَعْذُوْرُ''.

یعنی اس شخص کے معاملہ کو خدائے تعالیٰ کے روبرو پیش کرتا ہوں پھر تمہارے سامنے۔ پس اگر تم نے اس کو کچھ دے دیا تو عطا کرنے والا حقیقت میں خدائے تعالیٰ ہے اور تم (چونکہ بظاہر تم بھی واسطہ ہوئے اس لئے) قابل شکر ہو اور اگر تم نے اس کو کچھ نہ دیا تو مانع اللہ تعالیٰ ہے اور تم معذور ہو"۔

صوفیائے کرام کی سماجی خدمات

تاریخ اسلام کے روشن باب میں ایک جماعت صوفیائے کرام کے نام سے جانی جاتی ہے۔ یہ وہ جماعت ہے جو فقر واستغنا، محنت وقربانی، عبادت وریاضت، عفت وپاکدامنی اور اخلاق حسنہ کو ہی سب کچھ جانتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں اسلام کا روحانی ڈھانچہ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن وہیں چند پیشہ ور اور ضمیر فروش لوگوں نے اس مقدس جماعت کو بدنام کردیا ہے اور آج حال یہ ہے کہ تصوف کا نام لیتے ہی لوگوں کے ذہنوں میں ایک فریبی جماعت کا تصور گردش کرنے لگتا ہے۔ لہٰذا ضرورت یہ ہے کہ آج عوام کے سامنے تصوف کے اصلی چہرہ کو آشکارا کیا جائے اور اس بدنما دھبہ کو دور کیا جائے جو آج تصوف کے دامن پر لگا ہے۔

تصوف کیا ہے؟

تصوف کے معنی خود صوفیائے کرام نے بتائے ہیں اور دیگر حضرات نے بھی۔ اس سلسلہ میں صاحب کشف المحجوب الجہویری نے ابوالحسن الفوشنجی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ "آج کل تصوف ایک نام ہے بغیر حقیقت کے جب کہ پہلے زمانہ میں یہ ایک حقیقت تھی بغیر نام کے۔" اسی طرح چودھویں صدی میں سلسلۂ فردوسیہ کے مشہور صوفی حضرت مخدوم شرف الدین منیری نے خود نوشت مکتوبات صدی کے

مکتوب نمبر ۲۲ میں لکھا ہے کہ "تصوف کا قانون قدیم ہے۔ یہ کوئی نئی چیز نہیں اس پر انبیاء کا عمل رہا ہے۔ فساد زمانہ کی وجہ سے اہل زمانہ کی نظروں میں صوفیا کا حال برا دکھائی دیتا ہے جب کہ دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ خود صوفیا نے بھی اپنا کردار بدل دیا ہے۔ اور خلاف اصول عادات میں پھنس کر تصوف کو بدنام کردیا ہے۔ حالانکہ تصوف تو دین وایمان کی جان ہے۔ صوفی وہ ہے جو اپنی ہستی کو مٹا کر فنافی اللہ ہوجائے"۔

زمانہ قدیم سے ہی انسانوں کو حق کی تلاش رہی ہے اور صوفیا نے تصوف کو حق تک پہنچنے کا ذریعہ مانا، اسلام میں تصوف کی ارتقاء کے بارے میں دانشوروں کی الگ الگ رائیں ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ دراصل تصوف پر بہتیر غیر اسلامی مذاہب اور ثقافت کا اثر پڑا۔ جب کہتے ہیں کہ ابتدائی صوفیوں کا رشتہ جزیرۂ عرب سے تھا اور عرصے تک ان کی شناخت ان کے ادنی لباس سے کی جاتی رہی۔ کیونکہ عرب میں "صوف" کے معنی اون ہوتا ہے۔

ہندوستان میں تصوف کی ارتقاء کے متعلق یہ مانا جاتا ہے کہ سلسلۂ چشتیہ سب سے پہلا سلسلہ ہے۔ تیرویں اور چودھویں صدی کے مطالعہ سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اس وقت خانقاہوں کا زور ہندوستان کے کئی حصوں میں پھیل رہا تھا۔ دہلی میں سلسلہ چشتیہ، ملتان میں سلسلۂ سہروردی اور بہار میں سلسلۂ فردوسیہ کا زور تھا۔ ان تمام سلسلوں میں آپسی کوئی رنجش نہ تھی۔ بلکہ یہ باہمی اخوت ومحبت کی زندہ مثال تھے۔ اگر ہم سلسلۂ فردوسیہ کی بات کریں تو ایسا لگتا ہے کہ یہ سلسلۂ سروردیہ کا ایک حصہ تھا۔ پروفیسر اطہر عباس اپنی کتاب (Hisotry of Sufism in India Part-I) میں سلسلۂ فردوسیہ کے صوفیا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ سلسلۂ فردوسیہ کے بانی ہندوستان میں خواجہ بدرالدین سمرقندی تھے۔ مزید لکھتے ہیں کہ یہ سلسلۂ سروردیہ کا ہی ایک حصہ تھا۔

اسی طرح شیخ عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار میں تحریر فرماتے ہیں کہ چودہ صوفی سلسلوں میں سے سلسلۂ فردوسیہ کی ارتقا سلسلۂ سہروردیہ سے ہوئی۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ شیخ نجیب الدین کبریٰ فردوسی اور شیخ علاء الدین طوسی عبادت وریاضت میں دونوں ایک دوسرے کے کافی قریب تھے۔ دونوں ایک ہفتہ کے بعد افطار کرتے تھے اور افطار میں روٹی اور جنگل کا ساگ ہوتا تھا۔ یہ دونوں شیخ ضیاء الدین ابونجیب سہروردی کے پاس گئے اور عرض کیا کہ عمر ختم ہورہی ہے اور اب تک کوئی کام نہ ہوسکا۔ اتنی سخت محنت کا کوئی مثبت نتیجہ نہیں نکل پایا۔ ان کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے شیخ ضیاء الدین ابونجیب سہروردی نے فرمایا کہ اس کا علاج یہ ہے کہ کسی کے مرید ہوجاؤ۔ یہ تینوں حضرات شیخ وجیہ الدین ابوحفص بن عمر امیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شیخ نے حضرت ضیاء الدین اور حضرت علاء الدین کو ایک عرصہ کے بعد خلافت سے نواز کر رخصت فرمادیا، جب کہ شیخ نجیب الدین کبریٰ کو شیخ نجیب کے سپرد فرماتے ہوئے کہا کہ انہیں اپنے پاس رکھو۔ سات ماہ بعد شیخ نجیب الدین نے نجیب الدین کبری کو خلافت سے نوازا اور فرمایا کہ تم فردوسی مشائخ ہو۔ اسی دن سے سلسلۂ فردوسیہ کی ابتدا ہوئی۔

سلسلۂ فردوسیہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۴ویں صدی میں پورے بہار میں سلسلۂ فردوسیہ کا عروج تھا۔ اس سلسلہ کو بہار میں مقبول بنانے میں جن صوفی کا نام سرفہرست ہے وہ ہیں حضرت مخدوم شرف الدین احمد یحییٰ منیری۔ حضرت کی پیدائش ۶۶۱ھ مطابق ۱۲۶۲ء میں منیر میں ہوئی۔ جب کہ وفات ۵ شوال المکرّم ۷۸۲ھ مطابق ۲ جنوری ۱۳۸۱ء میں بہار شریف میں ہوئی۔ (S.A.A. Rizwi, History of Sufism in India)

حضرت کے والد ماجد کا نام مخدوم کمال الدین یحییٰ منیری تھا یہ سلسلۂ سہروردیہ کے پیروکار تھے۔ ان کے آباواجداد کا تعلق عرب سے تھا۔ حضرت شرف

الدین منیری کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ لیکن بعد میں ان کو اس زمانہ کے مشہور عالم دین ابوتوامہ جیسا استاد ملا۔ جس کے ساتھ حضرت شرف الدین منیری سنارگاؤں (ڈھاکہ) چلے گئے اور مسلسل ۲۲ سالوں تک استفادہ کرنے کے بعد منیر تشریف لائے۔ وہاں کچھ دنور ہنے کے بعد دہلی آگئے۔ ان کے ہمراہ ان کے بڑے بھائی شیخ جلی الدین بھی ہوگئے۔ دہلی میں ان کی ملاقات مختلف بزرگان دین واولیائے عظام سے ہوئی، حتی کہ سلطان الاولیا (حضرت نظام الدین) کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے وہاں کے علمی مذاکرے میں حصہ لیا۔ حضرت سلطان اولیا نے بیعت نہیں کی بلکہ انہیں اعزاز واکرام کے ساتھ رخصت فرمادیا۔ اس کے بعد ان کی ملاقات حضرت نجیب الدین فردوسی سے ہوئی جن کو دیکھتے ہی حضرت شیخ نجیب الدین نے فرمایا کہ ''درویش! برسوں سے تمہارے انتظار میں بیٹھا ہوں تاکہ تمہاری امانت تمہارے حوالہ کردوں'' اور فوراً بیعت لی، مزید چند نصائح تحریر فرماکر رخصت کردیا، مخدوم الملک نے مرشد سے مزید استفادہ کے لئے کچھ دنوں پاس رہنے کی خواہش ظاہر کی لیکن اس کی اجازت نہ ملی۔ کیونکہ مرشد کی ساری تعلیمات ان نصائح میں موجود تھیں۔ (بزم صوفیہ، ص:۴۰۲-۴۰۱)

مخدوم نے اپنی خلافت سے متعلق کچھ واقعات خود قلم بند فرمائے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ میں نے جیسے ہی شیخ نجیب الدین کا ہاتھ پکڑا ویسے ہی میرے ذہن میں ایک پیڑا (تکلیف) داخل ہوگیا جو روز بروز بڑھتا ہی رہا۔ بزم صوفیہ کے مصنف سید صباح الدین عبدالرحمٰن لکھتے ہیں کہ حضرت منیری نے اپنے استاد حضرت نجیب الدین سے بیعت کے وقت اس حکم کی تعمیل کی جس میں شیخ نجیب الدین نے انہیں واپس جانے کی بات کہی تھی، کیونکہ ان کی دلی تمنا تھی کہ وہ اپنے وطن (بہار جائیں اور اپنے کام میں لگ جائیں۔

لہٰذا حضرت یحییٰ منیری دہلی سے بہار واپسی میں بہیا ضلع شاہ آباد (موجودہ ضلع آرہ) کے جنگل میں بارہ سالوں تک خدا کی یاد میں لگے رہے، اس کے بعد انہیں راج گیر کے جنگلات میں دیکھا گیا۔ جس کی مذہبی اہمیت زمانہ قدیم سے چلی آرہی ہے۔ پانچ پہاڑیوں سے گھری ہوئی یہ آبادی اپنی گود میں بودھ مذہب کے بانی گوتم بدھ کی یادیں سمیٹے ہوئی ہے۔ چینی سیاح فاہیان، چندر گپت دوم (۴۱۲-۳۸۰ء) کے دورحکومت میں آیا۔ (کے بی سنہا بشریو استو چین بھارت)

اس طرح حضرت مخدوم شرف الدین منیری نے تیس (۳۰) سالوں تک جنگلوں اور پہاڑوں پر خدا کی عبادت کی لیکن جب اس عظیم ریاضت کے بعد خلق خدا کے سامنے آئے تو لوگ جوق در جوق آپ کے حلقۂ ارادت میں آنے لگے۔ جب مریدوں کی تعداد بڑھنے لگی تو جمعہ کی نماز پڑھنے کیلئے بہار شریف کی جامع مسجد میں آنے لگے اور رفتہ رفتہ عوام کے اصرار پر اسی گاؤں میں مستقل سکونت پذیر ہوگئے۔ تقریباً ساٹھ سالوں تک اسی جگہ رہ کر خلق خدا کی رہنمائی فرمائی۔ بادشاہ وقت محمد بن تغلق (۱۳۵۱-۱۳۲۵ء) کو جب معلوم ہوا کہ بہار کی عوام حضرت کی صحبت کیلئے پریشان رہتی ہے تو اس نے فوراً زین الدین مجد الملک مکتئی بہار کے نام ایک فرمان جاری کیا کہ حضرت مخدوم کیلئے جلد از جلد ایک خانقاہ تعمیر کرادو اور مزید لکھا کہ پرگنائے راجگیر کو فقرا کے اخراجات کیلئے ان کے حوالے کرو۔ (The Journal of the Bihar June 1956 Prof. S.H. Askari) مگر یہ حضرت کے استغنا کی بات تھی کہ محمد بن تغلق کی وفات کے بعد فیروز شاہ تغلق جب تخت نشین ہوا تو اس کے دربار میں حاضر ہو کر اس زمین کے کاغذات اس کے حوالہ فرمائے اور فرمایا کہ مجھے ان کی ضرورت نہیں۔ سلطان اور اس کے تمام امراء ششدر رہ گئے۔ سلطان نے پھر بھی کچھ خدمت کر کے سعادت حاصل کرنی چاہی اور اخراجات کیلئے ایک بڑی رقم پیش

کی۔ حضرت نے اس وقت تو قبول کرلیا لیکن دربار سے باہر نکلتے ہی اس رقم کو فقراء میں تقسیم کردی اور خالی ہاتھ اپنے وطن واپس ہوگئے۔ (بزم صوفیہ ص:۴۱۰)

ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی انگلیوں پر

ایک یہودی عالم نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی بابت اپنی کتابوں میں پاتے ہیں کہ وہ قیامت کے دن آسمانوں کو ایک انگلی پر زمینوں کو ایک انگلی پر درختوں کو ایک انگلی پر پانی کو ایک انگلی پر اور تمام مخلوق کو ایک انگلی پر رکھ لے گا اور فرمائے گا میں بادشاہ ہوں آپ ﷺ اس خصوص میں کیا فرماتے ہیں۔ حضور ﷺ نے مسکراتے ہوئے اس کی باتوں کی تصدیق فرمائی اور سورہ زمر کی آیت نمبر ۶۷ کی تلاوت فرمائی جس کا مفہوم ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن زمین مٹھی میں آسمان دائیں ہاتھ میں لے گا۔ (بخاری، تفسیر مذکورہ آیۃ)

بیماری اور تنگ دستی سے نجات کا ذریعہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ باہر نکلا اس طرح کہ میرا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں تھا آپ کا گذر ایک ایسے شخص پر ہوا جو بہت شکستہ حال اور پریشان تھا آپ نے پوچھا کہ تمہارا یہ حال کیسے ہوگیا؟ اس شخص نے عرض کیا کہ بیماری اور تنگدستی نے یہ حال کردیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں چند کلمات بتلاتا ہوں وہ پڑھو گے تو تمہاری بیماری اور تنگدستی جاتی رہے گی۔ وہ کلمات یہ تھے: تَوَكَّلْتُ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَايَمُوْتُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَداً وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ وَلِيٌّ مِنَ الذُّلِ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ۔ ''میں نے بھروسہ کیا اس اللہ پر جو زندہ ہے ہمیشہ

سے اور ہمیشہ زندہ رہے گا اسے کبھی موت نہیں آسکتی۔تمام خوبیاں اسی اللہ کے لئے خاص ہیں جو نہ اولاد رکھتا ہے نہ اس کا کوئی شریک سلطنت ہے اور نہ کمزوری کی وجہ سے کوئی اس کا مددگار ہے اور اس کی خوب خوب بڑائی بیان کیجئے) اس کے کچھ عرصہ کے بعد پھر آپ ﷺ اس طرف تشریف لے گئے تو اس کو اچھے حال میں پایا۔ آپ ﷺ نے خوشی کا اظہار فرمایا اس نے عرض کیا کہ جب سے آپ نے مجھے یہ کلمات بتلائے تھے میں پابندی سے ان کو پڑھتا ہوں۔(معارف القرآن جلد:۵،ص۵۴۳)

رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک بھی طریقت کا جزو ہے

ہر مسلمان پر اپنے رشتہ داروں کے بھی حقوق ہیں اور ان کا ادا کرنا ضروری ہے رسول اللہ ﷺ نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے فرمایا جو شخص یہ پسند کرے کہ اس کے رزق میں زیادتی اور عمر میں برکت ہو تو اس کو اپنے رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرنا چاہئے اور فرمایا رشتہ داروں کو پہچانو تاکہ ان کے ساتھ نیک سلوک کرو اس لئے کہ رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرنا آپس کی محبت مال و دولت کی زیادتی اور عمر میں برکت کا ذریعہ ہے اور فرمایا رشتہ داروں کے حقوق کو پامال کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔ان احادیث کریمہ سے معلوم ہوا کہ رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرنے سے انسان کی عمر میں برکت ہوتی ہے۔دولت میں زیادہ ہوتی ہے۔ آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے۔رشتہ داروں سے صلہ رحمی نہ کرنیوالا رسول پاک کی نظر میں ایسا مجرم ہے کہ اپنے جرم کی سزا بھگتنے سے پہلے جنت اور اس کی نعمتوں سے محروم رہے گا۔رسول پاک خود بھی اپنے رشتہ داروں سے محبت کرتے تھے اور ان کے حقوق کا لحاظ رکھتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے کسی کو اپنے رشتہ داروں سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی رسول پاک کو اپنے رشتہ داروں سے تھی۔

مومن وہ ہے جو پڑوسی کے حقوق ادا کرے

انسان کا اپنے ماں باپ اہل وعیال اور دیگر رشتہ داروں کے علاوہ پڑوسیوں سے بھی تعلق ہوتا ہے اس لئے اسلام نے ان کے حقوق بھی مقرر کئے ہیں۔رسول خدا نے اس کی بار بار تاکید فرمائی ہے۔فرمایا کہ جبرئیل امین مجھے پڑوسی کے بارے میں بار بار تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے اندیشہ پیدا ہوگیا کہ کہیں پڑوسی کو پڑوسی کے ترکہ میں وارث نہ بنادیں اور فرمایا خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہوگا۔صحابہ کرام نے پوچھا کون؟ تو فرمایا وہ شخص جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ رہے اور فرمایا جو شخص اللہ اور رسول پر ایمان لایا ہے اس کو چاہئے کہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے اور فرمایا جب شوربا پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ ڈال دیا کرو اور اس میں سے کچھ اپنے پڑوسیوں کو بھیج دیا کرو اور فرمایا خدا کے نزدیک بہترین پڑوسی وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے حق میں اچھا ہو اور فرمایا وہ مومن نہیں جو خود تو سیر ہو کر کھائے اور برابر میں اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے پوچھا، یا رسول اللہ! میرے دو پڑوسی ہیں تو ان میں میرے سلوک کا کون زیادہ مستحق ہے۔آپ نے فرمایا جس کا دروازہ تمہارے دروازے سے زیادہ قریب ہو وہی زیادہ مستحق ہے۔اور فرمایا کہ اگر تیرے پڑوسی تیری تعریف کرتے ہوں تو تو بھلا ہے اور اگر برا بتاتے ہیں ہوں تو برا ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! فلاں عورت کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ نماز روزہ کی بڑی پابند ہے اور بہت زیادہ خیرات کرتی ہے مگر وہ اپنے پڑوس کو زبان سے تکلیف پہنچاتی ہے۔آپ نے فرمایا وہ جہنم میں جائے گی۔پھر اس نے کہا فلاں عورت نفلی نماز اور نفلی روزے کم ادا کرتی ہے مگر اپنے

پڑوسیوں کو اپنی زبان سے ستاتی نہیں۔آپ نے فرمایا وہ جنت میں جائے گی۔ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ پڑوسیوں کے حقوق ادا کرنے کی بڑی تاکید ہے۔(۲) کمال ایمان اور مومن کی شان یہ ہے کہ اپنے پڑوسی کو ایذا نہ پہنچائے۔(۳) ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق پڑوسیوں پر ایثار کرے۔(۴) جو پڑوسی جتنا زیادہ قریب ہو وہ سلوک کا اتنا ہی زیادہ مستحق ہے۔(۵) پڑوسیوں سے ہمدردی کرنا، اچھے سلوک کرنا اور ان کے دکھ درد میں کام آنا جنت میں جانے کا ذریعہ ہے۔(۶) ان کو تکلیف پہچانا، ایذا دینا اور ستانا دوزخی ہونے کی علامت ہے۔

مہمانوں، یتیموں، بیواؤں اور مسکینوں کے حقوق

مہمان کی خاطر تواضع اور مدارات کرنا سنت ہے۔رسول اللہ ﷺ کے یہاں جب کوئی مہمان آتا تو آپ اس کی خاطر تواضع فرماتے تھے اور مسلمانوں کو تاکید فرماتے تھے کہ جب تمہارے یہاں کوئی مہمان آئے تو اس کی مہمانی کا حق ادا کرو، فرمایا جو شخص خدا پر اور روز آخرت پر ایمان لایا ہے اس کو مہمان کی عزت کرنی چاہئے اور فرمایا جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ مہمان کا اکرام کرے، ایک دن رات اس کا جائز ہے (یعنی ایک دن اس کی پوری خاطر داری کرے، اپنے مقدور بھر اس کے لئے تکلف کا کھانا تیار کرائے) ضیافت تین دن ہے۔(یعنی ایک دن کے بعد ماحضر پیش کرے) اور تین دن کے بعد صدقہ ہے۔مہمان کو کسی کے یہاں اتنا زیادہ قیام نہ کرنا چاہئے کہ اس کا میزبان پریشان ہو جائے۔

یتیموں سے محبت کرنا، ان کو کھانا کھلانا، تعلیم دلانا اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا بڑے ثواب کا کام ہے اور خدا اور رسول کی خوشنودی کا بہترین ذریعہ ہے۔رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں مسلمانوں کو بار بار ہدایت فرمائی ہے۔

فرمایا جو شخص یتیم کی پرورش کرتا ہے خواہ وہ یتیم اپنا ہو یا غیر، تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو جنت میں داخل فرمائے گا۔اور فرمایا جو شخص کسی یتیم کو اپنے کھانے میں شریک کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں ضرور داخل کرے گا اور فرمایا مسلمان کا سب سے بہتر گھر وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ احسان کیا جائے اور سب سے برا وہ گھر ہے جس میں یتیم کے ساتھ برا سلوک کیا جائے اور فرمایا جو کوئی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہر بال کے بدلے اس کو نیکی عطا کرتا ہے۔

بیواؤں اور مسکینوں کی خبر گیری، ان سے ہمدردی اور ان کی مدد کرنا بھی بڑے ثواب کا کام ہے۔اور خدا اور رسول کی خوشنودی حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا بیواؤں اور مسکینوں کی مدد کے لئے کوشش کرنے والا راہ خدا میں جہاد کرنے والے کے مانند ہے راوی کا بیان ہے کہ میں خیال کرتا ہوں کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ شخص اجر وثواب میں اس شخص کے مانند ہے جو ہمیشہ دن میں روزہ رکھتا ہو اور رات میں نوافل پڑھتا ہو۔معلوم ہوا کہ خدا کی راہ میں نفلی روزے رکھنے میں جتنا ثواب ہے اسی کے برابر بیواؤں اور مسکینوں سے ہمدردی رکھنے اور ان کی خدمت کرنے کا ثواب ہے۔رسول اللہ ﷺ کو بیواؤں اور مسکینوں کا کام کر دینے میں ذرا بھی عار نہ تھا۔مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ بیواؤں، غریبوں اور محتاجوں کی خدمت، ان سے ہمدردی اور ان کی مدد کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔

ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے

ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اخوت اسلامی کا رشتہ ملحوظ رکھے۔سب مسلمانوں کو اپنا بھائی سمجھے، کسی مسلمان پر ظلم نہ کرے اگر کوئی دوسرا ظلم کرے تو مسلمان بھائی بے

مدد نہ چھوڑے بلکہ اس کی مدد کرے۔ اپنے حاجت مند بھائی کی حاجت پوری کرنے کی کوشش کرے۔ کسی مسلمان بھائی کو مصیبت میں دیکھے تو اسکی مصیبت دور کرنے کی کوشش کرے دوسرے مسلمان کی پردہ پوشی کرے یعنی اس کے پوشیدہ عیبوں کو ظاہر نہ کرے، کسی مسلمان کے جان ومال اور عزت وآبرو کے درپے نہ ہو۔ کسی مسلمان کو نقصان نہ پہنچائے اور نہ دھوکہ دے، کسی مسلمان سے حسد نہ کرے، بغض وکینہ نہ رکھے اور اس کی غیبت نہ کرے، کسی مسلمان سے تین دن رات سے زیادہ سلام وکلام ترک نہ کرے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ خود اس پر ظلم کرے اور نہ اس کو بے مدد چھوڑے اور فرمایا جو مسلمان اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرے گا اور فرمایا جو مسلمان کسی مسلمان کی مصیبت دور کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی مصیبتوں میں سے کسی مصیبت کو اس سے دور فرمائے گا اور فرمایا جو مسلمان کسی مسلمان کی پردہ پوشی فرمائے گا اور فرمایا مسلمان کی جان اس کا مال اور اس کی عزت وآبرو لینا مسلمان پر حرام ہے اور فرمایا جو کسی مسلمان کو ضرر میں ڈالے یا دھوکہ دے وہ ملعون ہے اور فرمایا تم لوگ آپس میں ایک دوسرے پر حسد نہ کرو اور نہ ایک دوسرے سے بغض وکینہ رکھے اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کرے اور فرمایا کسی مسلمان کو کسی مسلمان سے تین دن رات سے زیادہ سلام وکلام ترک کرنا حلال نہیں۔

حسنِ اخلاق سے پیش آنا ضروری

رسول خدا ﷺ نے فرمایا مہربانی کرنے والے جو ہیں اُن پر رحمٰن مہربانی فرماتا ہے۔ تم زمین والوں پر مہربانی کرو اللہ تعالیٰ اور آسمان کے فرشتے تم پر مہربانی کریں گے۔ اس حدیث شریف کا مطلب ظاہر ہے کہ اگر تمہاری خواہش ہے کہ

اللہ تعالیٰ تم پر مہربانی کرے اور نظر رحمت فرمائے تو تم کو چاہئے کہ ہر انسان پر خواہ وہ دوست ہو یا دشمن، مسلم ہو یا کافر مہربانی کرو مثلاً بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، ننگوں کو کپڑا پہناؤ، بیماروں کی خبر لو، اندھوں کو راستہ بتاؤ، مصیبت زدوں کی مصیبت دور کرنے میں کوشش کرو۔ غرض یہ کہ ہر انسان کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آؤ اور جہاں تک ہو سکے اس کی مدد کرو۔ یہ بڑے اجر وثواب کا کام ہے اور یہی انسانیت کا تقاضہ ہے۔ جس انسان کے دل میں خدا کے بندوں پر مہربانی کرنے کا جذبہ نہیں وہ خدا کی رحمت سے محروم ہے۔

سفید داڑھی والے سے اللہ تعالیٰ بھی حیا کرتے ہیں

جوانوں کو چاہئے کہ اپنے بڑے بوڑھوں اور سن رسیدہ لوگوں کی ان کے بڑھاپے اور معمر ہونے کی وجہ سے عزت کریں۔ ان کے سامنے ادب ولحاظ سے رہیں اور جہاں تک ممکن ہو ان کو آرام پہنچانے کی کوشش کریں۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا جو نوجوان کسی بوڑھے کی اس کے بڑھاپے کی وجہ سے عزت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے بڑھاپے میں دوسرے جوانوں کو اس کی عزت کے لئے مقرر کردے گا اور فرمایا بوڑھے مسلمان کی تعظیم وتکریم بھی اللہ تعالیٰ کی تعظیم سے ہے اور فرمایا جو بڑوں کا ادب واحترام نہیں کرتا وہ ہمارے طریقے پر نہیں۔

والدین کی عظمت

سالکین کے لئے حقوق العباد کا ادا کرنا بھی ضروری ہے مثلاً

(۱) ماں باپ کے ذریعہ اولاد کا فرض ہے کہ اپنے ماں باپ کی عزت کرے اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے اور بات چیت کرنے میں ان کا ادب ملحوظ

رکھے۔(۲) اپنے ماں باپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرے، رسول اللہ ﷺ نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا یارسواللہ ﷺ! میری ایک بیوی ہے جس سے مجھے بہت محبت ہے۔ میرے والد (فاروق اعظم) اسے میرے لئے پسند نہیں کرتے اور مجبور کرتے ہیں کہ طلاق دے دو، یہ سن کر آپ نے فرمایا اے عبداللہ! تم اسے طلاق دے دو۔ مطلب یہ ہے کہ والدین کی فرمانبرداری کرے تاکہ ان کی دعاؤں سے دنیا میں پھلے پھولے اور آخرت میں جنت کا مستحق بنے۔ (۳) ماں باپ کی نافرمانی سے بچے۔ حدیث شریف میں والدین کی نافرمانی کو شرک وکفر کے ساتھ ذکر فرما کر یہ بتایا ہے کہ ان کی نافرمانی بدترین گناہ ہے۔ رات دن کا مشاہدہ ہے کہ جو لوگ اپنے ماں باپ کی نافرمانی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں بھی سزا دیتا ہے اور ان پر ذلت وخواری مسلط کر دیتا ہے، نافرمان اولاد کی اس سے زیادہ بدنصیبی کیا ہوگی کہ مرنے کے بعد جنت اور جنت کی نعمتوں سے محروم رہے گی۔

(۴) اپنے ماں باپ کی خدمت کرے اور ان کی خدمت گذاری کو اپنے حق میں سعادت سمجھے۔ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ والدین کی خدمت نفلی عبادت سے بہتر ہے۔ (۵) اپنے ماں باپ کو خوش رکھے کہ ماں باپ کی خوشنودی اور رضامندی سے خدا خوش ہوتا ہے اور ان کی ناراضگی سے خدا ناراض ہوتا ہے۔ ماں باپ کی خوشنودی جنت حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ (۶) اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے اور ان کے احسانات کو فراموش نہ کرے، ماں باپ کو اپنے لئے خدا کا ارشاد ہے کہ ماں باپ کو محبت بھری نظر سے دیکھتے ہیں تو حج مبرور کے ثواب کے برابر ثواب ملتا ہے۔ (۷) کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے ان کا دل دکھے اور ان کی زبان سے بدعا نکلے اور اولاد کی بربادی

کا باعث بنے (۸) ان کے انتقال کے بعد ان کے لئے دعاء واستغفار کرے اور ان کے دوستوں کے ساتھ نیک سلوک کرے۔

اولاد کے حقوق

(۱) والدین کو چاہئے کہ اپنی اولاد کو پیار ومحبت سے پرورش کرے، اسلام میں اولاد کی محبت پسندیدہ اور مرغوب ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اپنی اولاد سے بے حد محبت تھی (۲) لڑکوں کو لڑکیوں پر ترجیح نہ دے۔ بعض لوگ لڑکوں سے زیادہ محبت کرتے ہیں اور لڑکیوں کو حقیر وذلیل سمجھتے ہیں بلکہ بعض نادان ان کی پیدائش پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور ان کے وجود کو اپنے اوپر بار خیال کرتے ہیں یہ بات اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ لڑکیوں سے محبت کرنا اور ان کو پالنا پرورش کرنا بڑے ثواب کا کام ہے اور رسول پاک سے قرب کا ذریعہ ہے۔ (۳) اپنی اولاد کو حلال سے کھلائیں، حرام کی کمائی سے خود بھی بچیں اور اپنی اولاد کو بھی بچائیں۔ (۴) اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت کے بارے میں اپنی ذمہ داری محسوس کریں اور اس بات کا شروع سے خیال رکھیں کہ دنیاوی تعلیم سے پہلے شرعی آداب سکھائیں اور مذہبی تعلیم دیں۔ اگر اس میں ذرا بھی کوتاہی برتی گئی اور اولاد مذہبی احکام سے دور ہوگی تو اس جرم میں قیام کے دن اولاد ہی ماخوذ نہ ہوگی بلکہ والدین بھی پکڑے جائیں گے۔ البتہ یہ خیال رکھنا چاہئے کہ لڑکوں کو وہ تعلیم دی جائے جو ان کے لئے مفید ہو اور لڑکیوں کو وہ تعلیم دی جائے جو ان کے حق میں نفع بخش ہو اور وہ مستقبل میں بہترین مائیں بن کر اولاد کو صحیح معنوں میں مسلمان بنا سکیں۔ (۵) جب بچے اور بچیاں بالغ ہو جائیں تو جلد از جلد ان کی شادی کر دیں تو وہ اپنی عفت وعصمت کو محفوظ رکھ سکیں۔

شوہر کے حقوق

(۱) بیوی کا فرض ہے کہ اپنے شوہر کی خداداد عظمت کو ملحوظ رکھے اور اس کے ادب واحترام میں کسی قسم کی کوتاہی نہ برتے اور زبان سے کوئی ایسا کلمہ نہ نکالے جو شوہر کی شان کے خلاف ہو۔ صحیح حدیث شریف سے ثابت ہے کہ اگر کسی کو کسی کے لئے سجدہ کرنے کی اجازت دی جاتی تو عورتوں کو حکم دیا جاتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔ (۲) بیوی کو لازم ہے کہ اپنے شوہر سے سچی محبت کرے، سچی محبت یہ ہے کہ شوہر کی ذات سے محبت ہو مفلسی ہو یا دولت مندی، تنگ دستی ہو یا خوش حالی ہر حال میں شوہر کی محبت کا دم بھرے۔ (۳) اللہ ورسول کے حکم کے مطابق اپنے شوہر کی اطاعت کرے اور اس کی فرمانبرداری کو اپنا فرض سمجھے۔ اس کی خدمت سے دریغ نہ کرے اور زندگی کے ہر قدم پر نہایت خندہ پیشانی سے اس کی خدمت کر کے اپنی وفاداری کا عملی ثبوت دے، خوب یاد رکھے اگر وہ اپنے شوہر کی خدمت اور فرمانبرداری میں کوتاہی نہ کرے گی تو ایک دن ایسا آئے گا کہ شوہر خود ہی اس کا گرویدہ ہوجائے گا۔ یہ بیوی کا فرض ہے کہ شوہر جب اس کو جنسی خواہش کی تکمیل کے لئے بلائے تو عذر شرعی نہ ہونے کی حالت میں اس کی فرمانبرداری کرے۔ حدیث میں ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو جس وقت بستر پر بلائے اور وہ آنے سے اپنے کو منع کردے تو اس عورت پر خدا کے فرشتے صبح تک لعنت کرتے رہتے ہیں۔

بیوی کے حقوق

(۱) شوہر کا فرض ہے کہ بیوی کا نفقہ ادا کرے یعنی کھانا کپڑا اور رہنے کے لئے مکان دے اور اس کو ان کی تمام ضروریات سے بے نیاز کردے جو اس کے لئے

ضروری ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ وسعت والے کو چاہئے کہ اپنی وسعت کے مطابق نفقہ دے اور جس کی آمدنی نپی تلی ہو تو اس کو چاہئے کہ اللہ نے جو کچھ اس کو دیا ہے اسی میں سے نفقہ دے نفقہ بند کرنا بدترین گناہ ہے۔ شوہر کو چاہئے کہ اپنی ذمہ داری کو محسوس کرے اور بیوی کا نفقہ دینے میں کوتاہی نہ کرے۔ بعض شر پسند شوہر اپنی بیوی کو میکے میں چھوڑ دیتے ہیں پھر نہ اس کو خرچہ دیتے ہیں اور نہ ہی طلاق دے کر آزاد کرتے ہیں ایسے لوگ سخت ترین مجرم ہیں۔ (۲) شوہر کی ایک بڑی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ اپنی بیوی کا دین مہر ادا کرے کہ بیوی کا دین مہر شوہر کے ذمہ واجب ہے اور اس کا ادا کرنا ضروری ہے۔ اگر اس کے ادا کرنے میں کوتاہی کی تو قیامت کے دن حقوق العباد کے سلسلہ میں سخت گرفت ہوگی اور سزا بھگتنی پڑے گی۔ (۳) شوہر کو چاہئے کہ بیوی کے جذبات کا پاس کرے اور زیادہ دنوں تک اپنی بیوی سے جدا نہ رہے۔ اگر پردیس میں زیادہ دنوں تک رہتا ہو تو وہ بیوی کو اپنے ساتھ رکھے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سپہ سالاروں کے نام یہ حکم جاری کردیا تھا جو شخص شادی شدہ ہو وہ اپنی بیوی سے چار ماہ سے زیادہ جدا نہ رہے۔ (۴) شوہر کا اپنی بیوی کو ستانا، گالیاں دینا اور اس پر ظلم وزیادتی کرنا بدترین گناہ ہے۔ جو شخص اپنی بیوی پر ظلم وتعدی کرتا ہے وہ خود بھی اپنی زندگی کے سکون واطمینان کو برباد کر کے پریشانیوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ سب سے برا آدمی وہ ہے جو اپنی بیوی کو ستائے۔ (۵) اپنی بیوی کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آئے محبت کا برتاؤ کرے اور جہاں تک ہوسکے اپنی ذات سے خوش رکھنے کی کوشش کرے۔ باہمی تعلقات کو خوشگوار بنانے کے لئے محبت کے طریقے اختیار کرے اور اس کی دلجوئی اور دل بستگی کے لئے کسی وقت بے تکلف ہو کر ہنسی مذاق کی باتوں سے اسے خوش کرنے کی بھی کوشش کرے تاکہ دونوں ایک دوسرے سے اس طرح گھل مل جائیں

کہ ایک روح دو قالب ہو جائیں ۔ رسول کریم ﷺ اپنی بیویوں کی دلجوئی کا بہت خیال رکھتے تھے۔ (۶) شوہر کو چاہئے کہ اپنی بیوی کو شریک زندگی سمجھ کر اس سے محبت کرے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بے حد محبت تھی۔ ان کے انتقال کے بعد بھی ان کو یاد فرمایا کرتے تھے۔ اسی طرح ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ ان کی تکلیف کو آپ اپنی تکلیف خیال کرتے تھے۔

بہنوں، بھائیوں چچا اور خالہ کے حقوق

رسول اللہ ﷺ نے بہنوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی بار بار ہدایت فرمائی ہے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ بہنوں کی پرورش کرنا اور ان کے اخراجات کا کفیل ہونا بڑے ثواب کا کام ہے اور جنت میں جانے کا ذریعہ ہے فرمایا کہ جس شخص نے دو بہنوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بالغ ہو گئیں تو میں اس کو اپنے ساتھ جنت میں لے جاؤں گا۔ بہنوں سے محبت کرنا رسول پاک کی سنت ہے آپ کو اپنی بہنوں سے بے حد محبت تھی لہٰذا بھائیوں کو لازم ہے کہ اپنی بہنوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں اور ان کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔

چھوٹے بھائی کو چاہئے کہ بڑے بھائی کا ادب واحترام ملحوظ رکھے اور اس کو باپ کی طرح سمجھے اور بڑے بھائی کو چاہئے کہ چھوٹے بھائی سے شفقت ومحبت کا برتاؤ کرے اور اس کو اپنی اولاد کی طرح سمجھے۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص چھوٹوں سے محبت ومہربانی کر برتاؤ نہ کرے اور بڑوں کی تعظیم وتوقیر نہ کرے وہ میری امت سے نہیں۔ بھائیوں کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔

اسلام نے خالہ کو ماں کی منزلت میں بتایا ہے۔ اس لئے مسلمان کو چاہئے کہ اپنی خالہ کو ماں کی طرح سمجھے اور اس کی تعظیم وتکریم کرے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ چچا باپ کی مانند ہے۔ ایک بار حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے چہرے پر غصہ کے آثار دیکھ کر حضور ﷺ کا چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا اور فرمایا خدا کی قسم! کسی کے دل میں ایمان اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتا جب تک وہ آپ سے اللہ ورسول کے لئے محبت نہ کرے۔ پھر فرمایا اے لوگو! جس نے میرے چچا کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی، ہر شخص کا چچا باپ کی مانند ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ چچا کو باپ کی طرح سمجھیں اور ان کا ادب واحترام ملحوظ رکھیں اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔

ولایت کے لئے کرامت کا ظاہر ہونا شرط نہیں ہے

حضرات سلف صالحین میں تو کوئی شخص بھی مقام بقاء میں رسوخ اور پختگی حاصل ہونے سے پہلے اس دروازہ کی طرف ہرگز جلدی نہ کرتا تھا۔ (اور یہ وہ مقام ہے جس کے بعد قطبیت کے سوا کوئی مقام نہیں کیونکہ اس وقت یہ شخص اس حدیث کا مصداق ہو جاتا ہے۔ فبی یسمع وبی یبصر وبی ینطق (کہ اس کا سننا، دیکھنا، بولنا، چلنا، پھرنا، کھانا، پینا سب خدا کے ساتھ اس کے حکم سے ہوتا ہے)۔ پس وہ بولتا ہی نہیں جب تک اس کو بلایا نہ جائے، جیسا کہ حضرت سیدی شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی حالت تھی، اس وقت بندہ دعویٰ سے مامون ہو جاتا ہے۔ اور (غیب سے اس کو) سیدھا رکھا جاتا، اور اس کے اقوال وافعال کی حفاظت کی جاتی ہے۔ اور جو شخص اس مقام پر پہنچنے کا دعویٰ کرے ہم اس پر انکار نہ کریں گے۔ بلکہ اس کی حالت کو خدا تعالیٰ کے سپرد کریں گے اب اگر وہ جھوٹا ہوا تو اس کے جھوٹ کا وبال

اس کی گردن پر ہوگا۔ اور اگر سچا ہوا تو ہم اس کا ادب پہلے ہی سے کر چکے (کہ اس کے دعویٰ پر انکار و تکذیب نہیں کی۔

اور (عزیز من! تم کو بھی ایسا ہی کرنا چاہئے کیونکہ) حق تعالیٰ کی عطائیں اپنے بندوں پر احاطہ سے باہر ہیں اور ولایت کے لئے کرامات کا ظاہر ہونا شرط نہیں بلکہ صرف احکام الٰہی کا بجالانا اور ممنوعات سے پرہیز کرنا شرط ہے کہ اس کی حالت کتاب وسنت کے موافق منضبط ہو۔ پس جو شخص ایسا ہو اس کی ولایت پر قرآن شاہد ہے اگرچہ اس کا کوئی بھی معتقد نہ ہو اور چاہے کوئی اس کا متبع و مرید نہ ہو، جب تم نے اس بات کو جان لیا تو اس سے بچتے رہو کہ اپنے پاس مجتمع ہونے والے مریدوں پر اپنی عزت اور بڑائی کا خیال دل میں لاؤ اور اپنے جی میں یہ کہو کہ یہ لوگ تو میری طرح محتاج ہیں اور میں کسی بات کی تعلیم میں ان کی طرح محتاج نہیں ہوں کیونکہ یہ جہالت ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ تم نے مقام فقر کو پوری طرح طے نہیں کیا جیسا چاہئے تھا۔

او راس بات کی علامت ہے کہ تم بتدریج شیطان کے راستے میں ترقی کر رہے ہو۔ (خدا کے راستے میں نہیں چل رہے) پھر اس حالت میں تم سے کسی کی بھی تربیت نہیں ہوسکتی کیونکہ تم مرید کی احتیاج اپنی طرف دیکھ رہے ہو اور یہ خیال تم کو حالاً احتیاج الی اللہ سے روک رہا ہے۔ (گو قالاً تم اس کے مدعی ہو) کیونکہ یہ حالت تمارے اندر خدا تعالیٰ سے استغنا ہی پیدا کرے گی (احتیاج کی صفت نہ پیدا کرے گی) اور ایسا شخص بالضرور عزت وجاہ کا طالب ہوگا۔ "**فافھم**".

رہے مشائخ کاملین جو طریق میں محقق وراسخ ہیں ان کی یہ شان ہے کہ جب وہ مریدوں کو اس دولت کا محتاج دیکھتے ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کو عطا ہوئی ہے تو وہ اس نعمت پر حق تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہیں کہ اس نے ان کے ساتھ ایک ایسی

جماعت کو وابستہ کر دیا جو ان کے سامنے اپنی احتیاج ظاہر کر کے ان کو اس بات پر متنبہ کرتے رہتے ہیں کہ تم بھی خدا تعالیٰ کے محتاج ہو کیونکہ اگر ان کی طرف کسی کی احتیاج ظاہر نہ ہوتی تو شاید یہ کسی وقت اپنے محتاج ہونے کو بھول جاتے پس محققین مرید کا حق اپنے اوپر اس حق سے زیادہ سمجھتے ہیں کہ جو ان کا مرید کے اوپر ہے، کیونکہ مریدین حالاً ان کے شیخ ہیں اور یہ صرف قالاً اور تربیت کے درجہ میں ان کے شیخ ہیں تو اس مقام میں خوب غور کرو کیونکہ یہ نفیس مضمون ہے اور اللہ تعالیٰ تم کو ہدایت کرے۔

شہد کی مکھی اللہ کی ایک نشانی

وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا مِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ. الآیۃ (تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنا چھتہ پہاڑوں، درختوں اور انسانوں کے مکانات میں بنائے)

ذرا غور کریں کہ کس طرح شہد کی مکھی اپنے رب کے حکم کی فرمانبردار ہے اور کس طرح عمدگی سے حکم الٰہی کو بجالاتی ہے۔ کس طرح تینوں جگہوں پر اپنا چھتہ بناتی ہے آپ ان جگہوں کے علاوہ کسی اور جگہ اس کو چھتہ بناتے نہیں دیکھ سکتے۔

ذرا غور کریں! کس طرح حکم خداوندی کے مطابق سب سے زیادہ پہاڑوں میں پھر درختوں میں اور پھر مکانات اور آبادی میں اپنا چھتہ لگاتی ہے۔ قرآن میں پہاڑوں میں بنانے کا حکم پہلے ہے۔ لہٰذا سب سے زیادہ وہاں چھتہ لگاتی ہے کیونکہ حکم ربانی کی ترتیب یہی ہے۔ نیز امتثال امر کا یہ حال ہے کہ سب سے پہلے اس نے چھتہ لگایا جیسا کہ **اتخذی من الجبال بیوتاً** کا تقاضہ تھا۔ جب چھتہ بن کر تیار ہوا تو اپنے گھر سے نکل کر تلاش معاش میں ہمہ تن مصروف ہوگئی۔ کھا پی کر درختوں کے پھلوں اور پھولوں سے رس نکال کر اپنے گھر میں ذخیرہ کرنا شروع کر دیا۔ اور

دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ کس طرح اس نے شہد اور موم بنایا جس میں روشنی اور شفا کی صلاحیت موجود ہے۔ پھر اگر کوئی صاحب بصیرت اس کے احوال میں غور کرے اور دل و دماغ کو نفسانی خواہشات سے یکسو کر کے تدبر کرے تو یقیناً اسے یقین ہو جائے گا کہ یہ اللہ کی قدرت ہی تو ہے جو اللہ نے اسے تخلیق کی انسانوں کے لئے۔

شاہ روم کے سات سوالات اور جوابات

دینوی نے ''مجالس'' میں ایک قصہ نقل کیا ہے اور ابو عمر بن عبدالبر نے ''تمہید'' میں نقل کیا ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ روم کے بادشاہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک خط لکھا جس میں درج ذیل سوالات پوچھے:

- افضل الکلام کون سا ہے اور اسکے بعد دوسرا، تیسرا، چوتھا، پانچواں کون سا ہے؟
- اللہ تعالیٰ کے نزدیک بزرگ ترین بندہ اور بزرگ ترین بندی کون ہے؟
- وہ چار نفوس کون ہیں جو ہیں تو ذی روح لیکن انہوں نے اپنی مادوں کے پیٹ میں پیر نہیں پھلائے؟
- وہ کون سی قبر ہے جو صاحب قبر کو لئے ہوئے چلتی پھرتی رہتی ہے؟
- مجرۃ آمد و رفت کی جگہ کیا ہے؟
- قوس یعنی دھنک (کمان) کیا چیز ہے۔؟
- وہ کون سی جگہ ہے جہاں آفتاب صرف ایک بار طلوع ہوا ہے نہ کبھی اس سے پہلے طلوع ہوا ہے نہ کبھی اس کے بعد طلوع ہوگا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ خط پڑھا تو آپ نے فرمایا کہ خدا اس کو ذلیل کرے ہم کو ان باتوں کا کیا علم؟ آپ کو کسی نے مشورہ دیا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس خط لکھ کر معلوم کر لیجئے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس خط لکھا تو وہاں سے یہ جواب ملا۔

- افضل الکلام ''کلمۂ اخلاص لا الہ الا اللہ'' ہے اس کے بغیر کوئی نیک عمل مقبول نہیں ہوتا اور دوسرے نمبر پر ''سبحان اللہ وبحمدہٗ'' ہے جو اللہ کی رحمت لانے میں معین ہے اور چوتھے نمبر ''اللہ اکبر'' اور پانچویں نمبر پر ''لاحول ولاقوۃ الا باللہ'' ہے۔
- اللہ عزوجل کے نزدیک بزرگ ترین بندہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہاتھوں وجود بخشا اور پھر ان کو کچھ چیزوں کا علم سکھایا اور بزرگ ترین بندی حضرت مریم علیہا السلام ہیں جنہوں نے اپنی عصمت محفوظ رکھی تو اللہ تعالیٰ ان کے شکم میں اپنی پیدا کردہ روح پھونک دی۔
- وہ چار نفوس جنہوں نے اپنی ماں کے پیٹ پیر نہیں پلائے یہ ہیں:

(۱) حضرت آدم علیہ السلام (۲) حضرت حوا علیہا السلام (۳) ناقہ حضرت صالح علیہ السلام (۴) وہ مینڈھا جسے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا بعض نے کہا ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصاء ہے جو زمین پر گرتے ہی اژدھا بن جاتا تھا۔

- وہ قبر مچھلی ہے جو یونس علیہ السلام کو اپنے شکم میں لئے دریا میں گھومتی پھرتی تھی۔
- وہ باب السماء (آسمان کا دروازہ ہے)۔
- قوس یعنی دھنک قوم نوح علیہ السلام کے غرق ہونے کے بعد اہل زمین کے لئے امان کی نشانی تھی۔
- وہ جگہ بحرِ قلزم کا وہ راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لئے دریا سے پار ہونے کے لئے خشک کر دیا تھا اور فرعون اور آل فرعون کو غرقاب کرنے کے لئے بنا دیا تھا۔

بخاری و مسلم کی روایت ہے ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گرگٹوں کو مارنے کا حکم دیا اور اس کو شریر کہا اور فرمایا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلاف آگ میں پھونکیں مار رہا تھا۔ اور ایک صحیح حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشادفرمایا کہ جوشخص گرگٹ کو پہلے وار میں مارڈالے اس کو اتنی اتنی نیکیاں ملیں گی او رجو اسے دوسرے وار میں مارڈالے اس کو پہلے سے کچھ کم، اتنی اتنی نیکیاں ملیں گی اور جو تیسرے وار میں مارڈالے اسے کچھ کم اتنی اتنی نیکیاں ملیں گی اور اسی مس ے اس طرح وضاحت بھی ہے کہ جو اس کو پہلے وار میں مارڈالے اس کو سو نیکیاں ملیں گی اور دوسرے میں اس سے کم اور تیسرے میں اس سے کم۔

طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''گرگٹ کو مارڈالو چاہے وہ کعبہ کے اندر بیٹھا ہو''۔ (سنن ابن ماجہ میں روایت ہے)

دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے بہت کم ہے

آج کے دور میں حقوق العباد پر عوام تو کیا بعض خواص بھی دھیان نہیں دیتے حالانکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ فضل بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کے مرض وفات کی حالت میں حاضر ہوا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سر مبارک پر ایک زرد پٹی باندھے ہوئے تھے۔ میں نے سلام کیا۔ آپ نے جواب کے بعد ارشاد فرمایا کہ اے فضل ذرا اس بیٹی کو اور زور سے کس دو۔ میں نے تعمیل ارشاد کر دیا۔ پھر حضور بیٹھے اور میرے مونڈھے پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے اور مسجد کو تشریف لے گئے۔ اس کا حدیث میں ایک مفصل قصہ ہے۔ (شمائل ترمذی)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جس قصہ کی طرف اشارہ کیا ہے وہ مجمع الزوائد میں مفصل مذکور ہے۔ اس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد تشریف لے گئے اور منبر پر بیٹھ کر مجھ سے (یعنی فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے) فرمایا کہ آواز دے کر لوگوں کو جمع کر لو فضل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں سب کو بلا لایا اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی حمد وثنا کے بعد ارشاد فرمایا کہ:

''اے لوگو! میرا اب تمہارے پاس سے چلے جانے کا زمانہ قریب آ گیا ہے اس لئے میں اعلان کرتا ہوں کہ میں نے جس کی کمر پر مارا ہو تو میری کمر موجود ہے وہ مجھ سے بدلہ لے لے اور میں نے جس کی آبرو پر کوئی حملہ کیا ہو تو وہ میری آبرو سے بدلہ لے لے اسی طرح سے جس کا کوئی مال مطالبہ ہو تو وہ مجھ سے وصول کر لے اور کوئی شخص یہ شبہ نہ کرے کہ بدلہ لینے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں بغض پیدا ہونے کا اندیشہ ہے اس لئے کہ بغض رکھنا نہ میری طبیعت ہے نہ ہی میرے لئے یہ زیب دیتا ہے کہ کسی مسلمان سے بغض رکھوں۔ خوب سمجھ لو کہ اس شخص سے بہت خوش ہوں گا جو حق مجھ سے وصول کرے یا معاف کر دے تا کہ میں اللہ تعالیٰ کے یہاں بشاشت نفس کے ساتھ جاؤں۔

میں اپنے اس ایک دفعہ کے اعلان پر اکتفا نہیں کروں گا بلکہ پھر اس کا اعلان کروں گا۔ اس کے بعد آپ منبر سے اتر آئے اور ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد پھر منبر پر تشریف لے گئے اور وہی اعلان فرمایا۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اسی طرح سے جس شخص کے ذمہ کسی کا کچھ ہو وہ بھی ادا کر دے اور دنیا کی رسوائی کا خیال نہ کرے کہ دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے بہت کم ہے''۔

یہ سن کر ایک صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ رسول اللہ میرے تین درہم آپ کے ذمہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کسی مطالبہ کرنے والے کی نہ تکذیب کرتا ہوں نہ اس کو قسم دینا چاہتا ہوں لیکن اتنا پوچھنا چاہتا کہ وہ درہم کیسے ہیں (یعنی اس وقت مجھے یاد نہیں آئے کچھ اتا پتا بتلاؤ شاید یاد آ جائے) انہوں نے عرض کیا کہ ایک دن آپ کے پاس ایک سائل آیا تھا تو آپ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اس کو تین درہم دیدو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فضل رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان کے تین درہم ادا کر دو۔

اس کے بعد ایک اور صحابی اٹھے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میرے ذمہ تین درہم بیت المال کے ہیں میں نے خیانت سے لے لئے تھے۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیوں خیانت کی تھی؟ عرض کیا میں اس وقت بہت محتاج تھا۔ حضور ﷺ نے حضرت فضل رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان سے وصول کرلو۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے پھر اعلان کیا کسی حالت کا اندیشہ ہو تو وہ بھی دعا کرالے۔ (کہ اب روانگی کا وقت ہے) یہ سن کر ایک مخلص صحابی اٹھے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں جھوٹا ہوں منافق ہوں اور بہت سونے کا مریض ہوں میرے لئے دعا فرمادیجئے۔ آپ نے دعا فرمائی یا اللہ ان کو سچائی عطا فرما ایمان کامل نصیب فرما اور زیادتی نیند کے مرض سے صحت بخش دے۔

اس کے بعد ایک اور صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں جھوٹا ہوں۔ منافق ہوں، کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جو میں نے نہ کیا ہو میرے لئے دعا فرما دیجئے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو کہا اپنے گناہوں کا اظہار کرتے ہو۔ حضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ عمر چپ رہو۔ دنیا رسوائی آخرت کی رسوائی سے بہت ہلکی ہے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے دعا فرمائی کہ یا اللہ اس کو سچائی اور ایمان کامل نصیب فرما اور اس کے احوال کو بہتر فرمادے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک اور صحابی اٹھے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں بزدل ہوں اور سونے کا مریض ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کیلئے بھی دعا فرمادی۔ حضرت فضل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس بعد سے ہم دیکھتے تھے کہ ان کے برابر کوئی بہادر ہی نہ تھا۔ اسکے بعد آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے اور اسی طرح عورتوں کے مجمع میں بھی اعلان فرمایا۔ ایک صحابیہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں اپنی زبان سے عاجز ہوں۔ آپ نے ان کیلئے دعا فرمائی۔ (فضائل نبوی: ص:۸۱)

ف: حضرت صحابہ رضی اللہ عنہ کا اپنے آپ کو منافق فرمانا محض اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے تھا کہ باوجود ایمان وعمل کے اپنے آپ کو قصوروار ہی سمجھتے تھے۔ چنانچہ ہر زمانہ میں صالحین کا یہی شعار رہا ہے کہ انہوں نے اپنی طاعت پر نظر نہیں کی۔ بلکہ ہمیشہ اپنے کو وظائف عبودیت کی ادائیگی میں قاصر ہی سمجھا۔

عاصیاں از گناہ توبہ کنند
عارفاں از عبادت استغفار

یعنی گناہ گار تو گناہ سے توبہ کرتے ہیں مگر عارفین اپنی عبادات ہی سے توبہ اور استغفار کرتے ہیں۔

ابن ابی ملکیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے تیس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو پایا ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے اوپر نفاق کا اندیشہ کرتا تھا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص انفاق سے نہ ڈرتا ہو وہ منافق ہے۔ مشائخ نے فرمایا ہے کہ: لَا یَخَافُهٗ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا یَاْمَنُهٗ اِلَّا مُنَافِقٌ. یعنی نفاق سے مومن ڈرتا ہے اور منافق اس سے مامون رہتا ہے۔

شیطان انسان کو اندھیر نگری کی طرف لے جارہا ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ آپ کو نبوت کس وقت مل گئی تھی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس وقت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن، نشر الطیب)

اس مسئلے کی تفصیل جاننی ہو تو حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''نشر الطیب'' کا غور اور محبت سے مطالعہ کرلیں۔ یہاں تو بس شوق دلانے کے لئے چند روایات نقل کردی ہیں ورنہ ہمارا آج کا موضوع کچھ اور ہے یہاں نور و بشر کے

اختلافی مسئلے میں الجھنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ کیوں کہ اسی کتاب ''نشر الطیب'' میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل زندگی کا کچھ خاص خاکہ بھی بیان فرمایا ہے، جس میں کھانے، پینے، اولاد، نکاح، ازواج مطہرات سب باتوں کا تذکرہ ہے، اس لئے مسئلہ اختلافی نہیں بنتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو نورانی فرشتوں سے بھی افضل ہیں اور فرشتوں کے سردار حضرت جبرئیل امین علیہ السلام سے بھی افضل ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ پاک نے جو نور عطا فرمایا وہ مخلوق کو دیئے گئے ہر نور سے برتر ہے۔

ہمارا آج کا موضوع تو یہ ہے کہ ہم اندھیروں میں بھٹکنے والے انسانوں کو ''نور'' کی بے حد ضرورت ہے، اگر ہمیں نور نصیب نہ ہوا تو ہم اندھیروں میں ڈوب جائیں گے اور اللہ بچائے، اللہ بچائے اندھیروں کا سوداگر یعنی شیطان ہمیں اندھیر نگری یعنی جہنم کی طرف لے جائے گا، شیطان کا اندھیرا، جسمانی تقاضوں اور شہوتوں کا اندھیرا، کفر کا اندھیرا، نفاق کا اندھیرا، اور ناشکری، کم ہمتی، دنیا پرستی کا اندھیرا، جی ہاں اندھیرے بے شمار ہیں اسی لئے قرآن پاک میں جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔ ''الظلمت'' ظلمت کہتے ہیں اندھیر کو اور ظلمات اسی کی جمع ہے، جب کہ نور ایک ہے کیوں کہ اللہ ایک ہے اللہ ایک ہے۔

آج ہماری روح اور ہمارا جسم اندھیرے میں ڈوبا جارہا ہے۔ اللہ کی قسم گہرے سمندر میں ڈوب جانا اتنا خطرناک نہیں جتنا گمراہی، نفاق اور کفر میں ڈوبنا خطرناک ہے۔ کیا ہم نے کبھی غور کیا کہ ہم کتنے گہرے اور مہلک اندھیروں میں ڈوب رہے ہیں؟ کیا ہم نے کبھی ڈوبتے ہوئے بے بس انسان کی طرح اللہ تعالیٰ کو پکارا۔ اللہ، اللہ، اللہ۔

آج ہر طرف بدامنی کا اندھیرا اور قتل وغارت کا اندھیرا، غیر ملکی ایجنٹ ملک میں دندناتے پھرتے ہیں، اور ہر طرف پکڑو مارو، گھیرو اور کاٹو کا اندھیرا ہے۔

سیاست داں چھپ چھپ کر قوم کو دھوکے دے رہے ہیں کروڑوں اربوں روپے کے اشتہارات پانی کی طرح نالیوں میں بہہ رہے ہیں، اندھیرا ہی اندھیرا، اندھیرا ہی اندھیرا۔ ہر شخص کے دماغ میں شہوت کا بھوت سوار ہے، عورتیں چھپ چھپ کر غیر مردوں سے دوستیاں کررہی ہیں اور مردوں کی نگاہیں ہر عورت کو دیکھ کر کتے کی طرح بھونکنے لگتی ہیں اور حلال اور حرام کا فرق کرنے والے مسلمان تو اب بہت کم ہوتے جارہے ہیں۔ امت کے قیمتی لوگ آدھا دن سوتے ہیں اور آدھی رات جاگ کر ضائع کرتے ہیں، اللہ اکبر کبیرا۔ جوانی کے قیمتی لمحات، بستروں، کمپیوٹر، گپ بازیوں نے تباہ کردیئے، وہ مسلمان جن کے ذمے پوری دنیا کو جگانے کی ذمہ داری تھی اذان کی آواز سن کر بھی نہ جاگتے اور وہ اپنے قیمتی لمحات بستروں میں دفن کردیتے ہیں۔ اللہ اکبر اللہ اکبر۔

مدینہ منورہ کا گنبد خضرا حیران ہے اور مسجد اقصیٰ آنسو بہارہی ہے کہ قوم کے قیمتی سرمائے کو ذلت اور بے کاری نے جکڑ رکھا ہے اگر یہ سب کچھ اندھیرا نہیں تو اور کیا ہے؟ وہ مسلمان نوجوان جو زمین کا سینہ چیر سکتے تھے اور جو چاند پر اذان دے سکتے تھے، انٹرنیٹ پر اپنی زندگی اور جوانی تباہ کررہے ہیں ہر شخص نے اپنے کئی کئی نام رکھے ہوئے ہیں اور ہر نام کا الگ ای میل ایڈریس اور ہر نام سے الگ دوستیاں، الگ لڑکیاں، الگ لڑکے، ہائے مسلمان ہائے مسلمان تجھے کیا ہوگیا ہے؟ ای میل پر یاریاں کرنے والے نوجوان! مدینہ منورہ کی طرف تو دیکھ، اللہ کیلئے تھوڑی سی شرم کر، میں اکثر عرض کرتا رہتا ہوں کہ امریکہ انشاء اللہ مسلمانوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا مگر کمپیوٹر اور انٹرنیٹ مسلمانوں کو برباد کرکے رکھ دیں گے، یا اللہ حفاظت فرما، یا اللہ حفاظت فرما، انٹرنیٹ نے مسلمانوں میں نفاق پھیلا دیا ہے۔ بظاہر چہرے پر داڑھی، سر پر زلفیں مگر دل میں گناہوں کی پیپ اور خون... مجاہد اور مسجد سے دور۔ استغفر اللہ، استغفر اللہ.

جنوبی افریقہ کا ایک نوجوان کہتا ہے کہ اس نے اپنی زندگی کے کئی سال کمپیوٹر پر ضائع کر دیئے، وہ آخرت کی زندگی سنوارنا چاہتا تھا اور دل کا سکون کیوں کا کمپیوٹر نے اسے برباد کر دیا تھا۔ اس نے بتایا کہ میں نے اسی ہزار سے زائد صفحات اسکین کئے اور زندگی کے بے شمار دن اور راتیں اس منحوس کمپیوٹر پر ضائع کئے۔ آنکھیں کمزور، دل غافل، کمر میں درد، خفیہ یاریاں، دھوکے بازیاں، گمراہیاں، اور وقت کا ضیاع یہ کمپیوٹر کا ادنیٰ تحفہ ہے، آپ کو مسئلہ معلوم کرنا ہے تو الحمدللہ ہر محلے میں عالم، مفتی موجود ہیں آپ کو قرآن پاک سننا ہے تو ایک سے ایک قاری موجود ہے اور ٹیپ اور کیسٹ بھی موجود ہیں، آپ کو کتابیں پڑھنی ہے تو ہر شہر میں مکتبے کھلے ہوئے ہیں اور جگہ جگہ دینی کتب کے ذخیرے ہیں، آپ کو تقاریر سننی ہیں تو آڈیو کیسٹوں کا وسیع تر خزانہ دستیاب ہے، پھر آپ کو نیٹ پر مغز ماری کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جس کو کھولنے میں اتنا وقت لگتا ہے جس میں آپ آسانی سے ایک پارہ کلام الٰہی کی تلاوت کر سکتے بات دور نکل گئی، عرض یہ کر رہا تھا کہ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے کیا ہم نے کبھی اس اندھیرے سے نکلنے کی فکر کی؟ کیا ہم نے کبھی اللہ تعالیٰ سے تڑپ تڑپ کر نور مانگا، یا اللہ میں ڈوب رہا ہوں، اے آسمان وزمین کے نور! مجھے نور دے دے، نور دے دے، روشنی دے دے، مجھے سنبھال لے، مجھے بچالے، چند دن پہلے میں ایک حجام کی دکان پر بال کٹوانے گیا، دکان میں گھستے ہی گانے اور میوزک کی منحوس اور ناپاک آواز کانوں سے ٹکرائی میں تیزی سے باہر نکلنے لگا تو ''نائی'' نے از راہ ہمدردی آواز بند کر دی اور خود ایک آدمی کی داڑھی مونڈنے میں مصروف ہو گیا۔ اندھیرا، اندھیرا ہی اندھیرا، ٹی وی، کیبل، تصویریں، بے حیائی اور غیر شرعی حجامت، معلوم نہیں ہوتا تھا کہ کسی مسلمان کی دوکان ہے، پوری دیوار عورتوں کی نیم برہنہ تصویروں سے بھری ہوئی تھی، میں ذکر کرنا چاہتا تھا مگر بتوں کے درمیان شرم

آرہی تھی، اندھیرا ہی اندھیرا، اندھیرا ہی اندھیرا، ہائے میرا اللہ! آقا مدنی ﷺ کا نور بانٹتے رہے مگر ہم مسلمان کہاں جا گرے، آج تکنے لوگوں کو قرآن پاک کی حقیقی سمجھ ہے؟..... کسی کو فکر کہ مجھے دین کا پتہ نہیں، غزوۂ بدر اور احد سمجھنے والے آج کتنے مسلمان ہیں؟ اسلام دشمن عناصر صبح سات بجے اپنے دفتروں اور ڈیوٹیوں پر پہنچ کر مسلمانوں کے خلاف کام شروع کر دیتے ہیں جب کہ اسلام کے خادم دوپہر بارہ بجے ناشتہ کر رہے ہوتے ہیں، اندھیرا ہی اندھیرا، اندھیرا ہی اندھیرا۔

اے یوروپ اور امریکہ والو! مسلمان ہو جاؤ!

آقا مدنی ﷺ نے سمجھایا کہ فجر اور عشاء کی نماز میں خاص طور سے مسجدوں کی طرف جایا کرو تمہیں نور ملے گا، اللہ تعالیٰ نے سمجھایا کہ قرآن پاک میں نور ہی نور ہے، مگر ہم مسجد اور قرآن پاک سے کس قدر دور ہو گئے۔ ہم اندھیروں میں گرے تو اغیار ہم پر چھا گئے، ہم آج وہ مسلم ممالک کے ایٹمی اثاثہ جات تباہ کرنے کی دھمکی دیتے ہیں، اس کے برعکس مسلم حکمراں تو ذلت وپستی کے اندھیروں میں ایسے ڈوبے ہیں کہ ان کو نور اور روشنی کی خواہش بھی نہیں رہی مگر میں ایک چھوٹا سا مسلمان امریکہ اور یورپ سے پوچھتا ہوں کہ ٹھیک ہے تم ایٹمی اثاثوں کو لے جاؤ گے مگر یہ بتاؤ کہ نور سے بھرے ہوئے مسلمانوں کا کیا کرو گے؟ نور کا ایک ذرہ ایک سو ایٹم بموں سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔ اللہ اللہ اللہ، اسلام کے وہ فدائی جن کے دل میں اللہ تعالیٰ کا نور ہے وہ تمہارے کسی خواب کو پورا نہیں ہونے دیں گے، یاد رکھو تم سازش میں جیت سکتے ہو مگر جنگ میں نہیں، اگر تمہارے پاس ہتھیار بہت ہیں تو کیا پروا مجاہدین کے پاس نور بہت ہے اور یاد رکھو ''اینٹی نور میزائل'' آج تک کوئی ایجاد نہیں کر سکا، اللہ تعالیٰ کا وہ نور جو آقا مدنی ﷺ کو نصیف اور آقا مدنی ﷺ اسے امت

میں بانٹ گئے وہ نور ابھی بہت سے سینوں میں سلامت ہے، انٹرنیٹ، موبائل اور کوٹھی بنگلے کے لالچ نے ابھی تک بہت سے مسلمانوں تک رسائی نہیں پائی نور کے یہ شعلے جب تم پر برستے ہیں تو تم چیخیں مارتے ہو اور تمہاری قوت اور ٹیکنالوجی بے بس ہوجاتی ہے، تو نور کا مقابلہ نہیں کر سکتے، تو پھر آؤ اور ضد چھوڑ دو اور تم بھی اس نور کے مستحق بن جاؤ، ہاں امریکہ والو! مسلمان ہوجاؤ، ہاں! یوروپ والو! مسلمان ہوجاؤ، آجاؤ اس نور کی طرف جو اللہ پاک نے قرآن کی صورت میں نازل کیا ہے اور آجاؤ اس نور کی طرف جو حضرت محمد ﷺ کے دین کی صورت میں چمک رہا ہے، جانوروں جیسی شہوت پرستی چھوڑ دو، نائٹ کلبوں کے اندھیروں کو چھوڑ دو، آجاؤ تو حیدر، رسالت، اسلام اور قرآن کے نور کی طرف یقیناً تم کو سلامتی ملے گی اور اگر تم اس نور کی طرف نہ آئے تو پھر یاد رکھو تم اس نور کو بجھا نہیں سکتے اور نہ اس نور سے ٹکرا سکتے ہو۔ یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ ۔

''اللہ تعالیٰ اس نور کو پورا فرما کر رہے گا، ہر کچے پکے گھر میں یہ نور پہنچے گا اور اسلام دنیا پر بھی غالب ہوگا ضرور غالب ہوگا اے مسلمانو! اندھیرو سے توبہ کرو، اللہ تعالیٰ سے نور مانگو، نور مانگو اور نور کو ڈھونڈو اور نور کو تلاش کرو۔ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض.

ایک حبشی غلام کی سخاوت اور ایثار

''رسالہ قشیری'' میں حضرت عبداللہ بن جابر کے متعلق لکھا ہے کہ ایک دن وہ اپنی کسی جاگیر کی طرف جارہے تھے کہ راستہ میں آپ نے کسی نخلستان میں قیام فرمایا: اس نخلستان میں ایک حبشی غلام کام کر رہا تھا، آپ نے دیکھا کہ حبشی کا کھانا آیا تو اس کھانے میں تین روٹیاں تھیں۔ چنانچہ حبشی نے اپنے کھانے میں سے ایک روٹی نکالی اور سامنے کھڑے ہوئے کتے کو ڈالدی جب وہ کتا اس روٹی کو کھا چکا تو حبشی

نے دوسری روٹی نکالی اور اس کو کتے کے سامنے ڈال دیا۔ چنانچہ کتے نے اس کو بھی کھالیا۔ اس کے بعد حبشی نے اپنی تیسری اور آخری روٹی بھی نکال کر کتے کے سامنے ڈال دی۔ کتا اس کو بھی چٹ کر گیا۔ آپ بیٹھے ہوئے بڑے غور سے یہ ماجرا دیکھ رہے تھے۔ چنانچہ آپ نے اس حبشی غلام کو اپنے پاس بلایا اور اس سے پوچھا کہ لڑکے تجھ کو دن بھر میں کتنا کھانا ملتا ہے؟ غلام نے جواب دیا کہ بس وہ تین روٹیاں جو ابھی میں نے کتے کو کھلائیں، آپ نے فرمایا کہ پھر تو نے وہ تینوں کتے کو کیوں کھلا دیں اور خود کیوں بھوکا رہا؟

غلام نے جواب دیا کہ ہمارے اس دیس میں کتے نہیں ہوتے یہ کتا کسی غیر دیس سے بھوکا آیا معلوم ہوتا تھا۔ لہٰذا میں نے اس کو بھوکا لوٹانا مناسب نہ سمجھا۔ پھر آپ نے اس سے پوچھا کہ آج تو کیا کھائے گا؟ اس نے جواب دیا کہ اب کھاؤں گا کہاں سے اب تو بھوکا ہی رہوں گا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اصحاب سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ دیکھا سخی ایسے ہوتے ہیں۔ سخاوت کی بدولت یہ خود بھوک کی تکلیف اٹھائے گا مگر اس نے کتے کو بھوک کی تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا۔ سچ پوچھئے تو یہ لڑکا مجھ سے زیادہ سخی ہے اس کے بعد آپ نے اس غلام کو خرید کر آزاد کر دیا اور جس نخلستان میں وہ کام کر رہا تھا اس کو بھی خرید کر اس غلام کو ہبہ کر دیا۔

خانقاہی ماحول میں رہنے والے احباب کو انہی حضرات کے نقش قدم پر ہونا چاہئے۔ ورنہ ایثار کے نور سے محرومی رہے گی۔ کیوں ایثار و قربانی کا نور انبیاء علیہم السلام کو عطا کیا گیا ہے اور سب سے زیادہ امام الانبیاء حضور اقدس ﷺ کو عطا فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ ایثار و قربانی کے جو واقعات سیرت رسول ﷺ میں ملتے ہیں وہ اوروں کی زندگی میں نایاب ہیں۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ (ادریس حبان رحیمی)

علم کی عظمت واہمیت اوراہل علم کا مقام

حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ ارشادفرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شیطان نے اپنے چیلوں کوجمع کیااوران سے پوچھا،تم عالم کو بآسانی دھوکہ دے سکتے ہو یا بے علم جاہل کو؟ انہوں نے کہا، عالم کودھوکہ دینا آسان ہے، جاہل تو پتھر کی لکیر کی طرح جہاں لگا ہوا ہے وہاں سے ہٹتا ہی نہیں، شیطان بولا! تم غلط کہتے ہو، آؤ میرے ساتھ چلواور سبق لو۔ابلیس انہیں ایک مسجد میں لے گیا، وہاں ایک بوڑھے شخص عبادت کررہے تھے، جو بے علم، جاہل تھے، وہ ان کے پاس جاکر بولا، حضرت جی! السلام علیکم! بوڑھے نے پوچھا،تم کون ہو؟ شیطان بولا، میں جبرئیل ہوں، تمہیں اللہ نے بلایا ہے تمہیں معراج ہوگی، وہ بوڑھا شیطان کے قدموں میں گر پڑااور کہنے لگا میری قسمت ہی کھل گئی کہ تم مجھے لینے آئے ہو۔ شیطان نے کہا، جلدی کرو، غسل کرکے سفید کپڑے پہنو، میں ابھی براق لے کرآتا ہوں، وہ تیار ہوکر بیٹھ گئے، شیطان ایک گدھے کو پکڑ لایا اوراس پر لال کپڑا ڈال کر مسجد کے دروازے پر کھڑا کردیا پھر بولا، براق آگیا ہے چلیں سوار ہوجائیں، وہ بوڑھا کودکراس پر سوار ہوگیا، شیطان گدھے کا کان پکڑ کر چل دیا، وہ بڑے خوش کہ میں آسمان پر اللہ تعالیٰ سے ملنے جارہا ہوں، چلتے چلتے شہر کا بڑا نالہ جس میں گندا پانی بھرا ہوا تھا اس میں دھکا دے کر گرادیا، بڑے میاں گندگی سے بھر گئے، شیطان نے اپنے چیلوں سے کہا،تم نے دیکھا کہ جاہل آدمی کو بہکانا اوردھوکہ دینا کتنا آسان ہے، آؤ ایک عالم کے پاس چلیں، اب شیطان ایک بزرگ عالم کے پاس پہنچا جوآرام کررہے تھے، اس نے دروازے پر کھڑے ہوکر آواز دی، حضرت جی! ذرا جاگیں، میری بات سنیں۔ وہ بولے، ارے کون ظالم ہے جو رات کوآرام نہیں کرنے دیتا؟ شیطان نے کہا، مولوی

صاحب! میں جبرئیل ہوں، آپ کو لینے آیا ہوں، آپ کومعراج ہوگی۔ عالم نے کہا، شیطان کے بچے! جبرئیل تو نبیوں کے پاس آیا کرتے تھے، میں کوئی نبی ہوں؟ ذرا ٹھہر، ابھی تیری خبر لیتا ہوں۔

شیطان اپنے چیلوں سے یہ کہتا ہوا بھاگ کھڑا ہوا کہ دیکھا تم نے دین کا علم رکھنے والے کومکروفریب میں لانا کتنا مشکل ہے؟ اہل علم کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) کہو کہ بھلا جولوگ علم رکھتے ہیں اور جونہیں رکھتے کیا دونوں برابر ہوسکتے ہیں۔ (سورۃ الزمر) نیز فرمایا: اللہ سے تو اس کے بندوں میں ڈرتے وہی ہیں جو (عظمت الٰہی کا) علم رکھنے والے ہیں۔ (سورہ الفاطر)

علم کس قدر اہمیت کی حامل چیز ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن پاک ہمیں یہ دعا کرنے کی ترغیب دیتا ہے ''رب زدنی علما'' (میرے پروردگار، میرے علم میں اضافہ فرما)'' علم کے بارے میں بے شمار احادیث موجود ہیں۔ چند احادیث بطور نمونہ پیش ہیں:

● علم حاصل کرنے والا اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے۔ ● علم جنت کے راستوں کا نشان ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے اور صحیح بات اس کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ دین میں سمجھ حاصل کرنے سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں۔ ● علم حاصل کرنے والے کو خوش آمدید ہوا سے فرشتے اپنے پروں سے گھیر لیتے ہیں اور پھر اس کثرت سے آکر اوپر تلے جمع ہوتے رہتے ہیں کہ آسمان تک پہنچ جاتے ہیں۔ علم کی اسی اہمیت کے پیش نظر اسلام نے حکم دیا ہے کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک علم کی کس قدر اہمیت ہے اس کا اندازہ اس بات سے لایا جاسکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کا آغاز ہی ''اقراء'' (پڑھو) سے ہوا۔ علم ہی دین اور

دنیا کی ہر شے کی بنیاد ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہاں کون سا علم مردا ہے' عصری علوم یا دینی؟ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ یہ سائنس وٹکنالوجی، ریاضی والجبرا، تاریخ وجغرافیہ اورادب وفنون کی تعلیم حاصل کرنے کا قائل نہیں بلکہ قرآن وحدیث خود ان علوم کے حصول کی دعوت دیتے ہیں، مگر اس لئے نہیں کہ آدمی چار پیسے کمانے کے قابل بن جائے یا دوسروں پر اپنی برتری ثابت کر سکے، بلکہ اس لئے کہ ان سب چیزوں کے خالق کو پہچان لے اور اس کا مطیع وفرماں بردار بن جائے۔

ایک انتہائی نیک ودانا بادشاہ نے دارالعلوم قائم کیا۔ ایک روز بادشاہ نے وہاں کا دورہ کیا اور طلبہ سے پوچھا کہ وہ علم کیوں حاصل کر رہے ہیں؟ کسی نے کہا میں عالم بننا چاہتا ہوں، کسی نے کہا! خطیب بننا چاہتا ہوں، کسی نے کہا! جج بننا چاہتا ہوں، غرض ہر ایک نے اپنا مقصد دنیوی منصب کا حصول بتایا، ایک بچے نے جواب دیا کہ میں علم صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کیلئے حاصل کر رہا ہوں۔ بادشاہ مہتمم کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ اگر یہ بچہ یہاں نہ ہوتا تو میں دارالعلوم بند کروا دیتا، آخر ان بچوں کو یہ بات کیوں نہیں سکھائی گئی کہ علم حاصل کرنے کا مقصد صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہوتا ہے؟ یہی سعادت مند بچہ بڑا ہو کر شیخ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کہلایا۔

اسلام تارک الدنیا، راہب اور جوگی بننے کی تعلیم نہیں دیتا اور نہ ہی اس بات کا حامی ہے کہ نہ تو جدید علوم کا حصول جائز ہے اور نہ ہی جدید ایجادات سے استفادہ بلکہ وہ میانہ روی اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے، یعنی جدید علوم بھی حاصل کرو، نئی نئی ایجادات سے استفادہ بھی کرو، مگر انہیں نہ تو مقصد حیات بناؤ اور نہ ہی ان کا منفی استعمال کرو۔ ایک ڈاکٹر کے والد کا انتقال ہو گیا، جنازے کے بعد وہ زار وقطار رونے لگا، مولانا نے اسے تسلی دی تو وہ کہنے لگا کہ میں اس لئے نہیں رو رہا کہ میرے والد فوت ہو گئے ہیں، ہر ایک کو دنیا سے جانا ہے، میں تو اس بات پر رو رہا ہوں کہ

میرے والد نے مجھے اتنی تعلیم دلوائی کہ میں ڈاکٹر بن گیا، مگر مجھے دین سے بے بہرہ رکھا۔ آج میرے والد کی میت میرے سامنے ہے اور مجھے نماز جنازہ تک نہیں آتی۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اتنا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض قرار دیا ہے کہ جس کی روشنی میں وہ چوبیس گھنٹے کی زندگی شرعی احکام کے مطابق گذار سکے، جس طرح ہر شخص ایم فل اور پی ایچ ڈی نہیں کر سکتا اسی طرح ہر آدمی کیلئے عالم یا مفتی بننا بھی ضروری نہیں ہے مگر ایک مسلمان کی حیثیت سے بقدر ضرورت دینی علم تو حاصل کرنا چاہئے۔ ہم اپنی اولاد کی ایک تہائی زندگی دنیوی علوم کے لئے وقف کر دیتے ہیں گرمی، سردی، دھوپ، برسات، کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتے حتی کہ نیند پوری ہو یا نہ ہو بچوں کو منہ اندھیرے روتے دھوتے اس کو بھجواتے ہیں، صرف اس لئے کہ باقی ماندہ وہ تہائی زندگی (جس کی کوئی ضمانت نہیں ۹ سکون سے گذر جائے مگر دین کا علم سیکھنے کے لئے روزانہ ایک گھنٹہ بھی نہیں نکال سکتے نہ ہمیں آخرت کی یقینی زندگی کے سکون کی فکر ہوتی ہے اور نہ ہی یہ خدشہ کہ کہیں روز قیامت ہمیں اربوں انسانوں کے مجمع میں ذلیل ورسوا نہ ہونا پڑے۔ (محمد ادریس جہان رحیمی)

ہواؤں کو تابع فرمان کر دیا

فرمایا: اللہ کے پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے کی پسندیدہ خصلت کی بناء پر گھوڑوں کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ آپ کے پاس مضبوط اور تیز رفتار گھوڑے تھے اور ان کے پہلو پروں سے مزین تھے۔ (یعنی پروں کا لے گھوڑے تھے) جو ہواؤں میں اڑتے تھے۔ ایک موقع پر آپ ان کے جائزہ ومعائنہ اور نظم وتنظیم میں مشغول تھے کہ اسی دوران نماز عصر کا وقت گذر گیا۔ جب یاد آیا تو کہنے لگے ''تمہاری وجہ سے میری نماز فوت ہو گئی۔ اللہ ذوالجلال کی قسم، آج

کے بعدتم میرے رب کی عبادت میں رکاوٹ نہ بن سکو گے''۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ خاص سلیمان علیہ السلام کو دیکھا کہ اس نے میرے اخلاص کی وجہ سے میرے عذاب سے خوفزدہ ہوکر اور میری محبت وجلالت کے سامنے صرف اس لئے ان نفیس گھوڑوں کو قربان کردیا کہ انہوں نے ان کو اپنی کشش میں اتنا محو کردیا کہ نماز کا وقت نکل گیا ہے تو اللہ کریم نے اس کا صلہ اس سے کئی گنا بہتر دیا کہ سبک اندام ہوا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کا تابع فرمان کردیا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے''اور ہم نے داؤد کو سلیمان علیہ السلام (بیٹا) عنایت کیا۔ وہ اچھا بندہ (اللہ کی طرف) بہت رجوع کرنے والا تھا۔ جب سورج ڈھلنے پر عمدہ اور اصل گھوڑے اس کے سامنے لائے گئے تو کہنے لگا۔ میں نے مال کی (گھوڑوں کی) محبت اللہ کی یاد سے زیادہ چاہی، یہاں تک کہ سورج پردے میں چھپ گیا (ڈوب گیا)، (تو اس نے کہا) ان گھوڑوں کو میرے سامنے پیش کرو وہ پیش کئے گئے تو ان کی ٹانگیں اور گردنیں تلوار سے کاٹنا شروع کیں''۔ (سورہ:ص)

حضرت سلیمان علیہ السلام جہاں جانا چاہتے تھے یہ ہوا ان کے لئے رواں دواں رہتی تھی۔ گھوڑوں کی رفتار کہیں بہتر اور تیز تر تھی۔

اس واقعہ سے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی صداقت حقیقت کے روپ میں سامنے آجاتی ہے۔'اے انسان! اگر تو کوئی چیز بھی خوف الٰہی سے ترک کرے گا تو اللہ عزوجل تجھے اس سے بہتر بدلہ عنایت فرمائے گا''۔ (مسند احمد، بیہقی)

شاندار مثال

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقرر کئے ہوئے اکثر عمال سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اہل حمص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اپنے عامل سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کی شکایت

کرکے انہیں معزول کردینے کا مطالبہ کیا۔ ان کی شکایت یہ تھی کہ جب تک دن اچھی طرح نہیں چڑھ جاتا کسی سے ملاقات نہیں کرتے۔ رات کو اگر کوئی ان سے ملنے آئے تو ملنا تو رہا درکنار جواب بھی نہیں دیتے۔ ایک دن گھر سے باہر ہی نہیں نکلتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تحقیق کرائی تو معلوم ہوا کہ عامل مذکور ہر روز آٹا گوندھتا ہے اور خود ہی روٹی پکاتا ہے۔ اس لئے دن چڑھتے تک لوگوں سے مل نہیں سکتا۔ ساری رات عبادت میں گذار دیتا ہے۔ مہینہ میں ایک دن اپنے کپڑے دھوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ایک ہزار روپئے بھیجے تاکہ وہ کسی نوکر کو مقرر کرلیں لیکن سعید رضی اللہ عنہ نے انہیں لشکر میں تقسیم کردیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی چھ نصیحتیں

ایک موقع پر خلیفہ دوم امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بطور نصیحت فرمایا:

- جو آدمی زیادہ ہنستا ہے اس کا رعب کم ہوجاتا ہے۔
- جو مذاق زیادہ کرتا ہے لوگ اسے کم رتبہ اور بے حیثیت سمجھتے ہیں۔
- جو باتیں زیادہ کرتا ہے اس کی لغزشیں زیادہ ہوجاتی ہیں۔
- جس کی لغزشیں زیادہ ہوجاتی ہیں اس کی حیا کم ہوجاتی ہے۔
- جس کی حیا کم ہوجاتی ہے اس کی پرہیزگاری کم ہوجاتی ہے۔
- اور جس کی پرہیزگاری کم ہوجاتی ہے اسکا دل مردہ ہوجاتا ہے۔ (حیاۃ الصحابہ)

غریبی اور خوش حالی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: محتاجی اور غربت سات چیزوں کی وجہ سے آتی ہے۔

(۱) جلدی جلدی نماز پڑھنے سے۔

(۲) کھڑے ہوکر پیشاب کرنے سے۔
(۳) پیشاب کرنے کی جگہ پر وضو کرنے سے
(۴) کھڑے ہوکر پانی پینے سے۔
(۵) منہ سے چراغ بجھانے سے۔
(۶) دامن یا آستین سے منہ صاف کرنے سے۔

خوش حالی مندرجہ سات چیزوں کے کرنے سے آتی ہے۔

(۱) قرآن کریم کی تلاوت کرنے سے۔
(۲) پانچوں وقت کی نماز پڑھنے سے
(۳) اللہ کا شکر ادا کرنے سے۔
(۴) غریبوں اور مجبوروں کی مدد کرنے سے۔
(۵) گناہوں سے معافی مانگنے سے۔
(۶) ماں باپ اور رشتے داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے سے۔
(۷) صبح کے وقت سورہ یٰسین اور شام کے وقت سورہ واقعہ پڑھنے سے۔

صفوں کو سیدھا اور برابر رکھنے کا حکم ہے

نماز کے لئے جو اجتماعی نظام جماعت کی شکل میں تجویز کیا گیا ہے اس کیلئے رسول اللہ ﷺ نے یہ طریقہ تعلیم فرمایا کہ لوگ صفیں بنا کر برابر برابر کھڑے ہوں۔ ظاہر ہے کہ نماز جیسی اجتماعی عبادت کیلئے اس سے زیادہ حسین وسنجیدہ اور اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہوسکتی۔ پھر اس کی تکمیل کیلئے آپ نے تاکید فرمائی کہ صفیں بالکل سیدھی ہوں کوئی شخص ایک انچ نہ آگے ہو نہ پیچھے پہلے اگلی صف پوری کرلی جائے اس کے بعد پیچھے کی صف شروع کی جائے۔ بڑے اور ذمہ دار اور اصحاب علم

وفہم اگلی صفوں میں اور امام سے قریب جگہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ چھوٹے چھوٹے بچے پیچھے کھڑے ہوں۔ امام سب سے آگے اور صفوں کے درمیان میں کھڑا ظاہر ہے کہ ان سب باتوں کا مقصد جماعت کی تکمیل اور اس کو زیادہ مفید اور موثر بنانا ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود ان باتوں کا عملاً اہتمام فرماتے اور وقتاً فوقتاً امت کو بھی ہدایت تلقین فرماتے، اور ان کا ثواب بیان فرما کر ترغیب دیتے۔ نیز ان امور میں بے پروائی کرنے والوں کو سخت تنبیہ فرماتے اور اللہ کے عذاب سے ڈراتے تھے۔

صفوں کو سیدھا اور برابر کرنے کی اہمیت اور تاکید حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگ نماز میں صفوں کو برابر کیا کریں کیونکہ صفوں کا سیدھا اور برابر کرنا نماز اچھی طرح ادا کرنے کا جزو ہے۔ (بخاری)

مطلب یہ کہ اقامت صلوٰۃ جس کا قرآن مجید میں جابجا حکم دیا گیا ہے اور جو مسلمان کا سب سے اہم فریضہ ہے اس کی کامل ادائیگی کے لئے یہ شرط بھی ہے کہ جماعت کی صفیں بالکل سیدھی اور برابر ہوں۔ سنن ابی داؤد وغیرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے تو پہلے داہنی جانب رخ کرکے لوگوں سے فرماتے کہ برابر برابر ہوجاؤ۔ اور صفوں کو سیدھا کرو۔ اس حدیث سے اور اس کے علاوہ بھی اور بعض دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ خصوصاً نماز کے لئے کھڑے ہونے کے وقت اکثر وبیشتر یہ تاکید فرماتے تھے۔ حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ ہماری صفوں کو اس قدر سیدھا اور برابر کراتے تھے گویا کہ ان کے ذریعہ آپ تیروں کو سیدھا کریں گے۔ یہاں تک کہ آپ کو خیال ہوگیا کہ اب ہم لوگ سمجھ گئے (کہ ہم کو کس طرح برابر کھڑا ہونا چاہئے) اس کے بعد ایک دن ایسا ہوا کہ آپ باہر تشریف لائے اور نماز پڑھانے کے لئے اپنی جگہ پر کھڑے بھی ہوگئے یہاں تک

کہ قریب تھا کہ آپ تکبیر کہہ کر نماز شروع فرمادیں کہ آپ کی نگاہ ایک شخص پر پڑی جس کا سینہ صف سے کچھ آگے نکلا ہوا تھا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کے بندو! اپنی صفوں کو سیدھا اور بالکل برابر کرو ورنہ اللہ جل شانہ تمہارے رخ ایک دوسرے کے مخالف کردے گا۔ (صحیح مسلم)

حدیث کے الفاظ گویا کہ آپ صفوں کے ذریعہ تیر سیدھے کریں گے کا مطلب سمجھنے کے لئے یہاں یہ جان لینا چاہئے کہ اہل عرب شکار یا جنگ میں استعمال کے لئے جو تیر تیار کرتے تھے ان کو بالکل سیدھا اور برابر کرنے کی بڑی کوشش کی جاتی تھی۔ اس لئے کہ کسی چیز کی برابری اور سیدھے پن کی تعریف میں مبالغے کے طور پر وہاں کہا جاتا تا کہ وہ چیز ایسی برابر اور اس قدر سیدھی ہے کہ اس کے ذریعہ تیروں کو سیدھا کیا جاسکتا ہے۔ یعنی وہ تیروں کو سیدھا اور برابر کرنے میں معیار اور پیمانہ کا کام دے سکتی ہے۔ الغرض اس حدیث کے راوی حضرت نعمان بن بشیر کا مطلب بس یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ ہماری صفوں کو اس قدر سیدھی اور برابر کرنے کی کوشش فرماتے تھے کہ ہم میں سے کوئی سوت برابر بھی آگے یا پیچھے نہ ہو۔

یہاں تک کہ طویل مدت کی اس مسلسل کوشش اور تربیت کے بعد آپ کو اطمینان ہوگیا کہ ہم کو یہ بات سمجھ میں آگئی لیکن اس کے بعد جب ایک دن آپ نے اس معاملہ میں ایک آدمی کی کوتاہی دیکھی تو بڑے جلال کے انداز میں فرمایا ''اللہ کے بندو! میں تم کو آگاہی دیتا ہوں کہ اگر صفوں کو برابر اور سیدھا کرنے میں تم بے پرواہی اور کوتاہی کروگے تو اس کی سزا میں تمہاری وحدت اور اجتماعیت پارہ پارہ کردی جائے گی اور تم میں پھوٹ پڑ جائے گی۔ صفوں کو برابر اور سیدھا کرنے میں کوتاہی اور

غفلت پر باہمی اختلاف اور پھوٹ کی وعید متعدد حدیثوں میں وارد ہوئی ہے اور بلا شبہ اس قصور اور اس کی اس سزا میں خاص مناسبت ہے۔ افسوس بہت سی دوسری چیزوں کی طرح اس معاملہ میں بھی کوتاہی خاص کر بعض علاقوں میں بہت عام ہوچکی ہے۔ حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نماز میں یعنی نماز کیلئے جماعت کھڑے ہونے کے وقت ہمیں برابر کرنے کے لئے ہمارے مونڈھوں پر ہاتھ پھیرتے تھے اور فرماتے تھے برابر برابر ہوجاؤ اور مختلف (یعنی آگے پیچھے) نہ ہو کہ خدانہ کرے کہ اس کی سزا میں تمہارے قلوب باہم مختلف ہوجائیں اور فرماتے تھے کہ تم میں سے جو دانشمند اور سمجھ دار ہیں وہ میرے قریب ہوں ان کے بعد وہ لوگ ہوں جن کا نمبر اس صف میں ان کے قریب ہو اور ان کے بعد وہ لوگ جن کا درجہ ان سے قریب ہو۔ (صحیح مسلم)

اس حدیث میں صفوں کی برابری کے علاوہ صف بندی ہی کے متعلق رسول کریم ﷺ کی ایک دوسری ہدایت یہ بھی بیان ہوئی ہے کہ ان کے بعد اس لحاظ سے دوم درجہ والے اور ان کے بعد سوم درجہ والے۔ ظاہر ہے کہ یہ ترتیب بالکل فطری بھی ہے اور تعلیم وتربیت کی مصلحت کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ اچھی اور ممتاز صلاحیتوں والے درجہ بدرجہ آگے اور قریب رہیں۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ کا دستور تھا کہ جب ہم کو نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوتے تو پہلے آپ ہماری صفوں کو برابر فرماتے اور جب ہماری صفیں درست اور برابر ہوجاتیں تو آپ تکبیر کہتے یعنی نماز شروع فرماتے۔ (ابوداؤد)

آج کل مساجد میں قالین اور غالیچے موجود ہیں۔ قمقموں اور ائرکنڈیشنر کی بھرمار ہے لیکن صفوں کی درستگی کی طرف دھیان نہیں جو مومنین کے قلوب کو سیدھے رکھنے کا بڑا ذریعہ ہے۔ (محمد ادریس حیان رحیمی)

غیبت مردار کھانے سے بھی زیادہ سخت ہے

جن گناہوں کا صدور زبان سے ہوتا ہے انہی میں سے ایک غیبت ہے۔ غیبت کا رواج اس قدر عام ہو چکا ہے کہ ہماری کوی بھی مجلس ومحفل اس سے خالی نہیں ہوتی۔عوام کا ذکر ہی کیا خواص بھی اس کا شکار ہیں۔ اسی رواج کی بناپر معاشرے میں ''غیبت'' کا معصیت کبیرہ ہونا اتنا مقصود نہیں ہے جتنا کہ دیگر کبائر کا۔حالانکہ قرآن کریم نے غیبت کے حوالے سے اتنے سنگین الفاظ استعمال فرمائے ہیں کہ شاید کسی دیگر معصیت کے بارے میں اتنے سخت الفاظ استعمال نہیں فرمائے۔ ملاحظہ ہو۔ارشاد ربانی ہے۔''کوئی کسی کی غیبت نہ کرے کیا تم میں کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے اس کو تم (ضرور) برا سمجھتے ہو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ (غیبت چھوڑ دو، توبہ کرلو) بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔(سورہ الحجرات)

آیت بالا میں کسی مسلمان کی آبروریزی اور توہین وتحقیر کو اس کا گوشت کھانے کے مثل ومشابہ قرار دیا گیا۔ کیونکہ اس سے باہمی نااتفاقیاں پیدا ہوتی ہیں۔دلوں میں فتنہ وفساد کا بیج پڑتا ہے اس وقت ہماری سوسائٹی میں بگاڑ کا ایک عظیم سبب غیبت ہے۔قرآن کریم نے اسے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہہ دی ہے کہ جس طرح کسی مردہ مسلمان کا گوشت کھانا حرام ہے اسی طرح اس کی غیبت بھی حرام ہے۔غیبت کے معنی کسی شخص کی غیر موجودگی میں اس کے متعلق اس کے کسی ایسے قول وفعل یا حال کا ذکر کرنا جس کی سماعت سے اسے ناگواری اور اذیت ہو۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فرمایا کیا تم جانتے ہو غیبت کس کو کہتے ہیں؟ صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی کو زیادہ علم ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا، تمہارا اپنے کسی مسلمان بھائی کا اس طرح ذکر کرنا جس سے اس کو ناگواری ہو (بس یہی غیبت ہے)۔(رواہ مسلم)

کسی نے عرض کیا کہ حضرت اگر میں اپنے بھائی کی کوئی ایسی برائی ذکر کروں جو واقعتاً اس میں موجود ہو (تو کیا یہ بھی غیبت ہے) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''غیبت جب ہی ہوگی جب کہ وہ برائی اس میں موجود ہو اور اگر اس میں وہ برائی اور عیب موجود ہی نہیں ہے (جو تم نے اس کی طرف نسبت کر کے ذکر کیا ہے) تو پھر یہ بہتان ہے (اور غیبت سے بھی زیادہ سخت اور سنگین ہے) غیبت کے سلسلہ میں حضور اکرم ﷺ نے بڑی شدید وعیدیں بیان فرمائیں۔ ایک روایت میں ارشاد فرمایا:''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ ''جب مجھے معراج ہوئی تو (ملا اعلیٰ کے اس سفر میں) میرا گذر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا جن کے ناخن سرح تانبے کے تھے۔جن سے وہ اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ نوچ کر زخمی کر رہے تھے۔ میں نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جو ایسے سخت عذاب میں مبتلا ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو زندگی میں لوگوں کے گوشت کھایا کرتے تھے۔یعنی اللہ کے بندوں کی غیبتیں کیا کرتے تھے اور ان کی آبروؤں سے کھیلتے تھے۔(ابوداؤد، کتاب الادب باب فی الغیبۃ)

بیہقی کی ایک روایت میں ''غیبت'' کو ''زنا'' سے بھی زیادہ سخت فرمایا گیا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ وحضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''غیبت زنا سے زیادہ سخت اور سنگین ہے''۔بعض صحابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضرت! غیبت زنا سے زیادہ سنگین کیوں کر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بات یہ ہے کہ آدمی اگر بدبختی سے زنا کر لیتا ہے تو صرف توبہ کرنے سے اس کی

معافی ومغفرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوسکتی ہے مگر غیبت کرنے والے کو جب تک خود وہ شخص معاف نہ کرے جس کی اس نے غیبت کی ہے اس کی معافی اور بخشش اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوگی اور یہ اس لئے ہے کہ چونکہ ''غیبت'' کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور حقوق العباد کا معاملہ یہ ہے کہ جب تک صاحب حق اس کو معاف نہ کردے اس وقت تک وہ حق معاف نہیں کرسکتا۔ (البیہقی فی شعب الایمان)

ایک روایت میں حضور اکرم ﷺ نے غیبت کو بدترین سود قرار دیا جب کہ سود اتنا سنگین جرم ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''سود کے ستر درجات ہیں۔ غیبت کے سلسلہ میں آپ ﷺ نے کتنی سخت وعید ارشاد فرمائی۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے غیبت کرنے والوں سے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا! اے وہ لوگو جو زبان سے اسلام لائے ہو اور ایمان ابھی ان کے دلوں میں نہیں اترا ہے۔ مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو اور ان کے پیچھے ہوئے عیبوں کے پیچھے نہ پڑو کیونکہ جو ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی ہوگا اور جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ معاملہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اس کے گھر میں ذلیل کردے گا''۔ (ابوداؤد)

کسی مسلمان کی غیبت اور عیوب کی تشہیر میں دلچسپی لینا دراصل ایک ایسی ہی منافقانہ حرکت ہے جو صرف ایسے ہی لوگوں سے سرزد ہوسکتی ہے جو صرف زبان کے مسلمان ہوں اور ایمان نے ان کے دلوں میں گھر نہ کیا ہو۔ جس طرح غیبت کرنا حرام ہے اسی طرح غیبت کا سننا بھی حرام ہے۔ جس مجلس میں غیبت ہورہی ہو تو سننے والے کو چاہئے کہ وہ اپنے غائب بھائی کی طرف سے بشرط قدرت مدافعت کرے اور اگر مدافعت پر قادر نہ ہو تو کم از کم اس کے سننے سے پرہیز کرے اور اس گفتگو میں شریک نہ ہو کیونکہ غیبت کا بقصد واختیار سننا غیبت کرنے کے مثل ہے۔

حضرت ربعی رحمۃ اللہ علیہ ایک مشہور تابعی ہیں۔ اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی مجلس میں بھی شریک تھا۔ سخت ناگواری کے باوجود مجلس سے اٹھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ رات کو خواب دیکھا کہ ایک سیاہ فام شخص ایک بڑے طشت میں گوشت لئے کھڑا ہے اور مجھ سے کہہ رہا ہے۔ ''اسے کھاؤ'' میں نے غور سے دیکھا تو وہ خنزیر کا گوشت تھا۔ میں نے کہا اے اللہ کے بندے! مسلمان ہوں، اسے کیسے کھاؤں؟ اس نے کہا تمہیں کھانا پڑے گا پھر وہ زبردستی گوشت کے ٹکڑے میرے منہ میں ٹھونسنے لگا باوجود مدافعت کے وہ ٹھونستا رہا حتی کہ مجھے قئے ہوگئی۔ بالآخر اسی شدید اذیت کی حالت میں میری آنکھ کھل گئی۔ بوقت طعام جب میں نے کھانا کھایا تو خنزیر کے گوشت کا بدبودار ذائقہ محسوس ہوا اور تیس دن تک یہ حال رہا۔ جب بھی کھانا کھاتا یہ بدترین ذائقہ میرے کھانے میں شامل ہوجاتا۔ (العیاذ باللہ)

حضرت میمون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک روز یہ خواب دیکھا کہ ایک زنگی غلام کی نعش پڑی ہے۔ کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا کہ میمون اسے کھاؤ میں نے کہا اے اللہ کے بندے! میں اسے کیوں کھاؤں، کہنے لگا اس لئے کہ تو نے اس کی غیبت کی ہے۔ میں نے کہا خدا کی قسم میں نے اس کے متعلق اچھی یا بری کوئی بات بھی نہیں کہی۔ کہنے لگا ہاں تو نے اس کی غیبت تو نہیں کی لیکن سنی تو ہے اور تو اسی پر راضی رہا۔ حضرت میمون رضی اللہ عنہ پر اس خواب کا اثر یہ ہوا کہ اس کے بعد سے پوری زندگی نہ کسی کی غیبت کی اور نہ اپنی مجلس میں کسی کو غیبت کرنے دی۔ (معارف القرآن، ج:۸، ص:۱۲۲)

بعض مواقع پر اللہ تعالیٰ معاصی کی صورت مثالی بھی ظاہر فرمادیتا ہے تاکہ عبرت حاصل کی جائے۔ لیکن درحقیقت ہم لوگوں کا ذوق اتنا فاسد اور حس اس قدر مٹ چکی ہے کہ معاصی کی شناخت وقباحت بھی قلوب میں باقی نہیں رہی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے جن اشخاص کو ذوق سلیم اور حس سلیم عطا فرمائی ہے وہ مشاہدہ کرکے عبرت حاصل کرتے ہیں۔ (محمد ادریس حبان رحیمی)

کسب حلال کی اہمیت اور فضیلت

اسلام میں محنت کی عظمت اور کسب حلال کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''الکاسب حبیب اللہ'' (حلال) روزی کمانے والا اللہ تعالیٰ کا دوست ہے۔

اسلام نے کسب معاش میں حلال وحرام کا واضح فرق ملحوظ رکھا ہے اور معاشی وسائل کے استعمال میں کچھ پابندیاں عائد کی ہیں تا کہ کوئی انسان کی حق تلفی نہ کر سکے۔ دولت وحرص کی طمع اس کے ذہن ودماغ پر جنون کی طرح سوار ہو کر اسے اندھا نہ کردے اور وہ تہذیب واخلاق کی دیواروں کو گرا کر خود فراموشی میں مبتلا نہ ہو جائے کیونکہ انسان جب حلال وحرام کے اس فرق کو بھول جائے تو وہ حیوانوں کی مانند ہو جاتا ہے اور اسے ہر وقت صرف اپنا پیٹ پالنے کی فکر رہتی ہے۔

کسب مال کے وہ تمام طریقے جن سے افراد دوسروں کو نقصان پہنچا کر اپنا فائدہ حاصل کریں، ممنوع قرار دیئے گئے ہیں۔ ایک مقام پر فرمایا گیا ''مومنو! ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ، ہاں اگر آپس کی رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو (اور اس سے مالی فائدہ حاصل ہو جائے تو وہ جائز ہے) اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ تم پر مہربان ہے اور جو تعدی اور ظلم سے ایسا کرے گا، ہم اسے عنقریب جہنم میں داخل کریں گے اور یہ اللہ کے لئے آسان ہے۔

ارشاد ربانی ہے ''لوگو! جو چیزیں زمین میں حلال اور پاکیزہ ہیں وہ کھاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ ایک مقام پر فرمایا گیا، اے اہل ایمان! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں عطا فرمائی ہیں، انہیں کھاؤ اور اس کی نعمتوں کا شکر بھی ادا کرو''۔

ایک اور مقام پر ارشاد ربانی ہے ''اور جو حلال وطیب روزی اللہ نے تمہیں دی ہے، اسے کھاؤ اور اللہ سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو، ڈرتے رہو۔ ارشاد ربانی ہے ''پس اللہ نے جو تمہیں حلال رزق دیا ہے اس میں سے کھاؤ''۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے ''اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ اسے رشوت کے ذریعہ حاکموں کے پاس پہنچاؤ تا کہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ ناجائز طور پر تمہیں کھانے کا موقع ملے اور اسے تم جانتے بھی ہو۔ نیز فرمایا گیا، مومنو! ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ، ہاں اگر آپس کی رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو اور اس سے مالی فائدہ ہو جائے تو وہ جائز ہے۔

اسلام نے ان اشیاء کا استعمال جائز قرار دیا ہے جو خود بھی حلال ہوں اور ان کے حصول کا ذریعہ بھی حلال ہو۔ شریعت اسلامیہ میں زراعت، تجارت، صنعت وغیرہ حلال ذرائع رزق ہیں اس کے برعکس کسب معاش کے متعدد حرام ذرائع ہیں۔ جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

● خیانت کے ساتھ نفع کمانے سے منع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن خیانت کا بدلہ ملے گا اور اس کا حساب ہوگا اور خیانت کرنے والوں کو قیامت کے دن خیانت کی ہوئی چیز اللہ کے روبرو حاضر کرنی ہوگی۔

چوری

● اس سے مراد ہے کسی کا مال یا کوئی شے اس کی لاعلمی میں اٹھا لینا۔ اسلام نے چوری کو حرام قرار دیا ہے اور چور کے ہاتھ کاٹنے کی سزا مقرر کی ہے ارشاد ہوا ''اور جو چوری کرے مرد ہو یا عورت ان دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ یہ ان کے کئے کی سزا اور اللہ کی طرف سے عبرت ہے۔

ناپ تول میں کمی

● اسلام نے ناپ تول میں کمی کر کے کمائی کرنے اور نفع کمانے کو بھی ممنوع قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوا ''اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو۔ نیز فرمایا گیا! ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے خرابی ہے جو لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں۔ اسلامی تجارت میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ کہ کوئی تاجر کم مال دے کر زیادہ دام وصول کرے۔ زمانہ جاہلیت میں لوگوں نے دو دو پیمانے رکھے ہوئے تھے، جن میں ایک خریدنے اور دوسرا فروخت کرنے کے لئے استعمال کرتے تھے۔

رشوت

● یہ ایک معاشرتی برائی ہے جو حق دار کو اس کے حق سے محروم کرتی ہے اور غلط فیصلے کرانے کا سبب بنتی ہے۔ یہ وہ فائدہ ہے جو کوئی حاکم یا سرکاری ملازم اپنی ذمہ داری کے کام میں کسی متعلقہ فریق سے حاصل کرے اور یہ ذریعہ کمائی قطعاً حرام ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ''اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ اسے رشوت کے ذریعہ حاکموں کے پاس پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ ناجائز طور پر کھا جاؤ اور اسے تم جانتے بھی ہو اس حرام خوری میں صرف رشوت لینے والا ہی گنہگار نہیں بلکہ نبی اکرم ﷺ نے رشوت دینے والے کو بھی برابر کا گنہگار ٹھہرایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا دونوں جہنمی ہیں''۔

● ظلم اور جبر کے ساتھ کمزوروں کا مال یا ان کی جائیداد ہتھیانے کو بھی حرام ٹھہرایا گیا ہے۔ ارشاد ہوا ''جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں اور عنقریب وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے''۔

شراب کی خرید و فروخت

● شراب عقل انسانی پر پردہ ڈالتی ہے۔ اس کے نشے میں انسان ایسے کام اور حرکات کرتا ہے جو انسانی وقار کے خلاف ہیں۔ نیز شراب پینے سے انسان حیوانی جذبات سے مغلوب ہو کر ایسی حرکات کا مرتکب ہوتا ہے جو معاشرے میں بے حیائی پھیلانے کا سبب بنتی ہیں اسی لئے شراب کو ام الخبائث، یعنی ''برائیوں کی ماں'' کہا گیا ہے اور اسلام نے اس کا پینا ہی حرام نہیں ٹھہرایا بلکہ اس کی تجارت بھی اسی طرح حرام قرار دی ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ''اے ایمان والو! شراب، جوا، بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام، اعمال شیطانی میں سے ہیں۔ سو ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ''۔

سود

● معیشت کے بارے میں شریعت اسلامی نے جس چیز کو سب سے زیادہ ناپسند کیا ہے وہ سود ہے۔ سود دولت کو چند ہاتھوں میں مرتکز کر دیتا ہے اور اس سے غریب اور مجبور لوگوں کا استحصال ہوتا ہے۔ تجارت میں فریقین کے درمیان معاملہ باہمی رضا مندی اور تعاون و اشتراک سے طے پاتا ہے اور فریقین یکساں منافع حاصل کرتے ہیں اور نقصان میں بھی برابر کے شریک ہوتے ہیں جب کہ سود پر لئے گئے مال سے منافع حاصل ہونا لازمی نہیں اور اس صورت میں سود پر مال لینے والے کے لئے خسارے سے بچنے کی کوئی صورت باقی نہیں۔ تاہم سود پر مال دینے والے کا منافع کسی بھی قسم کے خطرے کے بغیر ہر صورت میں محفوظ رہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سود خوری سے انسان کے اندر ایسی سنگ دلی اور خود غرضی کا جذبہ پروان چڑھتا ہے جس کے بعد سود خور ہر وقت اپنی دولت کو بڑھانے کی فکر میں مگن رہتا ہے اور

اسے دیگر انسانوں کے معاشی ذرائع پر زبردستی قبضہ کر لینے میں بھی کوئی احتراز نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے سود کو حرام قرار دیا ہے۔

جوا

● وہ کھیل اور کام جن سے اتفاقی طور پر کسی ایک کو تمام نفع حاصل ہو جائے اور دیگر افراد کا سرمایہ ڈوب جائے جوا کہلاتا ہے جس معاشرے میں محنت اور مشقت سے جی چرانے کا رجحان بڑھ جائے اور اس کے افراد کی اکثریت جوے کی لت میں گرفتار ہو جائے، ایسا معاشرہ بالآخر تباہ ہو کر رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اسے شیطانی عمل قرار دیتے ہوئے حرام ٹھہراتا ہے ارشاد ہوا ''اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک اعمال شیطان ہیں۔ سو ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ، اسلام ہر شخص کو اپنی محنت اور جدوجہد سے کمانے کا حکم دیتا ہے انعامی ٹکٹ وغیرہ جوے ہی کی شکلیں ہیں۔ (محمد ادریس حبان رحیمی)

پانچ قیمتی عادتیں

انسانی زندگی میں عادات واطوار کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ اچھی عادتوں سے لوگ خوش ہوتے ہیں اچھی عادت رکھنے والوں کو پسند کرتے ہیں، ان سے ملنے کی تمنا کرتے ہیں اور ان سے تعلق اور دوستی پر ناز کرتے ہیں اس کے برخلاف برے خصائل اور عادات کے حامل اشخاص کو کوئی پسند نہیں کرتا نہ ان سے ملنا گوارا کرتا ہے اور نہی ان سے ربط وتعلق کی کوشش کرتا ہے۔ معاشرہ اور سماج میں بھی اچھی عادات اور خصائل کو تحسین کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جب کہ برے اطوار وخصائل سے معاشرہ میں لڑائی جھگڑا اور فتنہ وفساد برپا ہوتا ہے۔ تعلقات خراب ہوتے ہیں، رشتہ داریوں میں فرق آجاتا ہے دوستیاں ٹوٹ جاتی ہیں بدگمانی، نفرت اور عداوت بیدار ہو جاتی ہے۔

زبان اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے لیکن اس کا بیجا استعمال یا موقع بے موقع استعمال مسائل اور مشکلات پیدا کر دیتا ہے۔ عموماً دیکھا گیا کہ بیشتر خرابیوں کی اصل وجہ زبان کا بے احتیاطی سے استعمال ہے جو لوگ زبان پر کنٹرول کرتے ہیں وہ کئی ایک آزمائشوں اور مسائل سے محفوظ رہتے ہیں اور جو لوگ زبان پر کنٹرول نہیں کرتے وہ از خود مسائل اور مشکلات کو دعوت دیتے ہیں اور پھر بعد میں شرمندہ ہوتے ہیں چنانچہ بزرگوں کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ اپنی زبان کو بے لگام ہونے سے بچاتے تھے اور بڑی احتیاط سے زبان کا استعمال کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پانچ عادتیں ان کے نزدیک ہدیہ میں ملنے والے گھوڑوں سے بھی زیادہ قیمتی ہیں۔

(۱) ایسے معاملات میں نہ بولو جو تم سے متعلق نہ ہوں یہ فضول ہے اور تمہیں اس کا کوئی فائدہ پہنچنے والا نہیں۔

(۲) اپنے سے متعلق معاملات میں کبھی اس وقت تک گفتگو نہ کرو جب تک کہ اس کا مناسب موقع ومحل نہ دیکھ لو۔

(۳) دانشمند سے بحث نہ کرو اور بیوقوف سے نہ الجھو۔

(۴) تم اپنے بھائی کے پیچھے اس کا ذکر خیر کرو تاکہ وہ بھی تمہارے بارے میں ذکر خیر کرے۔

(۵) اس شخص کے ساتھ حسن سلوک کرو جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ احسان کا بدلہ احسان سے دینے والا ہے اور دوسروں کا احترام کرنے والا ہو۔

کیا ہی عمدہ باتیں ہیں جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمائی ہیں۔ سب سے پہلی بات پر غور کریں تو پتہ چلے گا کہ دوسروں کے معاملات میں داخل اندازی کر کے آدمی نہ صرف معاملہ کو بگاڑ دیتا ہے بلکہ خود اپنے اوپر نئی مصیبت لا دلیتا ہے

اور نہ صرف خود بعد میں پریشان ہوجاتا ہے بلکہ اور لوگوں کو بھی مصیبت میں مبتلا کردیتا ہے بعض لوگوں کو یہ عادت ہوتی ہے کہ جہاں کہیں دیکھا کہ کچھ لوگ گفتگو میں مصروف ہیں، چاہے ان سے شناسائی ہو یا نہ ہو، وہ ان میں شامل ہوکر شیخیان بگھارنے لگ جاتا ہے۔ اگر وہ لوگ سمجھدار ہوں گے تو اس مداخلت کو نظر انداز کردیں گے۔ ورنہ دیگر لوگ مداخلت پر ناراض ہوکر لڑائی جھگڑے کے لئے تیار ہوجائیں گے۔ چنانچہ یہ بات مشاہدہ میں آئی ہے کہ کہیں پر لڑائی جھگڑے کی وجوہات کو جب تلاش کیا گیا تو پتہ چلا کہ بے وجہ کی مداخلت نے جھگڑے کو دعوت دی ہے۔اس لئے عقل مند آدمی وہ ہے جو اپنی زبان کو قابو میں رکھے اور ساتھ میں خود کو قابو میں رکھے ضرورتاً یا غیر ضرورتاً ہر معاملہ میں خود کو شامل کرنے سے پرہیز کرے۔ وہ شخص جو غیر ضروری ہر معاملہ میں مداخلت کرتا ہے اپنا اعتبار کھودیتا ہے اور اپنی وقعت سے بھی ہاتھ دھوبیٹھتا ہے۔

دوسری اہم چیز جس سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے وہ موقع بے موقع کی گفتگو ہے جس سے مخاطب کے ذہن پر بار گزرتا ہے مثلاً یہ کہ ایک آدمی کسی کام کی جلدی میں ہے اور بے سمجھے بوجھے اسے روک کر کوئی بات کہنے کی کوشش کی جائے تو ظاہر ہے کہ وہ جھنجھلاہٹ کا شکار ہوجاہے گا اور اس رویہ پر ناراض بھی ہوجائے گا اسی طریقہ سے خوشی یا غم کے مواقع میں یا رشتہ داروں اور دوستوں کی محفلوں میں، نجی یا کاروباری معاملات میں یا کوئی دوسرے مسئلہ میں۔ پہلے خود فرد یہ طے کرے کہ جو بات میں رکھنے جارہا ہوں اس کا موزوں وقت اور موقع ہے یا نہیں کہیں مخاطب دیگر مسائل اور معاملات میں مصروف ہے اور اس کے سامنے کوئی اور بات رکھنے کی کوشش کی جارہی ہے اس طرز عمل سے کوئی مسئلہ بھی سلجھنے کے بجائے مزید الجھ جاتا ہے فائدہ کے بجائے نقصان ہوجاتا ہے۔

تیسری اہم چیز جو تعلقات اور روابط میں دراڑ پیدا کرتی ہے وہ بحث ومباحثہ ہے آدمی حقیقت پسندی سے خود کا جائزہ لے اپنی معلومات اور علم کا جائزہ لے اور بعدازاں کسی سے گفتگو کوشش کریں پھر مخاطب کی حیثیت اور مرتبہ کو بھی ملحوظ رکھے۔ عموماً لوگ جب ان چیزوں کا پاس ولحاظ نہیں رکھتے تو اپنی حیثیت اور ساکھ کو بھی نقصان پہنچاتے ہیں۔

جب آدمی بحث ومباحثہ کا عادی ہوجاتا ہے تو وہ ہر شخص کی نظروں سے گر جاتا ہے اہل علم کے سامنے اس کی کم علمی ظاہر ہوجاتی ہے اور جاہل اپنی جہالت سے لوگوں کے سامنے اس کی بے توقیری کردیتا ہے

چوتھی چیز جس کا ذکر کیا گیا ہے وہ بھی بڑی قیمتی ہے کہ آدمی کسی کا ذکر اگر دوسروں کے سامنے کرے تو ذکر خیر کرے جس کا فائدہ یہ ہے کہ مخاطب کے دل میں بھی اس کی عظمت پیدا ہوگی اور جس کا وہ ذکر کررہا ہے اسے معلوم ہوگا تو وہ بھی اس کا قدرداں بن جائے گا مشاہدہ بتلاتا ہے کہ جب آدمی کسی کے سامنے کسی کا ذکر غلط انداز میں کرتا ہے اور یہ سوچتا ہے کہ یہ بات متعلقہ فرد کو معلوم نہیں ہوگی لیکن دیر یا سویر یہ بات اس کو معلوم ہوجاتی ہے اس طرح تعلقات میں دراڑ پیدا ہوجاتی ہے۔ بہرحال اس عادت سے ہر کسی کو بچنا چاہئے۔

پانچویں اہم بات جس کی تلقین کی گئی ہے کہ آدمی کو اپنے تعلقات اور روابط اچھے نیک صفت اور اعلیٰ ظرف افراد سے رکھنے چاہئے کم ظرف اور احسان فراموش افراد سے تعلقات کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ الٹا نقصان ہوتا ہے کہ وہ فرد احسان فراموشی بھی کرتا ہے اور موقع بہ موقع اس کو نقصان پہنچانے کے درپہ ہوتا ہے جو شخص دوسروں کا احترام نہیں کرتا اور جس کے پاس شکر کے جذبات نہیں ہوتے اس کے ساتھ کتنا بھی حسن سلوک کریں وہ ناقدری ہی کرے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مندرجہ بالا اقوال ہر فرد کو ہر قسم کے نقصان اور پریشانی سے بچا سکتے ہیں بشرطیکہ وہ شخص ان پر صدق دل سے عمل پیرا ہو اور ان صفات کو اپنی عادت ثانیہ بنالے۔ بزرگوں اور اسلاف کے اقوال محض واہ واہ کرنے کے لئے نہیں ہوتے اور نہ ہی ایسا کرنے سے کسی کو کوئی فائدہ ہونے والا ہے۔ بزرگوں کے اقوال پر عمل کرنے سے کردار میں اصلاح اور نکھار پیدا ہوتا ہے اور وہ شخص ہر ایک کی نظر میں ہر دلعزیز بن جاتا ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اعمال و کردار کا تعلق آخرت سے ہے اور اچھے عمل سے دنیا بھی بنتی ہے اور آخرت بھی سدھرتی ہے، اللہ تعالیٰ سب کو خیر پر عمل کی توفیق بخشے۔ آمین۔ (محمد ادریس حبان رحیمی)

حلال کی برکت اور حرام کی نحوست

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ نوع انسانی دیگر حیوانات کی طرح نہیں کہ اس کا مقصد زندگی صرف کھانے، پینے، سونے، جاگنے اور چلنے پھرنے تک محدود ہو بلکہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص مقصد یعنی اپنی عبادت اور بندگی کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ تمام نوع انسانی کا مقصد زندگی عبادت ربانی اور اللہ کی بندگی ہے جس کے حصول کے لئے انسان کا جہاں ظاہر کا پاک ہونا ضروری ہے وہاں باطن کی صفائی اور پاکیزگی بھی اہم چیز ہے یوں نہ ہو کہ ظاہراً تو اپنی جبین نیاز کو خدا کے سامنے جھکائیں اور مقصد زندگی عبودیت کا اعتراف کریں اور اندر سے باطن، مال حرام کی غلاظت اور حرام غذاؤں سے داغ دار ہو۔ لہٰذا بندگی کے لئے اس بات کی اہم ضرورت ہے کہ انسان ظاہر کے ساتھ اپنے باطن کو بھی پاک وصاف رکھے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے باطن کو پاک وصاف اور حرام سے بچانے کے لئے یہ تعلیم دی، ''اے ایمان والو! تم اس حلال مال سے کھاؤ جو تمہیں اللہ نے دیا ہے۔

انشاء اللہ تعالیٰ اس حلال کے کھانے سے تمہارا باطن پاک ہوگا اور اس کے انوار و برکات کھلی آنکھوں نظر آئیں گے۔ چنانچہ علماء نے قرآن وحدیث اور بزرگان دین کی تعلیمات کی روشنی میں رزق حلال کی برکات کو بیان کیا ہے۔ رزق حلال سے انسان میں اچھے اخلاق پیدا ہوتے ہیں اور برے اخلاق یعنی بغض، کینہ، حسد، ناشکری، تکبر دل سے نکل جاتے ہیں۔

رزق حلال سے انسان برے کاموں مثلاً جھوٹ، غیبت، بہتان، الزام تراشی، زنا، غلط کاری وغیرہ سے دل کی گہرائیوں سے نفرت کرنے لگتا ہے جس سے اللہ رفعتیں اور ترقیات نصیب فرماتا ہے۔ رزق حلال سے انسان کو نیک کام کرنے کی توفیق حاصل ہوتی ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور واقعہ ہے، فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے کھانا میرے سامنے رکھا گیا تو اللہ کی طرف سے اس کھانے پر رزق حلال کی وجہ سے اس قدر انوار و برکات کی بارش ہو رہی تھی، میں نے خیال کیا کہ جتنا ہو سکے اس حلال کمائی سے کھالوں، چاہے بعد میں سات دن بھوکا رہنا پڑے۔ چنانچہ میں نے کئی دن کا کھانا ایک ہی وقت میں کھالیا جس سے وہ برکتیں حاصل ہوئیں ایک علمی، دوسری عملی، علمی برکت تو یہ حاصل ہوئی کہ پوری رات چارپائی پر لیٹا رہا اور قرآن پاک کی صرف ایک آیت سے سو مسائل کا استخراج کیا۔ عملی برکت یہ ہوئی کہ عشاء کے وضو سے تہجد کی نماز پڑھی اور اسی وضو سے فجر کی نماز بھی پڑھی۔

رزق حلال کی برکت سے دل میں نور اور معرفت حق پیدا ہوتی ہے۔ حلال آمدنی کی برکت سے عبادت میں دل لگتا ہے، ورنہ عبادت کی لذات کا لطف حاصل نہیں ہوتا بلکہ دل عبادت سے نفرت کرتا ہے۔ رزق حلال کی وجہ سے دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ والدین اور بیوی، بچوں پر اچھا اثر پڑتا ہے اولاد نیک، فرماں بردار،

عبادت اور خدمت گذار پیدا ہوتی ہے۔ رزق حلال کی برکت سے جنت میں داخلہ نصیب ہوتا ہے اور جہنم کی آگ سے نجات نصیب ہوتی ہے۔ اس کی برکت سے اپنی کمائی میں خوب اضافہ، ترقی اور برکت اللہ کی جانب سے کی جاتی ہے۔

حرام مال کی نحوستیں

رزق حرام سے برے اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔ اس سے علمی و عملی بے برکتی پیدا ہوتی ہے۔ رزق حرام سے دل معرفت الٰہی اور وحی کی برکات سے محروم ہو جاتا ہے۔ عبادت میں دل نہیں لگتا۔ دل گناہوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ کاروبار میں بے برکتی پیدا ہوتی ہے۔ دعا قبول نہیں ہوتی۔ مسلم شریف کی طویل حدیث میں ہے: ''جس شخص کا کھانا، پینا، پہننا حرام ہو اس کی دعا کیوں کر قبول کی جائے؟ رزق حرام سے اولاد متکبر اور نافرمان ہوتی ہے۔ رزق حرام سے جنت کے داخلے سے محروم کر دیا جائے گا۔ اس سے نیک لوگوں کی دعا سے اس کا حصہ ختم ہو جاتا ہے۔

ناجائز ذرائع آمد پر وعیدیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، آقائے نامدار محمد عربی ﷺ نے ارشاد فرمایا ''شب معراج کو میں نے ایک جماعت کو دیکھا جن کے پیٹ بڑے بڑے مکانوں کے برابر تھے۔ انہیں وہ اٹھا نہیں سکتے تھے اور ان کے پیٹوں میں سانپ، بچھو جو گدھے کے برابر پھر رہے تھے اور وہ ان کے ڈنگ کا کاٹنے کی وجہ سے چیختے چلاتے تھے مگر کچھ نہیں کر سکتے تھے، پوچھا گیا یہ کس جرم کی سزا ہے؟ فرمایا کہ یہ آپ کی امت کے سود خور لوگ ہیں''۔ (مشکوٰۃ) ایک اور روایت میں ہے سود کا ایک درہم جان بوجھ کر کھانا چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے شدید ہے۔ (مشکوٰۃ)

ملاوٹ کی نحوست

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''رشوت دینے اور رشوت کا مال لینے والا دونوں جہنم کی آگ میں جلیں گے''۔ (مشکوٰۃ)

خلاصہ یہ ہے کہ اپنے مقصد حیات، عبدیت کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی جان پر ترس کھائیں، مذکورہ بالا قرآن وحدیث کی تعلیمات پر غور کریں اور خود اور اپنی اولاد کو جہنم کی آگ سے بچائیں۔ رزق حرام سے مکمل اجتناب اور رزق حلال کا التزام رکھیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ عمل کرنے کی توفیق دے۔ (آمین) (محمد ادریس حبان رحیمی)

حضور اکرم ﷺ کی نظر میں طاق اعداد

''تین مفید عادتیں''

''آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص تین عادتیں اختیار کر لے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (انشاء اللہ) (۱) حلال اور طیب آمدنی استعمال کرے (یعنی حرام اور شبہ والے مال سے بچتا رہے)۔ (۲) اور سنت پر عمل کرے (یعنی اپنی صورت وسیرت نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق بنائے اور بدعات وخرافات سے پرہیز کرے۔ (۳) اور لوگ اس کی اذیتوں سے محفوظ رہیں (یعنی کسی کو جانی، مالی، یا زبانی تکلیف ہرگز نہ پہنچائے، خود بھی عافیت سے رہے اور دوسروں کو بھی عافیت اور سکون سے رہنے دے۔''

یہ تین عادتیں انسان کو جنت میں داخلہ کا مستحق بنا دیتی ہیں۔ ہمیں ان تینوں اعمال کو اختیار کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق سے نوازے۔ آمین۔

تین سعادتیں

''آنحضرت ﷺ نے ارشادفرمایادنیامیں تین باتیں آدمی کیلئے سعادت ہیں:
(۱) اچھااور نیک پڑوسی (جس کی وجہ سے دلی اطمینان اور سکون میسر رہتا ہےاور خیر کے کاموں میں تعاون کا موقع ملتا ہے۔
(۲) آسان سواری (جو ہر وقت ضروریات سفر کی تکمیل کرتی ہواور وقت کے ضیاع سے بچاتی ہو۔
(۳) وسیع رہائش (جواپنے گھر والوں اور مہمانوں کے لئے کافی ہو)۔''
ان تین سعادتوں کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

تین مبارک صفات

''حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ ارشادفرماتے ہوئے سنا کہ اس شخص کے لئے مبارکبادی ہے جسے:
(۱) اسلام کی ہدایت نصیب ہو۔ (۲) بقدرضرورت روزی کا سامان مہیا ہو۔ (۳) قناعت کی دولت میسر ہو۔''

یہ تینوں چیزیں دنیااور آخرت میں مادی اور روحانی سکون کا ذریعہ ہیں۔ اگر سب چیزیں ہوں مگر اسلام کی دولت نہ ہو، تو انسان کو اخروی سکون قطعاً حاصل نہیں ہوسکتا، اسلام کی دولت ہو۔ مگر دنیا کی روزی میں تنگی ہو تو بھی دنیوی سکون سے محرومی رہتی ہے اور اگر بقدرضرورت روزی میسر ہونے کی باوجود قناعت اور صبر وشکر نہ ہو تو بھی واقعی سکون حاصل نہیں ہوتا، اس لئے جس شخص کو یہ تین صفات مل جائیں وہ بڑا خوش نصیب ہے۔

تین محروم

''نبی اکرم ﷺ نے ارشادفرمایا کہ تین آدمیوں کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن رحمت کی نظر نہیں فرمائے گا۔ (۱) اپنے والدین کا نافرمان (۲) شراب کے نشہ میں بدمست رہنے والا (۳) اوراپنی دی ہوئی چیز پر احسان جتانے والا''۔
یہ تینوں شخص اللہ کی نظر میں نہایت مبغوض ہیں، اور وجہ یہ ہے کہ والدین دنیا میں انسان کے وجود کا ذریعہ بنائے گئے ہیں اس لئے ان کو تکلیف پہنچانا انتہائی ناشکری کی بات ہےاور نشہ کی حالت میں انسان کی عقل ضائع ہوجاتی ہےاور پھر وہ آدمی جانوروں کی صف میں پہنچ جاتا ہے، اس لئے یہ بھی بہت بڑی ناانصافی اور انسانیت کی ناقدری ہےاور کسی شخص کو کوئی چیز دے کر احسان جتانا تکبر اور رذالت کی دلیل ہے، اس لئے خاص طور سے ان تینوں چیزوں سے اپنے کو بچانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

تین تباہ کاریاں

''آنحضرت ﷺ نے ارشادفرمایا کہ تین آدمی تباہ کاروں میں سے ہیں:
(۱) اول وہ حاکم جو تمہارے اچھے کام پر بدلہ نہ دےاور تمہاری غلطی پر معاف نہ کرے (۲) دوسرے وہ برا پڑوسی جو تمہاری اچھائی کو چھپائےاور تمہاری بری بات کو لوگوں میں مشہور کرے (۳) تیسری وہ بیوی جو تمہارے گھر جانے پر (اپنے قول وعمل سے) تمہیں اذیت دےاور جب تم گھر سے باہر چلے جاؤ تو وہ خیانت کی مرتکب ہو''۔
تجربہ سے ثابت ہے کہ مذکورہ تین صفات والے اشخاص کو بگاڑ دیتے ہیں، جس کی وجہ سے نفرت اور حسد کی آگ بھڑک اٹھتی ہےاور پورا ماحول بدامنی کا شکار

ہوجاتا ہے۔ اس لئے ان بری صفات سے اپنے کو بچانا ضروری ہے تاکہ امن وعافیت کا ماحول بن سکے۔

تین چیزوں سے حفاظت

''آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو (امت محمدیہ ﷺ کو) تین چیزوں سے بچا رکھا ہے: (۱) یہ کہ تمہارا نبی تم پر بددعا نہیں کرے گا کہ اس کے نتیجے میں تم سب ہلاک ہوجاؤ، جیسا کہ بعض انبیائے سابقین نے مجبور ہوکر اپنی قوم کیلئے بددعائیں فرمائیں۔ (۲) دوسرے یہ کہ اہل باطل کبھی اہل حق پر غلبہ نہ پائیں گے، یعنی اگرچہ اہل باطل زیادہ حق کم ہوں پھر بھی اہل باطل اہل حق کو بالکل مٹا نہ سکیں گے۔ (۳) تیسرے یہ کہ تم کبھی گمراہی پر اکٹھے نہ ہوگے۔ (یعنی ایسا نہ ہوگا کہ ساری امت ہی گمراہی پر متفق ہوجائے اور کوئی بھی حق بات کہنے والا نہ رہے''۔

تین قیمتی چیزیں

''آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عنقریب تم پر ایسا زمانہ آئے گا جس میں کوئی چیز درج ذیل تین چیزوں سے زیادہ قیمتی اور کمیاب نہ ہوگی: (۱) ایک درہم حلال (یعنی حرام اس قدر رائج ہوگا کہ تھوڑا سا حلال مال بھی ملنا دشوار ہوجائے گا) (۲) مونس وغمخوار بھائی اور دوست (یعنی بے وفائی اور خودغرضی عام ہونے کی وجہ سے اخوت ومودت میں خلوص جاتا رہے گا۔ (۳) اور ایسی سنت نبوی ﷺ جس پر عمل کیا جائے (یعنی دین سے اس قدر بعد ہوجائے گا کہ سنت پر عمل کرنا دشوار ہوگا)۔''

دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان تینوں دولتوں سے مستقل مالا مال فرماتا رہے، آمین!

تین نعمتیں دنیا جہاں سے بہتر

''حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: میاں معاذ! (۱) شکر کرنے والا دل (۲) ذکر کرنے والی زبان (۳) دین ودنیا کے کاموں پر تعاون کرنے والی نیک بیوی، یہ تین نعمتیں ان سب چیزوں سے بہتر اور افضل ہیں جنہیں لوگ دنیا میں حاصل کرتے ہیں''۔

اگر کسی شخص کو اطاعت گذار دل عطا ہوجائے تو اس کی پوری زندگی ذہنی سکون وعافیت میں گذرتی ہے اسی طرح ذکر میں تر بتر رہنے والی زبان انسان کے درجات کی بلندی کا ذریعہ بنتی ہے اور نیک بیوی تو دنیا ہی میں جنت ہے۔ اگر بیوی نیک اور خیرخواہ نہ ہو تو کتنا ہی بڑا کروڑ پتی آدمی کیوں نہ ہو اس کی زندگی اجیرن اور عذاب ہوجاتی ہے اور بیوی صالح میسر آجائے تو فقر وفاقہ میں بھی عافیت نصیب ہوجاتی ہے، اس لئے مذکورہ نعمتوں کے حصول کی کوشش کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان انمول نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔

انسان کے تین دوست

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آدمی اور اس کے مال اور اعمال کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کے تین دوست ہیں، ان میں سے ایک یہ کہے کہ میں زندگی بھر تمہارے ساتھ ہوں۔ لیکن جب تم مرجاؤ گے تو میرا تمہارا کوئی تعلق نہ رہے گا۔ تو یہ (دوست) اس کا مال ہے اور دوسرا یہ کہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں مگر جب تم مرنے کے بعد اپنی قبر میں پہنچ جاؤ گے تو میرا تمہارا کوئی تعلق نہ رہے گا، تو یہ (دوست) اس کی اولاد ہیں، اور تیسرا یہ کہے کہ

میں زندگی میں بھی تیرے ساتھ ہوں اور مرنے کے بعد بھی ساتھ ہوں۔تو یہ دوست اس انسان کا عمل ہے جو بہر حال اس کے ساتھ رہے گا۔(کیمیائے سعادت)

اب آدمی خود ہی غور کرلے،ان میں سے کون سا دوست سچا اور وفادار ہے اور کس کی دوستی دنیا اور آخرت میں نفع بخش ہے؟ جو شخص بھی غور کرے گا وہ اس نتیجہ تک پہنچ جائے گا کہ ایمان اور عمل صالح سے بہتر دوست دارین میں اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ (محمد ادریس حبان رحیمی)

دعوت وتبلیغ کا حق کس کو ہے؟

جب انسان کے دل میں معاشرے کی طرف سے بے چینی اور بے تابی پیدا ہوجاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کی بات میں تاثیر بھی پیدا فرمادیتے ہیں،حضرت مولانا نانوتوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اصل میں تبلیغ ودعوت کا حق اس شخص کو پہنچتا ہے جس کے دل میں تبلیغ ودعوت کا جذبہ ایسا ہوگیا ہو جیسے حوائج ضروریہ کو پورا کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے مثلاً بھوک لگ رہی ہے اور جب تک کھانا نہیں کھالے گا چین نہیں آئے گا،جب تک ایسا داعیہ اس کے دل کے اندر پیدا نہ ہو اس وقت تک اس کو دعوت وتبلیغ کا حق نہیں ہے۔جیسے شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ تھے،کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں تبلیغ ودعوت کا ایسا ہی جذبہ پیدا فرمایا تھا کہ ان کے ایک ایک وعظ میں سینکڑوں انسان ان کے ہاتھ پر گناہ سے توبہ کرتے تھے۔اس لئے کہ بات دل سے نکلتی تھی اور دل پر اثر انداز ہوتی تھی۔

ایسے ہی دارالعلوم محمدیہ بنگلور کے سرپرست اول حضرت مولانا سید عبدالقادر آزاد رحمۃ اللہ علیہ جو بادشاہی مسجد لاہور کے امام الاکبر اور خطیب تھے۔آپ کے دل میں اللہ تعالیٰ نے امت کا عجیب وغریب درد رکھا تھا اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ کے دست حق

پرست پر تیس سال کے قلیل عرصہ میں دو لاکھ عیسائیوں اور اہل ہنود نے اسلام قبول کیا۔اللہ تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے درجات کو بلند فرمائے۔

یہ عاجز بندہ جب کبھی لاہور جاتا تو حضرت کا مہمان بننے کا شرف حاصل ہوتا،تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض کرتا ہوں،آنے والے علمائے کرام دریافت فرماتے۔(میری طرف اشارتاً) کوئی صاحب ہیں؟ حضرت آزاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا آپ مولانا حبان صاحب میں میرے دوست ہیں ہندوستان سے تشریف لاتے ہیں اگرچہ آپ بنگلور تشریف نہ لاسکے لیکن میری درخواست پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم محمدیہ کی سرپرستی قبول فرمائی۔اللہ تعالیٰ حضرت مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔آمین۔(محمد ادریس حبان رحیمی)

ایک عبادت گزار بندے کی ہلاکت کا واقعہ

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ قوم طرح طرح کے گناہ،معصیتوں اور منکرات میں مبتلا تھی،اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر عذاب نازل کرنے کا فیصلہ فرمالیا۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ فلاں بستی والے گناہوں اور نافرمانیوں کے اندر مبتلا ہیں اور اس پر کمر باندھے ہوئے ہیں تم جاکر اس بستی کو پلٹ دو،یعنی اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا حصہ اوپر کردو، اور ان کو ہلاک کردو،حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے عرض کیا یا اللہ آپ نے فلاں بستی کو الٹنے کا حکم دیا ہے اور اس میں کسی کا استثناء نہیں فرمایا،بلکہ پوری بستی کو تباہ کرنے کا آپ نے حکم دیا ہے،حالانکہ میں جانتا ہوں اس بستی میں ایک ایسا شخص بھی ہے جس نے ایک لمحے کے لئے بھی آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کی،اور ساری عمر اس نے اطاعت اور عبادت کے اندر گزار دی ہے اور اس نے کوئی گناہ بھی نہیں کیا تو کیا اس

شخص کو بھی ہلاک کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں! جاؤ اور پوری بستی کو ہی تباہ کر دو، اور اس شخص کو بھی تباہ کر دو۔ اس لئے کہ وہ شخص اپنی ذات میں بڑے نیک کام کرتا رہا، اور عبادت اور اطاعت میں مشغول رہا لیکن کسی گناہ کو ہوتا ہوا دیکھ کر اس کے ماتھے پر کبھی شکن بھی نہیں آئی، اور کسی گناہ کو برا بھی نہیں سمجھا اور اس کا چہرہ بدلا بھی نہیں اور ان گناہوں کو روکنے کے لئے نہ کوئی اقدام کیا، لہٰذا اس شخص کو بھی اس قوم کے ساتھ تباہ کر دو۔ (الامان والحفیظ)

دوستو! آج کے دور میں امر بالمعروف نہی عن المنکر کا مزاج ختم ہوتا جا رہا ہے پر ہر برائی پر زبان بھی خاموش ہے آنکھیں بھی بند ہیں، اور ہاتھ بھی شل ہیں۔ اے اللہ ہمارے اس جرم عظیم کو معاف فرما اور حق بولنے، حق دیکھنے، حق سننے کی توفیق عطا فرما۔ اور حق بات کی حفاظت کیلئے قوت بازو بھی عطا فرما۔ آمین۔ (محمد ادریس حبان رحیمی)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی اہمیت

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ایک مردہ بکری کے پاس سے ہوا، تو آپ نے اپنے ہمراہ ساتھیوں سے فرمایا کہ تمہارے خیال میں یہ مردہ بکری اپنے مالک کے نزدیک بے وقعت ہے یا نہیں؟ عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول! اس کی بے وقعتی ہی کی وجہ سے تو اسے یہاں لا کر پھینک دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو! قسم بخدا اللہ کے نزدیک دنیا اس سے کہیں زیادہ بے وقعت ہے جتنی کہ یہ بکری اس کے مالک کے نزدیک اور مزید فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی اہمیت و وقعت مچھر کے ایک پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر اور اپنے نافرمان بندے کو ایک گھونٹ پانی بھی نہیں پلاتا۔ (رواہ ابن ماجہ)

ایک شاعر کہتا ہے ؎

اَعْلَامُ نَوْمٌ اَوْ كَظِلٍّ زَائِلٌ
اِنَّ اللَّبِيْبَ بِمِثْلِهَا لَا يَخْدَعُ

دنیا کی حقیقت ایک خواب اور ڈھلنے والے سائے کی سی ہے، کوئی عقلمند آدمی اس جیسی چیز سے دھوکہ نہیں کھاتا۔ (احیاء العلوم)

اے اللہ ہمارے دلوں سے دنیا کی محبت اور اہمیت نکال کر اپنی محبت پیدا فرما۔ اور اس ذلیل دنیا کے مکر و فریب سے مسلمانان عالم کی حفاظت فرما۔ آمین۔

(محمد ادریس حبان رحیمی)

دنیا بدصورت بڑھیا کی صورت میں

حضرت فضیل بن عیاض حضرت ابن عامر رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ روز قیامت ''دنیا'' ایک بدصورت کھوسٹ بڑھیا کی شکل میں لائی جائے گی اور اہل دنیا کو جمع کر کے پوچھا جائے گا کیا تم میں اور اس میں کبھی شناسائی و آشنائی رہی ہے؟ وہ کہیں گے توبہ توبہ!! خدا نہ کرے ہم اس سے واقف ہوں کہا جائے گا یہ وہی ہے جس کی خاطر تم نے عداوتیں مول لیں، رشتے توڑے، ایک دوسرے سے حسد اور بغض و عناد کیا اور آج کہہ رہے ہو کہ توبہ توبہ.....اور پھر اس کے بعد اس بڑھیا کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا وہ زور سے چلائے گی ارے میرے عشاق! ہائے میرے چاہنے والے!.....حکم ہوگا انہیں بھی جہنم رسید کر دو۔ (احیاء العلوم ج ۳، ص ۵۳۷)

بہت سی احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی دنیا کی مذمت اور حقیقت بڑے واضح انداز میں بیان فرمائی ہے چنانچہ ایک حدیث میں آپ نے یوں مثال بیان فرمائی ہے۔

ایک بادشاہ نے بڑا عالیشان محل تعمیر کرایا اور معائنہ کرنے والوں سے کہتا رہا کہ اگر کوئی عیب ہو، کمی ہو تو نشاندہی کر دو تا کہ اس کی اصلاح کر دی جائے تو وہ لوگ

جن کی رسائی دنیا کی زیب وزینت اوران کا مطمح نظر دنیا کی راحت اورعیش وعشرت تھی انہوں نے خوب خوب سراہا اور رجم کرتعریف کی مگر ایک صاحب بصیرت نے معائنہ کیا تو اس سے بھی وہی سوال دھرایا کہ اگر کوئی خرابی ہوتو بتائیں، فرمایا: اس میں دوخرابیاں ہیں۔ (۱) ''یموت الملک'' بادشاہ کی وفات ہوجائے گی (۲) ''ویخرب القصر'' اور یہ محل ویران ہوجائے گا (نہ تو بادشہ ہمیشہ زندہ رہے گا اور نہ یہ محل ہی ہمیشہ باقی رہے گا۔ لہٰذا یہ خوش ہونے اوراترانے کی چیز نہیں ہے بادشاہ نے جب یہ بات سنی تو اس کی آنکھوں کی پٹی کھل گئی اور کہا آپ سچ فرمارہے ہیں پھر کیا تھا اللہ کی طاعت وعبادت میں لگ گیا اور دنیاوی عیش وعشرت اوراس محل کو خیر باد کہدیا۔

(المستطرف ج۲،ص۲۱۵)

اللہ تعالیٰ ہماری آنکھوں سے بھی دنیا کے پُرفریب پردوں کو ہٹادے اوراپنی محبت سے دلوں کو رنگ دے آمین۔ (محمد ادریس حیان رحیمی)

دنیا سے محبت کا انجام تباہی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں تشریف لے جارہے تھے ان کے ساتھ ایک شخص اور تھا بھوک لگی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کچھ روپئے دیکر قریب کی بستی سے روٹی لانے کے لئے بھیجا اور خود نماز میں مشغول ہوگئے وہ گیا اور تین روٹیاں لایا بیٹھ کر انتظار کرنے لگا اور پھر چپ کے سے ایک روٹی کھا گیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نماز سے فارغ ہوئے اس کے پاس پہنچے تو اس نے دوہی روٹیاں سامنے رکھیں آپ نے پوچھا ارے بھائی ایک روٹی اور تھی ناں! وہ کیا ہوئی، اس نے کہا نہیں دو ہی روٹیاں تو تھیں۔ خیر دونوں نے ایک ایک روٹی تناول کی اور چلتے بنے ایک جگہ پہنچے تو دیکھا کہ کچھ ہرنیں چررہی ہیں آپ نے ان میں سے ایک کو بلایا وہ حاضر خدمت ہوئی

اور پھر دونوں حضرات نے مل کر اسے ذبح کیا اور بھون کر تناول کیا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا میں اس ذات کی قسم دے کر تجھ سے پوچھتا ہوں جس نے تجھ کو یہ معجزہ دکھایا ہے بتاؤ کہ تیسری روٹی کس نے کھائی؟ اس نے کہا دو ہی روٹیاں تو تھیں، پھر آگے بڑھے تو ایک بستی کے قریب پہنچے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اے پالنہار کسی چیز سے اس بستی کے احوال مجھے بتلادے، چنانچہ ایک اینٹ کو اللہ رب العزت نے قوت گویائی عطا کی اور حضرت نے اس بستی کی تفصیلات دریافت کیں اور پھر اس ساتھی سے فرمایا میں تمہیں اس ذات کی قسم دیکھ کر پوچھتا ہوں جس نے تمہیں یہ معجزہ دکھلایا بتاؤ کہ تیسری روٹی کس نے کھائی؟ پھر اس نے جھٹ سے کہا دو ہی روٹیاں تو تھیں، پھر آگے بڑھے تو ٹھاٹھیں مارتی ہوئی ایک ندی سامنے آئی حضرت نے اس کا ہاتھ پکڑا اور پانی کے اوپر سے چل کر اس کو پار کرلیا، اور پھر فرمایا میں تمہیں اس ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے تمہیں یہ معجزہ دکھلایا ہے اچھا بتاؤ کہ تیسری روٹی کیا ہوئی؟ اس نے کہا دو ہی روٹیاں تو تھیں، پھر آگے بڑھے ایک بہت بڑی ویران بستی کے پاس پہنچے قریب ہی میں تین بڑی بڑی پتھر کی سلیں تھیں (یا تین ریت کے تودے تھے) آپ نے ان سے مخاطب ہوکر کہا اللہ کے حکم سے تم سونا بن جاؤ وہ سونا بن گئیں آپ نے کہا کہ ایک تو میری ہے اور ایک تمہاری ہے اور ایک اس کی ہے جس نے تیسری روٹی کھائی ہے اس نے کہا میں نے ہی تو کھائی ہے'' دنیا کی لالچ نے سچ بلا ہی دیا'' آپ نے فرمایا اچھا تم سب لے لو اور اس کو وہیں چھوڑ کر چل دیئے اب اس کے لئے مشکل پیش آئی کہ اسے کیسے اٹھا کر لے جائے وہیں پڑا رہا کہ اتنے میں تین ڈاکوؤں کا ادھر سے گذر ہوا اور اسے جان سے مار ڈالا اور سونے کی سلوں کو لے لیا پھر جب انہیں بھوک لگی تو اپنے ایک ساتھی سے کہا ذرا تم اس گاؤں میں جاکر کچھ کھانے کی چیز لیتے آؤ ادھر ان دونوں نے یہ طے کیا کہ جب وہ

کھانا لے کر آئے گا تو اسے مار ڈالا جائے گا اور سارا مال ہم دونوں آدھا آدھا بانٹ لیں گے اور اس نے بھی ایک الگ چال چلی کہ کھانے میں زہر ملا دیا یہ سوچ کر کہ جب وہ زہر آلود کھانا کھائیں گے تو وہیں تھوڑی دیر میں ڈھیر ہو جائیں گے اور سارا سونا میرا ہو جائے گا خیر جب وہ کھانا لے کر حاضر ہوا تو ان دونوں نے مل کر اسے قتل کر دیا اور پھر کھانا کھایا اور زہر کا اثر ہوا اور یہ بھی مر گئے پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس طرف سے واپسی ہوئی تو دیکھا کہ میرا ہمراہی اور تین آدمی اور یہاں پڑے ہوئے ہیں اور سونے کی سلیں موجود ہیں تو فرمایا کہ دنیا اپنے دلدادوں کا یہی حشر کرتی ہے۔ (المستطرف، ج:۲،ص:۳۱۴)

دنیا کی محبت سے دل مرجاتا ہے

ارشاد فرمایا اگر دل میں دنیا کی محبت ہو تو دل دنیا میں ہی پھنسا رہتا ہے دنیا کی چیزوں کو اکٹھا کرنے کی دھن لگ جائے تو دل مرجاتا ہے۔ آج کسی کے دل پر تو عورت نے قبضہ کیا ہوا ہے کسی کے دل پر دنیا کی محبت نے قبضہ کیا ہوا ہے، کسی کا دل بیوی بچوں میں اٹکا ہوا ہے، کاش کہ اس دل پر اللہ تعالیٰ کی محبت چھائی ہوئی ہوتی۔ سچا مسلمان وہی ہے جسے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے محبت ہو۔

"وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ" اور جو ایمان والے ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے شدید ترین محبت رکھتے ہیں۔

دل مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے اُمتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

(اقتباس مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ)

تقدیر پر راضی رہنے کی عجیب وغریب مثال

قطب ربانی سیدی شیخ احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ اگر مخلوق دو فرقوں میں منقسم ہو جائے اور ایک فریق میری دائیں جانب کھڑا ہو کر (تعظیم واعتقاد کے ساتھ) مجھے عود واگر کی دھونی دے اور دوسرا فریق (مخالف ہو کر) بائیں طرف سے قینچیوں کے ساتھ میرا گوشت کاٹنے لگے تو میں دونوں کو تقدیر الٰہی کا مظہر سمجھوں گا (اور دونوں حالتوں میں حق تعالیٰ سے یکساں طور پر راضی رہوں گا) نہ فریق اول کے (اچھے) برتاؤ سے اس میں کچھ زیادتی ہوگی نہ دوسرے فریق کے (برے) برتاؤ سے اس میں کچھ کمی ہوگی۔

حضرت رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کی اس مبارک حالت میں اہل دل کے لئے بڑا سبق ہے اللہ تعالیٰ تقدیر پر راضی ہونے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ (محمد ادریس حبان رحیمی)

انفاق فی سبیل اللہ کی مثال!

حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک دفعہ کوئی سائل آیا اور ان سے کھانا طلب کیا۔ حضرت کے پاس اس وقت سوائے دس انڈوں کے اور کچھ بھی موجود نہ تھا اپنی خادمہ سے کہا کہ ان انڈوں کو جو رکھے ہوئے ہو اس سائل کو دے دو۔ تو اس باندی نے نو ہی انڈے سائل کو دیئے اور ایک بچالیا۔ جب غروب آفتاب کا وقت ہوا تو ایک آدمی آیا اور دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا کہ ٹوکری لیجائے تو حضرت عبداللہ ابن مبارک خود باہر تشریف لائے اور اس ٹوکری کو لے کر دیکھا تو اس میں انڈے تھے ان کو شمار کیا تو نوے انڈے نکلے۔ پھر خادمہ سے دریافت فرمایا کہ ایک اور انڈا کہاں ہے؟ تو نے سائل کو کتنے انڈے دیئے تھے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے

سائل کونو انڈے دیئے تھے اور ایک انڈا بچالیا تھا تا کہ ہم لوگ اس سے افطار کریں۔ اس کا یہ جواب سن کر فرمایا کہ ارے تو نے تو میرے دس انڈوں کا نقصان کیا۔

سنئے! وہ لونڈی تھی ان کے مراتب اور مقام سے واقف نہیں تھی اور جانتی نہیں تھی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا کیا مقام ہے او رحضرت عبد اللہ ابن مبارک کو یقین تھا کہ نص میں جو وارد ہو چکا ہے کہ ایک کا بدلہ دس ملتا ہے اس لئے ہم نے جو دس انڈے دیئے ہیں اس کے عوض میں یا تو سو انڈے ہی مل جائیں گے یا کوئی دوسری چیز اور خادمہ کو یہ مرتبہ نہیں حاصل تھا اور نہ شیخ کے اس مقام سے واقف تھی۔ اسی وجہ سے بعض مرتبہ پاس رہنے والوں سے نقصان بھی ہو جاتا ہے اس لئے کہ وہ سمجھتے نہیں۔

جانوروں پر بزرگوں کے اثرات

مصلح الامت حضرت شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ تھانہ بھون میں ایک بزرگ شاہ محمد صاحب تھے جن کے یہاں بکریاں پلی ہوئی تھیں وہ بکریاں مسجد میں بیٹھتی تھیں مگر کبھی اس کے اندر مینگنی یا پیشاب نہیں کرتی تھیں۔ یہ بات حضرت کی کرامت میں کی جاتی تھی۔

دیکھئے بکریاں بھی یہ سمجھتی تھیں کہ جب ہمارے بزرگ مسجد کی تعظیم کرتے ہیں تو ہم کو بھی اس کی تعظیم کرنی چاہئے۔ جب جانوروں کا یہ حال تھا تو آدمیوں کا کیا پوچھنا۔ ہمارے بزرگان دین ایسے ہی تھے۔

ایک بزرگ تھے جو اصلاحی عالم نہیں تھے۔ پنجاب کے مستقل بزرگ تھے لیکن حضرت حاجی صاحب سے بھی مراسلت رکھتے تھے۔ ان کے پاس ایک کتا رہتا تھا۔ کسی عالم ایک مرتبہ ان سے کہا کہ حضرت کتا پالنا منع ہے۔

انہوں نے مطلقاً کہد یا حالانکہ اس میں تفصیل ہے وہ یہ کہ حراست اور حفاظت کے لئے کتا پالنا جائز ہے ورنہ منع ہے۔ لیکن جب ایک عالم یہ کہہ دیا کہ کتا پالنا منع ہے تو ان بزرگ نے ان کے جواب میں یہ نہیں فرمایا کہ حراست کے لئے پالنا جائز ہے بلکہ اس کتے سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ بھیا یہ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ حضرت صاحب نے کتا پالنے کو منع فرمایا ہے اس لئے تم چلے جاؤ۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ اٹھا اور ایک طرف کو روانہ ہو گیا پھر وہ کتا دیکھا نہیں گیا کہ کس طرف گیا اور کہاں جا کر ٹھہرا یا کہیں جا کر مر ہی گیا۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ؎

سگ اصحاب کہف روزے چند
پئے نیکاں گرفت مردم شد

یعنی اصحاب کہف کا کتا چند روز نیکوں کی صحبت میں رہا تو آدمی ہو گیا اس لئے اصحاب کہف کا کتا انہیں میں شمار کیا جاتا ہے اور انہیں لوگوں کے ساتھ اس کا حشر ہوگا۔

اسی طرح ایک بزرگ گھوڑا پالے ہوئے تھے جب کبھی وہ چھوٹ جاتا تو انہیں بزرگ کے کھیت میں سیدھا چلا جاتا اور وہیں جا کر کھاتا اور کسی دوسرے کے کھیت کبھی منہ نہیں ڈالتا تھا۔ جانتا تھا کہ یہ ہمارے حضرت کا کھیت ہے۔ دیکھئے وہ اتنا متقی تھا کہ سمجھتا تھا کہ ہم کو کھلانا پلانا ہمارے مالک کے ذمہ ہے اور یہ کھیت بھی انہیں کا ہے دوسرے کے کھیت میں کبھی نہیں جاتا تھا۔ یہ بات مشہور ہو گئی تھی تب تو ہم تک پہونچی۔ یہ واقعات اس لئے سنا رہا ہوں کہ ہمارے بزرگوں نے جب اپنا معاملہ خدا کے ساتھ درست کر لیا تھا اور ہر چیز سے منقطع ہو گئے تھے تو ہر چیز ان کی مطیع اور منقاد تھی حتی کہ ان کے تقویٰ کا اثر ان سے قریب رہنے والے جانوروں میں بھی تھی۔ (ماخوذ از ماہنامہ وصیۃ العرفان، الہ آباد)

صبح کی نماز حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی اور سورہ واقعہ اور سورہ حاقہ پڑھی بعد نماز فجر ہوا خوری کے لئے بجانب شمال راستہ چھوڑ کر مزرعہ زمین میں تشریف لے گئے۔ راستہ میں کسی نے دائم المرض شخص کے لئے عمل پوچھا تو فرمایا بعد نماز فجر گیارہ بار الحمد پڑھ کر پانی پر دم کر کے پیا کریں۔

خواجہ صاحب نے عرض کیا صرف گیارہ بار؟ فرمایا تو اصل عمل میں اکتالیس بار مگر میں نے آسانی کے لئے اتنا کم کر دیا۔ (ماخوذ: وصیۃ العرفان، آلہ باد)

سبحان اللہ کیسی ہماری اور آسان تدبیر ہے کہ کام بھی ہو جائے اور ذکر بھی ہو جائے۔ اور بیزاری سے بھی بچ جائے کیوں کہ لمبے لمبے وظائف سے دل اکتا جاتا ہے تو فائدہ بھی نہیں ہوتا۔ (محمد ادریس حیان رحیمی)

خانقاہ والوں کیلئے جنت میں یاقوت کے ستون، زمرد کے بالا خانے

حدیث پاک میں ہے کہ جنت میں یاقوت کے ستون ہوں گے جن پر زبرجد (زمرد) کے بالا خانے ہوں گے ان میں چاروں طرف دروازے کھلے ہوئے ہوں گے وہ ایسے چمکتے ہوں گے جیسے کہ نہایت روشن ستارہ چمکتا ہے ان بالا خانوں میں وہ لوگ رہیں گے جو اللہ تعالیٰ کے واسطے آپس میں محبت رکھتے ہوں اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے ایک جگہ اکٹھے ہوں اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے آپس میں ملتے جلتے ہوں۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آج خانقاہوں کے بیٹھنے والوں پر ہر طرح الزام ہے ہر طرف سے فقرے کسے جاتے ہیں آج انہیں جتنا دل چاہے برا کہہ لیں۔ کل جب آنکھ کھلے گی اس وقت حقیقت معلوم ہوگی کہ یہ بوریوں پر بیٹھنے

والے کیا کچھ کر لے گئے جب وہ ان منبروں اور بالا خانوں پر ہوں گے اور یہ ہنسنے والے اور گالیاں دینے والے کیا کما کر لے گئے۔

فَسَوْفَ تَرٰی اِذَا انْکَشَفَ الْغَبَارُ
اَفَرَسٌ تَحْتَ رِجْلِکَ اَمْ حِمَارُ

''عنقریب جب غبار ہٹ جائے گا تو معلوم ہوگا کہ گھوڑے پر سوار تھے یا گدھے پر''۔

ان خانقاہوں کی اللہ کے یہاں کیا قدر ہے جن پر آج چاروں طرف سے گالیاں پڑتی ہیں (یہ کئی سال پہلے کی حالت لکھی ہے لیکن اب کچھ خانقاہیں تو ہو گئیں اور کچھ تباہ ہو گئیں کہ خانقاہ ہی اعمال و مقاصد سے خالی ہو گئیں یہ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے جن میں ان کی فضیلتیں ذکر کی گئی ہیں۔

ایک حدیث میں وارد ہے کہ جس گھر میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے وہ آسمان والوں کے لئے ایسا چمکتا ہے جیسے زمین والوں کے لئے ستارے چمکتے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ ذکر کی مجالس پر سکینہ (ایک خاص نعمت) نازل ہوتی ہے فرشتے اس کو گھیر لیتے ہیں رحمت الٰہی ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور اللہ جل شانہ عرش پر ان کا ذکر فرماتے ہیں۔

ابو رزین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھے دین کی تقویت کی چیز بتاؤں جس سے تو دونوں جہاں کی بھلائی کو پہنچے وہ اللہ کا ذکر کرنے والوں کی مجلسیں ہیں۔ ان کو مضبوط پکڑ اور جب تنہا ہوا کرے تو جتنی بھی قدرت ہو اللہ کا ذکر کرتا رہ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آسمان والے ان گھروں کو جن میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے ایسا چمکدار دیکھتے ہیں حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ آسمان والے ان گھروں کو جن میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے ایسا چمکدار دیکھتے

ہیں جیسا کہ زمین والے ستاروں کو چمکدار دیکھتے ہیں۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ یہ گھر جن میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے ایسے روشن اور منور ہوتے ہیں کہ اپنے نور کی وجہ سے ستاروں کی طرح چمکتے ہیں اور جن کو اللہ جل شانہ نور کے دیکھنے کی آنکھیں عطا فرماتے ہیں وہ یہاں بھی ان کی چمک دیکھ لیتے ہیں بہت سے اللہ کے بندے ایسے ہیں جو بزرگوں کا نوران کے گھروں کا نور اپنی آنکھوں سے چمکتا ہوا دیکھتے ہیں (اسی طرح گناہوں اور نافرمانیوں سے جو ظلمت برستی ہے اس کا بھی ادراک ہوجاتا ہے)۔

ایک حدیث میں وارد ہے کہ افضل ترین رباط نماز ہے اور ذکر کی مجالس کو رباط کہتے ہیں دارالسلام کی سرحد کی حفاظت کرنے کو تاکہ کفار اسطرف سے داخلہ نہ کریں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں ایسی جماعت کے ساتھ بیٹھوں جو صبح کی نماز کے بعد آفتاب نکلنے تک اللہ کے ذکر میں مشغول ہورہے۔ مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ چار عرب غلام آزاد کروں اسی طرح ایسی جماعت کے ساتھ بیٹھوں جو عصر کی نماز کے بعد سے غروب تک اللہ کے ذکر میں مشغول رہے یہ زیادہ پسند ہے چار غلام آزاد کرنے سے۔

ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں ایک جماعت کے ساتھ صبح کی نماز کے بعد آفتاب نکلنے تک ذکر میں مشغول رہوں یہ مجھے دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے اس طرح عصر کی نماز کے بعد اور عصر کی نماز کے بعد اوراد کا معمول ہے اور حضرات صوفیاء کے یہاں ان دونوں وقتوں کا خاص اہتمام ہے کہ صبح کی نماز کے بعد عموماً اشغال میں اہتمام فرماتے ہیں اور عصر کے بعد اوراد کا اہتمام کرتے ہیں۔ (صوفی محمد اقبال مہاجر مدنی)

مجالس ذکر سے گناہ نیکیوں میں بدل جاتے ہیں

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو بھی لوگ اللہ کے ذکر کے لئے مجتمع ہوں اور ان کا مقصود صرف اللہ ہی کی رضا ہو تو آسمان سے ایک فرشتہ ندا کرتا ہے کہ تم لوگ بخش دیئے گئے اور تمہاری برائیاں نیکیوں سے بدل دی گئیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ بعض آدمی ذکر کی کنجیاں ہیں کہ جب ان کی صورت دیکھی جائے تو اللہ کا ذکر کیا جائے یعنی ان کی صورت دیکھ کر ہی اللہ کا ذکر یاد آئے۔

ایک حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں وہ لوگ جن کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ یاد آتے ہیں (مجلس ذکر میں کچھ لوگ مذکورہ بالا صفت کے بھی ہوتے ہیں ان کو دیکھ کر عامی شرکاء بھی متوجہ الی اللہ ہوجاتے ہیں۔ اس پر مومن اور مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ پنج وقتہ نماز اور تلاوت کے علاوہ ذکر واذکار کے لئے بھی تھوڑا سا وقت متعین کرلے۔ یہی عمل خانقاہوں اور بزرگوں کی صحبتوں میں سکھایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین (محمد ادریس حبان رحیمی)

مجلس ذکر پر اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے فخر فرمانا

حضور اقدس ﷺ ایک مرتبہ صحابہ کی ایک جماعت کے پاس تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا کہ کس بات نے تم لوگوں کو یہاں بٹھایا ہے۔ عرض کیا کہ اللہ شانہ کا ذکر کررہے ہیں۔ اور اس بات پر اس کی حمد وثنا کررہے ہیں کہ اس نے ہم لوگوں کو اسلام کی دولت سے نوازا یہ اللہ کا بڑا ہی احسان ہم پر ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: خدا کی قسم صرف اسی وجہ سے بیٹھے ہو، صحابہ نے عرض کیا خدا کی قسم صرف اسی وجہ سے بیٹھے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کسی بدگمانی کی وجہ سے میں نے تم

لوگوں کوقسم نہیں دی بلکہ جبرئیل میرے پاس ابھی آئے تھےاور یہ خبر سنا گئے کہ اللہ جل شانہ تم لوگوں کی وجہ سے ملائکہ پرفخر فرمارہے ہیں۔

فائدہ: یعنی میں نے جوقسم دے کر پوچھا اس سے مقصود اہتمام اور تاکید تھی کہ ممکن ہے کہ کوئی اور خاص بات تھی اس کے علاوہ ہواور وہ بات اللہ جل شانہ کے فخر کا سبب ہو۔اب معلوم ہوگیا کہ صرف یہ تذکرہ ہی سبب فخر ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ دونوں اس کی گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ارشاد فرماتے تھے کہ جو جماعت اللہ کے ذکر میں مشغول ہوفرشتے اس جماعت کو سب طرف سے گھیر لیتے ہیں او ررحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہےاورسکینہ ان پر نازل ہوتا ہےاوراللہ جل شانہ ان کا تذکرہ اپنی مجلس میں تفاخر کے طور پرفرماتے ہیں۔(فضائل ذکر)

اللہ کے حضور مقبولیت کی عجب مثال

حق تعالیٰ کی طرف کوئی متوجہ ہوکرتو دیکھے کہ اس طرف سے اس شخص کے ساتھ کیسا برتاؤ ہوتا ہے۔تھوڑے اخلاص سے متوجہ ہو۔مولوی ہادی علی صاحب مرحوم جن کے حواشی گلستان وغیرہ پر ہیں جماعت کے بہت پابند تھے۔ایک زمانہ درازتک ان کی جماعت فوت نہ ہوئی تھی۔اتفاق سے ایک بار بیل گاڑی میں سفر کررہے تھے خیال تھا کہ ظہر کی نماز تک ایسے موقع پر پہونچ جاویں گے جہاں جماعت مل جاوے گی۔لیکن نہ پہونچے بہل بان ہندو تھا انہوں نے جنگل میں نماز کا قصد کیا دعا کی کہ میں سخت عاجز ہوں یا اللہ جماعت کا بندوبست فرمادیجئے۔اور چار سنتیں پڑھیں جوں ہی سلام پھیرا بہلبان نے کہا مجھے مسلمان کرلیجئے آپ نے اسے مسلمان فرما کراسکے ساتھ جماعت سے نماز پڑھی۔(ماخوذ:ماہنامہ وصیۃ العرفان،آلہ آباد)

بت پرستوں کی حمایت پرعبرت ناک انجام

مولانا یعقوب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہے کہ غدر سے پہلے کی بات ہے کہ ایک رائیس پٹھان نے بمقام جلال آباد ضلع مظفرنگر شوالہ بنتے وقت ہندوؤں کی طرف داری کی تھی۔وہ رئیس بیمار ہوا ایک حکیم صاحب تھانہ بھون کے رہنے والے مولوی غلام حسین صاحب جو اہل قلب بھی تھے۔ایک مریض کو دیکھنے کے لئے جلال آباد آئے۔اس رئیس کے تیمارداروں نے بھی حکیم صاحب کو بلایا انہوں نے نبض وغیرہ دیکھ کر کہا بچنے کی امید نہیں ہے یہ کہہ کر اٹھے تو مریض نے ہاتھ پکڑ لیا اور کہا خدا کے واسطے آپ نہ جایئے۔کیونکہ ابھی ذرا پہلے میرے سامنے دو آدمی آئے آگ کا پنجرہ ان کے ہاتھ میں تھا۔مجھ سے کہتے تھے اس میں بند کر کے تجھ کو لے چلیں گے۔جس وقت آپ آئے ہیں وہ دونوں پیچھے دور ہٹ گئے ہیں اور کہہ رہے ہیں خیر ذرا ٹھہر جا۔ابھی لئے چلتے ہیں۔آپ گئے نہیں کہ وہ آئے اس کے بعد وہ شخص مرگیا۔

متعدد آدمیوں نے خواب میں دیکھا کہ اس کے لئے کچھ ایصال ثواب نہ کرو اس کو کچھ نہ پہونچے گا یہ کافر مرا ہے۔نعوذ باللہ

فوائد ونتائج: (۱) حضرت والا نے خود ہی ارشاد فرمایا کہ اہل اللہ کی یہ برکت ہے کہ رحمت ان کے ساتھ رہتی ہے آگ کے فرشتے ان کی برکت سے ہٹ گئے۔ (۲) بعضے گناہ بہت چھوٹے سمجھے جاتے ہیں مگر انجام ان کا ایسا برا ہے۔**اللھم احفظنا منھا**. ہولی دیوالی دیگر رسوم کفار میں شریک ہونا۔یا بچوں کو بھیجنا یا پیسے دینا یا کپڑے بدلوانا سب اسی جنس سے ہے۔(مصلح الامت حضرت شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اور درویش (کامل) کی یہ بھی شان ہے کہ وہ مسند رشد وارشاد کے لئے اس وقت تک

تیار نہیں ہوتا جب تک اپنے ان مریدوں کو نہیں پہچان لیتا جو روز ازل سے اس کے مرید ہو چکے ہیں چنانچہ سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ نے یوں ہی فرمایا ہے کہ میں اپنے مریدوں کو روز ازل سے پہچانتا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ کون میرے ہاتھ سے کامیاب ہوگا اور کون کامیاب نہ ہوگا اور مجھے معلوم ہے کہ اس وقت کون تو میرے دائیں طرف تھا اور کون بائیں طرف تھا۔

جب تم نے یہ بات جان لی تو اب سمجھ لو جو شخص اس درجہ کا ہو اسے یہ حق ہے کہ اپنے مریدوں کو دوسرے مشائخ کے پاس جانے سے روک دے، کیونکہ راسخین کا کشف بہت ہی کم غلط ہوتا ہے۔ وَيَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ اور حق تعالیٰ جو چاہتے ہیں لکھتے ہیں اور جو چاہتے ہیں مٹا دیتے ہیں۔ اس لئے بعض اوقات کاملین کے کشف میں بھی غلطی ہو جانا بعید نہیں مگر ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ اور جس شیخ کو یہ درجہ حاصل نہ ہو اس کو یہ حق نہیں ہے کہ محض اپنی عزت قائم رکھنے کیلئے مخلوق پر اس بات میں تنگی کر دے۔ جس میں فی نفسہ ان کیلئے وسعت ہے اور یوں چاہے کہ یہ سب مرید میری ہی طرف منسوب رہیں کسی اور کی طرف منسوب نہ ہوں: ”وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ“ اور اللہ تعالیٰ اپنے کاموں پر پورا غالب ہے لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔ اور (یاد رکھو!) بندہ کے ہاتھ سے مخلوق کو جتنا نفع مقدر ہو چکا ہے وہ تو ضرور پہنچ کر رہے گا (پھر اس تنگی کی کیا ضرورت ہے)۔ ”فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ“ جب ان کا وقت آ جائے گا تو اس سے نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکیں گے نہ آگے بڑھ سکیں گے، (پس تم اپنے مریدوں کو سب مشائخ کے پاس جانے کی اجازت دے دیا کرو، پھر جس کی تقدیر میں تمہارے ہاتھ سے کامیاب ہونا ہے وہ جھک مار کر یہیں آئے گا کہیں نہیں رہ سکتا اور جو دوسری جگہ رہ گیا سمجھ لو اس کے مقدر میں تمہارے ہاتھ پر کامیابی نہ تھی)۔

اور دنیا سے کوئی نفس اس وقت تک نہیں نکلے گا جب تک اپنے مقسوم کو پوری طرح وصول نہ کر لے گا (پس مطمئن رہو کہ جتنا نفع پہنچانا تمہارے لئے مقدر ہے تم اس کو پہنچا کر مرو گے، پھر کسی مرید کے دوسرے کے یہاں چلے جانے سے کیوں دل گیر ہوتے ہو؟)۔ اور ناقصین کو اس تنگ گیری میں یہ بات ڈالتی ہے کہ وہ اپنے کو صاحب کمال اور عارف کامل سمجھ لیتے ہیں (اس لئے کاملین کی طرح یہ بھی اپنے مریدوں کو دوسرے مشائخ کی زیارت سے روکنے لگتے ہیں) حالانکہ یہ ان کی غلطی ہے، کیونکہ جس کو خدا تعالیٰ کی کامل معرفت ہوتی ہے اس پر اپنے مریدوں کی حالت مخفی نہیں رہا کرتی۔ پس (ان کو بے شک روکنے کا حق ہے مگر) ان جیسے (ناقصوں) کا دوسروں سے اپنے متعلقین کو روکنا تو محض جہالت کی بناء پر ایک نیک کام سے ان کو روکنا ہے اگرچہ حقیقت میں روکنے والے حق تعالیٰ ہی ہیں کیونکہ اگر ان مریدوں کی قسمت میں دوسرے مشائخ سے ملاقات (لکھی) ہوتی تو اس کا وقوع ضرور ہوتا کیونکہ مخلوق میں باہم اجتماع اور افتراق کے اوقات بھی خاص تقدیر کے موافق ہیں۔ پس ان روکنے والوں سے تو محض ان کے قصد پر مواخذہ ہے ورنہ ہوتا وہی ہے جو حق تعالیٰ چاہتے ہیں۔

غرض ناقص کو یہ بات جائز نہیں کہ وہ اکابر اولیاء کی مشابہت اختیار کرنے لگے جو اپنے بعض مریدوں کو دوسرے مشائخ سے اس لئے روکتے تھے کہ کشف صحیح سے ان کو معلوم ہو گیا تھا کہ ان لوگوں کو ہمارے سوا کسی کے ہاتھ سے نفع نہ ہوگا۔ اور اپنے کو ان جیسا سمجھ کر انہی کی طرف اپنے مریدوں کو دوسروں سے روکنے لگے اور بدون اس کے کہ اس کو لوگوں کے متعلق جن کو روک رہا ہے کشف صحیح سے کچھ معلوم ہو ان احکام (واقوال) سے استدلال کرنے لگے جو اکابر نے اپنے رسائل میں اس قسم کے ارشاد فرمائے ہیں۔ (جن میں مریدوں کو مختلف مشائخ کی زیارت سے روکا گیا ہے خوب سمجھ لو۔

اور جاننا چاہئے کہ صاحب ارشاد کی شرط یہ ہے کہ وہ تلقین وارشاد میں اس بات پر اعتماد کرے جو حق تعالیٰ اس کے قلب میں القا فرمادیں۔ پس وہ اپنے پاس رہنے والوں میں سے ہر ایک کو وہ بات بتلادے جس کو اس کی استعداد قبول کرتی ہو۔

اور جو شخص محض بزرگوں کے اقوال کا مطالعہ کر کے یکساں طور پر ہر شخص کو بتلا دیا اور سنا دیا کرے وہ صاحب ارشاد نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے ذوق سے کچھ نہیں کہتا بلکہ دوسروں کے ذوق کا ناقل ہے۔ اور اسی وجہ سے شب معراج میں نماز کی تعداد کے متعلق پچاس سے پانچ تک تخفیف ہو جانے کی درخواست کرنے کے لئے تمام انبیاء میں سے خصوصیت کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی نے بار بار گفتگو کی (کہ پچاس نمازیں بہت زیادہ ہیں اس میں کمی کی درخواست کیجئے چنانچہ پانچ رہ گئیں) کیونکہ موسیٰ علیہ السلام اس وقت ان باتوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ جانتے تھے اور اس لئے کہ ان کو بنی اسرائیل کے تجربہ سے اس کا ذوق حاصل ہو چکا تھا تو انہوں نے ذوق وتجربہ کے ساتھ گفتگو فرمائی۔

جب تم یہ بات سمجھ گئے تو اب جانو کہ جنید رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے اقوال (واحوال) بیان کر دینا ارشاد وتلقین میں داخل نہیں خواہ وہ مریدوں کی حالت کے مناسب ہوں یا نہ ہوں۔ مگر آج کل لوگ اسی کو ارشاد سلوک سمجھتے ہیں اور بعض مرید شیخ کے پاس سے جا کر اپنے بھائیوں سے جو مجلس میں حاضر نہ ہوئے ہوں یوں کہتے ہیں کہ افسوس آج تم سے وہ حکایتیں فوت ہوگئیں جو عقل کو خیرہ بنائے دیتی تھیں۔

اور یہ لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ ہم ان حکایتوں (اور باتوں) کے سننے ہی سے سالک ہو گئے، حالانکہ ان کو ان باتوں کا ذوق بھی حاصل نہیں ہوا۔ کیونکہ کاملین کی باتوں کا کسی قدر ذوق اسی شخص کو حاصل ہوتا ہے جو ان کے درجہ میں ہو (پورا ذوق اس کو بھی نہیں ہوتا) کیونکہ دو شخص ایک ذوق میں (کامل طور پر) متحد نہیں ہو سکتے۔

عذابِ قبر کا عبرت ناک واقعہ

وہ ایک لاش تھی مگر قابل رحم نہیں بلکہ عبرت ناک، جس کی آنکھیں پھٹی پڑی تھیں، پتھرائی آنکھوں میں خوف بھرا تھا دہشت کی چھاپ تھی، تکلیف اور درد کی انتہا تھی مگر ان تکلیفوں سے کہیں زیادہ بے بسی تھی ایسا لگ رہا تھا گویا ان آنکھوں نے نہ چاہتے ہوئے بھی ایسا کچھ دیکھا ہے جس کا تصور بھی انسان کو لرزا دے، لاش کی کوئی بھی ہڈی سلامت نہیں تھی۔ پسلیاں ایک دوسرے میں گھس گئی تھیں۔ لاش کے منہ اور ناک سے خون نکل کر جم گیا تھا چہرے پر گہری چوٹوں کے نشان تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کسی نے ایک بے جان جسم کو نہایت بیدردی کے ساتھ توڑ کر رکھ دیا ہو۔

جسم کالا پڑ چکا تھا، مجموعی طور پر لاش بدترین اذیت کا نمونہ تھی، مگر اذیتوں کے یہ نشان کسی انسانی طاقت کی کہانی نہیں بلکہ ''عذاب قبر'' کے جیتے جاگتے ثبوت تھے وہ عذاب قبر جس کے بارے میں ہم اور آپ قرآن اور حدیث میں پڑھتے ہیں۔ جس کا خوف ہمیں گناہوں سے دور رکھتا ہے تو جس کا یقین ہمیں نماز اور عبادت گزاری کے قریب پہنچا دیتا ہے۔

جس کا حال مندرجہ بالا سطور میں بیان کیا گیا ہے وہ عمان کے اٹھارہ سالہ ایک خوبصورت نوجوان کی ہے۔ معمولی بیماری کے بعد اسپتال میں مرنے والے نوجوان کی لاش کی یہ عبرت ناک حالت قبر میں تین گھنٹے گزارنے کے دوران ہوئی تھی، جس کے والد نے اسپتال کے علاج اور دواؤں پر شک ہونے کے بعد بیٹے کے پوسٹ مارٹم کے لئے قبر سے لاش نکالنے کا فتویٰ حاصل کیا تھا۔ جب تدفین کے تین گھنٹے کے بعد قبر کو کھولا گیا تو لاش کی حالت دیکھ کر ہر کسی کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ لوگ کانپ اٹھے اور کمزور دل لرز گئے۔ قبر کھلی تو ڈاکٹروں اور علاج میں

کوتاہی کے بجائے مرنے والے کی بداعمالی اور بدکاری کے ثبوت اور سزا کے نشان مل گئے۔صرف تین گھنٹے میں لاش کی ایسی حالت ہوئی تھی گویا لگ رہا تھا کہ کسی نے قبر میں مردے پر قیامت ڈھادی ہو۔

اس نوجوان کی لاش دیکھنا تو دور کی بات کسی کے لئے چھونے کی قابل بھی نہیں تھی جسم کی کوئی ہڈی سلامت نہ ہونے کے سبب لوگوں پر خوف طاری تھا۔اپنے بیٹے کی ہیبت ناک اور خوف ناک لاش کو دیکھ کر غموں کے پہاڑ کا بوجھ ڈھونے والے باپ نے دواؤں اور ڈاکٹروں کے طریقہ کار کے بجائے بیٹے کے اعمال کے برے میں جو باتیں رشتہ داروں اور دیگر لوگوں کو بتائیں اس سے ثابت ہوگیا کہ ۱۸ سال کی زندگی کے بعد قبر میں تین گھنٹوں کے دوران عذاب اور عتاب کا ایسا سبق ملا کہ دیکھنے والوں کو گناہوں سے توبہ کرنے پر مجبور کر گیا۔غموں سے نڈھال شخص نے اعتراف کیا کہ اس کا نوجوان بیٹا بدچلن، بداعمال اور بدکردار تھا اور گناہوں، بدکاری وعیاشی میں ڈوبا رہتا تھا۔نافرمان بیٹے کا انجام اس باپ کے سامنے تھا جو دنیا کے لئے عبرت بن گیا۔

عمان میں علمائے کرام نے لاش کی حالت دیکھ کر عذاب قبر کی تصدیق کی ہے۔لڑکے کا کردار اس کے والد نے نہ چاہتے ہوئے بھی بیان کردیا۔ جب کہ نافرمان لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''جب نافرمانی کرنے والا قبر میں رکھا جاتا ہے تو قبر اس پر اتنی تنگ کردی جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں دوسری جانب کی پسلیوں میں گھس جاتی ہیں اس پر کالے سانپ مسلط کردیئے جاتے ہیں جو اس کی ناک اور پاؤں سے کاٹنا شروع کرتے ہیں۔ اس عذاب کے دوران دو فرشتوں ''منکر نکیر'' کی آمد ہوتی ہے جو اس شخص سے دریافت کرتے ہیں کہ بتا تیرا رب کون ہے؟ ہر سوال پر نافرمان شخص کہتا ہے کہ وہ کچھ نہیں جانتا۔جس کے بعد

فرشتے کہتے ہیں کہ اے اللہ کے دشمن جا تیرا ٹھکانہ جہنم ہے۔لہٰذا اس کے لئے جہنم کے دروازے قبر میں کھول دیئے جاتے ہیں۔

عمان کے نوجوان کی عبرت ناک تصاویر آج انٹرنیٹ پر دنیا کے کونے کونے میں عبرت کا پیغام دے رہی ہیں۔عذاب قبر کے بارے میں حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''قبر پر کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جس دن وہ یہ اعلان نہیں کرتی ہو کہ اے آدم کے بیٹے تو مجھے بھول گیا۔میں تنہائی کا گھر ہوں میں وحشت کا گھر ہوں میں تنکوں کا گھر ہوں، کیڑوں کا گھر ہوں''۔

جب مردے کو قبر میں دفن کرتے ہیں تو قبر سے آواز آتی ہے کہ ''اے شخص تو کتنا غافل اور بے فکر تھا کہ تو میرے سینے کو ساری عمر بیدردی سے روندتا رہا۔حالانکہ جانتا تھا کہ تیری آخری منزل میں ہوں اور میرے اندر کیڑوں کی پناہ گاہیں ہیں۔ میں رنج وتکلیف کی جگہ ہوں۔ میں وہ ہیبت ناک جگہ اور مقام ہوں کہ جہاں صرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔میں ایسے نافرمان لوگوں کی لاش کے کفن پھاڑ دیتی ہوں بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کردیتی ہوں۔خون سارا چوس لیتی ہوں، گوشت کھالیتی ہوں اور آدمی کے جوڑ جوڑ جدا کردیتی ہوں۔

رسول کریم ﷺ کے ارشاد کی روشنی میں اگر اس نوجوان کی لاش کا جائزہ لیا جائے تو عذاب قبر کے بارے میں ہر لفظ حقیقت بن کر سامنے آتا ہے۔عمان کے نوجوان کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس گئی تھیں۔تو جوڑ جوڑ کی ہڈیاں ٹوٹ چکی تھیں۔کفن پھٹ چکا تھا تو جسم پر چوٹوں کے سبب منہ سے خون آیا تھا لاش کی تصاویر دیکھ کر راتوں کی نیند اڑنا حیرت کی بات نہیں ہوگی، کیوں کہ لاش پر عذاب قبر کے جو نشانات تھے وہ رسول کریم ﷺ کے اس ارشاد کی یاد دلاتے ہیں کہ ''عذاب قبر سے نجات کی دعا کثرت سے مانگو، عذاب قبر بہت سخت ہے اس سے ڈرو، پناہ مانگو اگر

مجھے ہ ڈر نہ ہوتا کہ تم خوف کی وجہ سے مردوں کو دفنانا چھوڑ دو گے تو میں اللہ سے یہ دعا ضرور کرتا کہ تمہیں عذاب قبر سنا دے اور دکھا دے۔''

آج جو تصاویر دنیا کے سامنے ہیں وہ تو صرف عذاب قبر کی ایک جھلک ہے کیوں کہ لاش تین گھنٹے بعد ہی قبر سے نکالی گئی تھی۔ اس نوجوان کی پھٹی ہوئی آنکھوں میں دہشت کی لہر ہے اس سے صاف لگ رہا ہے کہ اسے بہت کچھ آنکھیں کھول کر دیکھنا پڑا۔ عذاب قبر کی دہشت کو نوجوان کی آنکھوں میں پڑھا جاسکتا ہے۔

رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''جب قبر میں منکر نکیر آتے ہیں تو ان کی آنکھیں بجلی کی طرح چمکتی ہیں اور آواز بادل کی گرج کی طرح ہوتی ہے ان کے دانت گائے کے سینگوں کی طرح باہر نکلے ہوتے ہیں۔ ان کے منہ سے آگ کی لپٹیں نکلتی ہیں مہربانی اور نرمی ان کے پاس بھی نہیں گزرتی لیکن سختی کا معاملہ مومنوں کے ساتھ نہیں کرتے۔ پھر بھی اسی ڈراؤنی شکل وصورت کی ہیبت بھی کیا کم ہے''۔

اس نوجوان کی لاش کی آنکھیں ایسے ہی مناظر اور عذاب قبر کی کہانی بیان کرتی ہیں جو عبرت کا مقام ہے۔

ایک چرواہے کا اعلیٰ مقام

غزوۂ خیبر کے موقع پر جب نبی کریم ﷺ نے خیبر کے قلعوں کا محاصرہ کیا ہوا تھا، خیبر میں یہودی آباد تھے۔ اور ان کی خصلت شروع ہی سے سازشی ہے مسلمانوں کے خلاف سازشوں کے جال بنتے رہتے تھے، اور خیبر ان کی سازشوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے ان کی سازشوں سے امت مسلمہ کو بچانے کے لئے خیبر شہر کا محاصرہ کیا۔ یہ شہر کئی قلعوں پر مشتمل تھا، یہودی اس محاصرہ کے دوران شہر کے اندر بند تھے۔ اور نبی کریم ﷺ کی فوجوں نے اس کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔

اسود چرواہا

جب محاصرہ کو چند دن گزر گئے تو ایک چرواہا جس کا نام روایتوں میں ''اسود'' آتا ہے جو لوگوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ وہ بکریوں کو چرانے کی خاطر قلعے سے باہر نکلا، باہر نکل کر اس نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کا لشکر محاصرہ کئے ہوئے ہے۔ اس چرواہے کے دل میں خیال آیا کہ میں جا کر دیکھوں یہ کون لوگ ہیں اور کیا ان کا پیغام ہے یہ لوگ کیا چاہتے ہیں، ان کی دعوت کیا ہے؟ چنانچہ وہ اپنی بکریوں کو چراتے ہوئے لشکر کے قریب آ گیا۔ اور لشکر والوں سے پوچھنے لگا کہ آپ کا بادشاہ کہاں ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہمارے یہاں بادشاہ تو کوئی نہیں ہے، البتہ نبی کریم ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اور ان کی قیادت میں ہم لوگ یہاں آئے ہیں۔ وہ ہمارے قائد ہیں۔ اس چرواہے نے کہا کہ کیا میں ان کو دیکھ سکتا ہوں؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے فرمایا کہ کیوں نہیں دیکھ سکتے؟ چرواہے نے پوچھا کہ ان کا محل کہاں ہے؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے فرمایا کہ ان کا کوئی محل نہیں ہے وہ سامنے کھجور کے پتوں کا چھپر ہے اس کے اندر وہ تشریف فرما ہیں، جاؤ اور جا کر ان سے مل لو۔ اس چرواہے نے کہا کہ میں جا کر بادشاہ سے مل لوں؟ میں تو ایک غلام آدمی ہوں، سیاہ فام ہوں، میری رنگت کالی ہے، بکریاں چراتا ہوں، میں کسی بادشاہ سے کیسے مل سکتا ہوں؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جواب دیا کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کو کسی سے ملنے کی کوئی عار نہیں چاہے وہ کیسا بھی آدمی ہو۔

حضور ﷺ سے مکالمہ

چنانچہ وہ چرواہا حیرت کے عالم میں نبی کریم ﷺ کے خیمے میں پہونچ گیا اور اندر جا کر سرکار دو عالم ﷺ کے جلوۂ جہاں آراء کی زیارت کی سعادت حاصل کی۔

اس چرواہے نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ آپ کیوں آئے ہیں؟ آپ کی دعوت کیا ہے؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے توحید کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ کہ اس کائنات میں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس لئے صرف اللہ کی عبادت کی جائے یہی میری بنیادی دعوت ہے۔ اس چرواہے نے کہا کہ اگر میں اس دعوت کو قبول کرلوں، اور اللہ کے سوا ہر معبود کا انکار کردوں تو میرا انجام کیا ہوگا؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مرنے کے بعد ایک دوسری زندگی آنے والی ہے اور یہ موجودہ زندگی تو عارضی ہے ناپائدار ہے، ہر ایک کو اس دنیا سے جانا ہے اور مرنے کے بعد جو زندگی ملے گی وہ دائمی اور ابدی ہوگی اور اس کی کوئی انتہا نہیں اس ابدی زندگی میں اللہ تعالیٰ تمہیں بہت اعلیٰ مقام عطا فرمائیں گے۔

اسود مسلمان ہوگیا

پھر چرواہے نے سوال کیا کہ اچھا گر میں مسلمان ہوگیا تو یہ مسلمان مجھے کیا سمجھیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ تمہیں اپنا بھائی سمجھیں گے اور تمہیں اپنے سینے سے لگائیں گے۔ اس چرواہے نے حیرت سے پوچھا کہ سینے سے لگائیں گے؟ جب کہ میں سیاہ فام آدمی ہوں اور میرے سینے سے بدبو اٹھ رہی ہے، اس حالت میں کوئی مالدار آدمی مجھے سینے سے لگانے کے لئے تیار نہیں ہے۔ آپ فرمارہے ہیں کہ یہ مسلمان مجھے گلے لگائیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اگر تم اللہ کی واحدانیت پر ایمان لے آتے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہاری بدبو کو خوشبو میں تبدیل کردیں گے اور تمہارے چہرے کی سیاہی کو تابناکی میں تبدیل کردیں گے۔ اس اللہ کے بندے کے دل پر اتنا اثر ہوا کہ اس نے پورا کلمہ پڑھا: اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰه. اور ایمان لے آیا۔

پہلے بکریاں مالکوں تک پہونچاؤ

ایمان لانے کے بعد حضور ﷺ سے عرض کیا کہ میں ایمان لے آیا ہوں اور اب آپ کے ہاتھ میں ہوں، جو آپ حکم دیں گے اس کو بجالاؤں گا۔ لہٰذا اب آپ مجھے بتائیں کہ میں کیا کروں؟ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ پہلا کام یہ کرو کہ یہ بکریاں جو تم لے کر آئے ہو، یہ تمہارے پاس ان کے مالکوں کی امانت ہیں۔ تم اس معاہدے کے تحت یہ بکریاں لائے ہو کہ تم ان کو چراؤ گے اور چرانے کے بعد ان کو واپس کرو گے۔ لہٰذا پہلا کام یہ کرو کہ ان بکروں کو واپس لے جاؤ اور خیبر کے اندر لے جاکر ان کے مالکوں تک پہونچا آؤ۔

سخت حالات میں امانت کی پاسداری

ذرا اندازہ لگائیے کہ حالت جنگ ہے اور دشمن کے قلعے کا محاصرہ کیا ہوا ہے اور جنگ کی حالت میں نہ صرف یہ کہ دشمن کی جان لینا جائز ہوجاتا ہے، بلکہ جنگ کی حالت میں اس کے مال پر بھی قبضہ کرلینا جائز ہوجاتا ہے۔ ساری دنیا کا یہی قانون ہے اور اس وقت مسلمانوں کے پاس کھانے کی کمی تھی اور کھانے کی کمی کا یہ عالم تھا کہ اس غزوہ خیبر کے موقع پر بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مجبور ہوکر گدھے ذبح کرکے ان کا گوشت پکار کر کھانے کی کوشش کی۔ بعد میں حضور ﷺ نے منع فرمایا کہ گدھے کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے چنانچہ گدھے کے گوشت کی پکی ہوئی دیگیں الٹی گئیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کس حالت میں تھے۔ لیکن چونکہ وہ چرواہا ایک معاہدے کے تحت وہ بکریاں لے کر آیا تھا اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ بکریاں واپس کرو۔ اس کے بعد میرے پاس آنا۔

تلوار کے سائے میں عبادت

چنانچہ وہ چرواہا قلعے کے اندر گیا، اور قلعے کے اندر بکریاں چھوڑیں اور پھر حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اب کیا کروں؟ اب صورت حال یہ تھی کہ نہ تو اس وقت کسی نماز کا وقت تھا کہ آپ اس کو نماز کا حکم دیتے، نہ رمضان کا مہینہ تھا کہ آپ اس کو روزے کا حکم دیتے اور نہ وہ اتنا مالدار تھا کہ اس کو زکوٰۃ کا حکم دیتے۔ نہ حج کا موسم تھا کہ اس سے حج کرایا جاتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت تو ایک ہی عبادت ہو رہی ہے جو تلواروں کے سائے میں انجام دی جا رہی ہے وہ ہے جہاد فی سبیل اللہ۔ لہٰذا تم اس جہاد میں شامل ہو جاؤ۔

اس چرواہے نے کہا کہ اگر میں اس جہاد میں شامل ہو گیا تو اس میں امکان یہ بھی ہے کہ میں مر جاؤں۔ اگر میں مر گیا تو میرا کیا ہوگا؟

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم شہید ہو گئے تو اللہ تعالیٰ تمہارے چہرے کی سیاہی کو سفیدی میں تبدیل فرما دیں گے۔ اور تمہارے بدن کی بدبو کو خوشبو سے تبدیل کر دیں گے۔ چنانچہ وہ اللہ کا بندہ جہاد میں شامل ہو گیا اور مسلمانوں کی طرف سے لڑا اور شہید ہو گیا۔

جنت الفردوس میں پہنچ گیا

جب غزوۂ خیبر ختم ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ میدان جنگ کا جائزہ لینے کے لئے باہر نکلے ہوئے تھے۔ ایک جگہ دیکھا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہجوم ہے آپ قریب پہونچے اور پوچھا کیا بات ہے؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ جو لوگ اس جہاد میں شہید ہوئے ہیں اس میں ہمیں ایک لاش نظر آ رہی ہے جو ہم نے پہلے کبھی نہیں

دیکھی اس آدمی سے ہم لوگ واقف نہیں ہیں۔ اس لئے سب آپس میں رائے زنی کر رہے ہیں کہ یہ کون آدمی ہے؟ اور کس طرح شہید ہوا ہے؟ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ مجھے دکھاؤ آپ نے دیکھا تو یہ وہی اسود چرواہا تھا۔

نبی ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تم اس کو نہیں پہچانتے لیکن میں اس کو پہچانتا ہوں، یہ وہ شخص ہے جس نے اپنی زندگی میں اللہ کے واسطے ایک سجدہ بھی نہیں کیا اور جس نے اپنی زندگی میں اللہ کے واسطے ایک پیسہ خرچ نہیں کیا، لیکن میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے سیاہی کو سفیدی میں تبدیل فرما دیا ہے اور اس کے جسم کی بدبو کو مشک عنبر سے زیادہ حسین خوشبو سے تبدیل کر دیا ہے۔

امانت کی اہمیت کا اندازہ لگائیں

اب دیکھئے کہ نبی کریم ﷺ نے عین حالت جنگ میں جہاں میدان کارزار کھلا ہوا ہے جہاں لوگ ایک دوسرے کے خلاف جانیں لینے کے لئے تیار ہیں۔ وہاں پر بھی نبی کریم ﷺ نے اس بات کو گوارا نہیں فرمایا کہ یہ چرواہا امانت میں خیانت کرے اور مسلمان ان بکریوں پر قبضہ کر لیں۔ بلکہ ان بکریوں کو واپس فرمایا۔

یہ ہے امانت کی اہمیت اور اس کی پاسداری، جس کو نبی کریم ﷺ نے اپنے مبارک عمل سے ثابت کیا۔ لہٰذا امانت میں خیانت کرنا یہ مومن کا کام نہیں۔ اسی لئے حدیث شریف میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جب وہ کسی شخص میں پائی جائیں تو وہ پکا منافق ہے ایک یہ کہ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، اور جب وعدہ کرے تو اس وعدہ کی خلاف ورزی کرے، اور جب اس کے پاس کوئی چیز امانت رکھوائی جائے تو وہ اس میں خیانت کرے۔ یہ تین اوصاف جس انسان میں پائے جائیں گے تو وہ مومن نہیں کہلائے گا، بلکہ منافق ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ پر ابلیس لعین نے جال پھینکا

علامہ شعرانی نے الیواقیت والجواہر میں نقل کیا ہے کہ سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے ایک دفعہ ایک بہت بڑا نور دیکھا جس نے سارے افق کو گھیر رکھا تھا پھر مجھے اس کے اندر ایک شکل دکھائی دی جو مجھے آواز دے رہی تھی اور یہ کہہ رہی تھی کہ اے عبدالقادر! میں تمہارا رب ہوں۔ جاؤ میں نے تم سے تکالیف شرعیہ کو معاف کر دیا۔ اب اگر تم چاہو تو میری عبادت کرو اور اگر چاہو تو نہ کرو چھوڑ دو۔ تو میں نے اس سے کہا کہ "اِخْسَأْ یَا لَعِیْن"۔ "یعنی اے مردود ہٹ دور ہو یہاں سے"۔ یہ کہتے ہی کیا دیکھتا ہوں کہ وہ نور فوراً تاریکی سے بدل گیا اور وہ صورت جو نظر آئی تھی دھواں بن گئی۔ پھر اس لعین نے مجھے مخاطب کیا اور مجھ سے کہا کہ اے عبدالقادر تم میرے دھوکہ سے اپنے رب کے احکام کی علم کی وجہ سے اور منازل طریق کے سمجھنے کی وجہ سے بچ گئے ورنہ تو اس جیسے واقعہ سے میں ستر شیوخ طریق کو گمراہ کر چکا ہوں۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے کس طرح سمجھ لیا کہ یہ شیطان ہے تو فرمایا: "حَلَالِہٖ لِیْ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ عَلٰی لِسَانِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِنَّہٗ تَعَالٰی لَا یُحَرِّمَ شَیْئًا عَلٰی اَلْسِنَۃِ رُسُلِہٖ ثُمَّ یُبِیْحُہٗ لِاَحَدٍ فِیْ السِّرِّ ابَداً"۔

یعنی میں نے اس طرح سے پہچانا کہ اس نے ایسی شے کو میرے لئے حلال کر دیا جس کو اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زبان مبارک پر حرام فرما چکے ہیں اور یہ قرینہ اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عادت یہ نہیں ہے کہ رسل کی زبان سے علی الاعلان ایک چیز حرام فرما دیں اور چپکے سے کسی کے لئے اس کو جائز فرما دیں۔

اخلاق سے واقف ہونا الگ ہے اور مزین ہونا الگ

مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بوعلی سینا ایک بزرگ کی خدمت میں گیا۔ جب وہاں سے واپس ہونے لگا تو اپنا ایک آدمی وہاں چھوڑ دیا اور اس سے کہہ دیا کہ حضرت جو کچھ میرے بارے میں فرمائیں اس کو تم میرے پاس لکھنا۔ جب کچھ عرصہ گزر گیا تو اس نے اپنے آدمی کے پاس لکھ کر دریافت کیا معلوم ہوا کہ شیخ (بزرگ) نے اس کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا تو اس نے اپنے آدمی کے پاس لکھا کہ تم میرے بارے میں ان سے دریافت کرو۔ چنانچہ اس نے پوچھا کہ بوعلی سینا کیسا آدمی ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ مردے فاضل است۔ یعنی عالم فاضل آدمی ہے ولے اخلاق ندارد۔ لیکن اخلاق نہیں رکھتا۔

علم اور عمل دو الگ الگ چیزیں ہیں

اس نے یہی لکھ کر بوعلی سینا کے پاس بھیج دیا۔ اس کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو علم اخلاق پر ایک کتاب لکھ کر شیخ کی خدمت میں بھیج دیا۔ جب اس کتاب کو ان بزرگ نے دیکھا تو ہنسے اور سمجھ گئے کہ شاید میرا مقولہ اس کو پہونچ گیا اور اسی کا یہ جواب اس نے دیا ہے تو فرمایا کہ: من نگفتہ بودم کہ اخلاق نداند بلکہ گفتہ بودم کہ اخلاق ندارد۔ یعنی میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ اخلاق جانتا نہیں بلکہ یہ کہا تھا کہ اخلاق رکھتا نہیں۔

مطلب یہ کہ اس کتاب کے لکھ دینے سے جاننے کا ثبوت تو ہو گیا اور اتنا معلوم ہو گیا کہ اخلاق جانتا ہے لیکن میں نے تو یہ کہا تھا کہ اخلاق رکھتا نہیں یعنی اس کے ساتھ متصف نہیں۔ اور اس جواب میں اس کی تحمیق بھی ہے کہ ابھی تو اتنا تو سمجھتا نہیں کہ داشتن اور دانستن میں فرق ہے یعنی داشتن اور ہے اور دانستن اور ہے اور

دانستن کے ثبوت کے لئے داشتن کا ثبوت ضروری نہیں۔ان بزرگ نے شیخ بوعلی سینا میں اخلاق کی کمی دیکھی ہوگی اس لئے جب ان سے سوال کیا گیا تو اس کے جواب میں صحیح بات بتلانا ضروری سمجھا اس لئے فرمادیا کہ اخلاق ندارد۔

بزرگان دین جس کام پر مامور ہوتے ہیں اس کو وہ لوگ تک پہونچا دیتے ہیں چنانچہ انہوں نے اپنا کام کردیا اور ہم لوگوں تک طریق کی باتوں کو پہنچادیا اور پہونچاتے رہتے ہیں۔اب ہم ان کو سمجھیں یا نہ سمجھیں۔(از وصیۃ العرفان، الہ آباد)

اپنے ہاتھ میں کسی نفع ونقصان کو نہ سمجھے

درویش کی یہ بھی شان ہے کہ وہ اپنے ہاتھ میں کسی نفع وضرر کو نہیں سمجھتا۔بجز خدا تعالیٰ شانہ کے (یعنی وہ ہر نفع وضرر کو خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے مشاہدہ کرتا ہے) اور اگر تمام مخلوق اس کی طرف متوجہ ہوجائے اور یہ ان کو سالک بنادے اور خدا کا راستہ بتادے اور ان کو اس سے نفع بھی پہنچ جائے تو ان کی ہدایت کو کسی درجہ میں بھی اپنی طرف نہ منسوب کرے اور نہ اس میں کچھ دخل سمجھے۔حق تعالیٰ سبحانہ فرماتے ہیں: "اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ". اے محمد ﷺ آپ اپنی مرضی سے کسی کو ہدایت نہیں کرسکتے بلکہ حق تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں ہدایت فرماتے ہیں۔

اور اس کی علامت یہ ہے کہ جو لوگ طالب بن کر اس کے پاس مجتمع ہوں ان میں سے کسی پر بھی اپنے مرتبہ کو بلند نہ سمجھے۔اور بھلا ان سے اپنے آپ کو بڑا سمجھنا مناسب بھی کب ہے جب کہ یہ ان کے ذریعہ ہی شیخ بنا ہوا ہے، چنانچہ اگر کسی ایسے بازار کی طرف نکل جائے جہاں اسے کوئی نہ جانتا ہو اور وہاں جاکر بلند آواز سے پکار کریوں کہے کہ میں اولیاء اللہ میں سے ایک شیخ ہوں تو کوئی بھی اس کی طرف التفات نہ کرے گا۔بلکہ لوگ اسکے ساتھ تمسخر کرنے لگیں گے اور اگر یہ اس حال سے نکلے کہ

فقراء ومریدین اس کے آگے پیچھے گردن جھکائے چل رہے ہوں تو سب لوگ کہنے لگیں گے کہ یہ صلحاء میں سے کوئی بزرگ ہیں گو ان میں سے کوئی اسے جانتا بھی نہ ہو، نہ پہلے سے کچھ شناسائی ہو، کیونکہ اب اس میں مریدوں کی جماعت کے ساتھ چلنے سے مشیخت کی ایک شان پیدا ہوگئی ہے۔اس وقت کسی کے کہنے سننے کی ضرورت نہیں رہی اس شان سے ہر شخص کو اس کا شیخ ہونا معلوم ہوجاتا ہے تو حیرت کی بات ہے کہ جن مریدوں نے اس کو شیخ بنا رکھا ہے ان سے اپنے کو کس طرح افضل سمجھتا ہے۔

اور نیز یہ بھی سمجھو کہ بعض دفعہ مریدین شیخ سے زیادہ عبادت میں مشغول ہوتے ہیں اس لئے کہ شیخ تو مشیخت کی وجہ سے ایک بلاء میں مبتلا ہوگیا ہے کیونکہ وہ دن بھر مخلوق کے ساتھ مجلس آرائی میں حقوق اللہ کو ضائع کرتا رہتا ہے۔اگر وہ کسی وقت ذکر یا ورد میں مشغول ہوتا ہے تو مریدین بھی اس کے ساتھ رہتے ہیں اور اس سے زیادہ جو کچھ وہ کرتے ہیں اس میں وہ شیخ سے بڑھے ہوئے ہیں پس وہ شیخ سے زیادہ اچھی حالت میں ہیں۔اور آفات اس سے کم مبتلا ہیں لیکن اکثر لوگ مشائخ کی تعظیم محض تقلید اور شہرت کی بناء پر کرتے ہیں اس لئے مریدوں کے ساتھ عوام کو اتنا اعتقاد نہیں ہوتا جتنا مشائخ سے ہوتا ہے۔(حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر سے اقتباس)

اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے ہم جیسے نااہل اور بے عمل کس شمار میں ہیں اللہ تعالیٰ ریاکاری سے بچائے اور اخلاص عطا فرمائے اور اپنے قلوب پر نظر رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔(محمد ادریس حبان رحیمی)

مسلمانوں کے عیوب بیان کرنا غیبت ہے

معاشرے کے سنوارنے اور نکھارنے میں جہاں اچھائیاں اور مختلف نیکیاں اپنا کردار ادا کرتی ہیں وہاں اس کے بگاڑ میں چند نقائص اور خرابیاں بھی ہوتی ہیں۔

سورۃ الحجرات میں ارشاد ربانی ہے: ''نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو''۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمیں اپنے قول وعمل سے عیوب کی پردہ پوشی کرنی چاہئے لیکن ان طریقوں میں سب سے زیادہ جس طریقے سے مسلمانوں کے عیوب بیان کئے جاتے ہیں وہ غیبت ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ تعریفیں، تصریح اور رمز واشارات، تحریر وکتابت، نقالی ہر طریقے سے دوسرے کے عیوب بیان کئے جاسکتے ہیں۔ ایک شخص کے نسب، اخلاق، دین ودنیا جسم، لباس، غرض ہر چیز میں عیب نکالا جاسکتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے نہایت پرزور طریقے سے اس کی ممانعت کی ہے۔ انہی معاشرتی برائیوں کی وجہ سے ایک صحت مند معاشرہ بگڑ جاتا ہے۔ اکثر ہم اپنے عیوب کو بالائے طاق رکھ کر دوسروں کے معمولی عیب گننے لگتے ہیں۔ اس سے ایک تو یہ ہوتا ہے کہ دوسروں کی دل شکنی ہوتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ کسی کی بھی اصلاح نہیں ہوتی۔ تیسری بات یہ کہ مفت کی دشمنی ہوجاتی ہے چونکہ ہم اس مسئلہ پر سوچیں اور اس کا حل تلاش کریں۔ ہم الٹا دوسروں کے عیب نکالتے ہوئے لطف محسوس کرتے ہیں، دوسروں کی غیبت کرتے ہیں حالانکہ اسلام میں صاف طور پر حکم ہوا ہے کہ پردہ پوشی تم پر لازم ہے جو کوئی اس دنیا میں کسی کے عیب پر پردہ ڈالے گا روز حشر اللہ تعالیٰ اس کے عیوب پر پردہ ڈالے گا۔ کسی انسان کو اپنے سے کم تر سمجھنا یا اس کے عیب بیان کرکے اسے حقیر جاننا انسانی تقدیس کے منافی ہے اگر انسان کی دوسرے شخص میں کوئی برائی بھی دیکھے تو اسے نظر انداز کردے اور ہوسکے تو برے شخص کو بھی اچھا کہا جائے تاکہ اس کا ضمیر خود اسے ملامت کرے کہ اس کی برائی کے

باوجود لوگ اسے اچھا کہتے ہیں اور یہ کہ اگر وہ اچھا ہوجائے تو لوگ اسے کس قدر چاہیں گے یہ احساس کردار اور اخلاق ہمیں اسلام نے عطا کیا ہے۔ انسان کا دل ایک آئینہ کی مانند ہے۔ ضمیر اس آئینہ کی آواز ہے جو شخص دوسروں کے عیب نکالتا ہے وہ خود بھی عیوب سے پاک نہیں ہوتا کیونکہ دل ایک آئینہ ہے اس میں وہ جس کسی کے بارے میں جو خاکہ بناتا ہے دراصل وہ اس کی اپنی تصویر ہوتی ہے اس کا اپنا عکس ہوتا ہے وہ ذہن میں جس شخص کے بارے میں سوچ رہا ہوتا ہے ممکن ہے وہ خود بھی ایسا ہی ہو اس لئے اچھائی اسی میں ہے کہ ایک انسان دوسرے کو اچھا سمجھے۔ اس کی خوبیوں کو تلاش کرے اسے حقارت سے نہ دیکھے نہ بہتان لگائے، نہ عیب نکالے، نہ ٹوہ لگائے اور خفیہ حالات کے بارے میں تجسس نہ کرے کیونکہ کوئی نہ کوئی برائی ہر شخص میں ہوتی ہے ان باتوں سے سوائے نفرت اور دشمنی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

ایک بزرگ کا واقعہ ہے

کسی مسئلہ پر ان کی گفتگو ایک شخص سے ہوئی، گفتگو کے دوران بزرگ کی زبان سے کچھ طعن آمیز سخت الفاظ نکل گئے اس کے بعد دونوں جدا ہوگئے۔ عشاء کی نماز کے بعد جب بزرگ اپنے بستر پر لیٹے تو انہوں نے محسوس کیا کہ ان کے اندر بے چینی پیدا ہورہی ہے۔ ان کا دل ملامت کرنے لگا کہ تم نے اللہ کے بندے کے ساتھ سخت کلامی کی، تم نے اسے اپنے مقابلے میں حقیر سمجھا، تمہارے اندر ابھی تک ایک غرور کا جذبہ چھپا ہوا ہے۔ اللہ کے یہاں اگر وہی آدمی بلند مرتبہ ہو اور تم خدا کے یہاں بے قیمت ٹھہرو تو تم کیا کروگے؟ تمہیں یہ حق تو تھا کہ اپنے بھائی کی رائے سے اختلاف کرو، مگر یہ حق نہیں تھا کہ اس پر طعن وتشنیع کے تیر برساؤ اور اسے کم تر اور حقیر جانو، یہ خیالات آتے ہی بزرگ کی نیند اڑ گئی وہ رات بھر بستر پر کروٹیں بدلتے

رہے، ایک بار وہ بستر سے اٹھے اور وضو کر کے نماز پڑھنا شروع کی مگر انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے ان کی نماز ان کے چہرے پر ماری جارہی ہے۔ان کی پریشانی بڑھ گئی صبح ہوتے ہی بزرگ اس شخص کے گھر پہنچے، اس سے ملاقات کر کے معافی مانگی اس وقت حال یہ تھا کہ ایک طرف ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور دوسری جانب زبان سے یہ نکل رہا تھا خدا کے واسطے مجھے معاف کردو''۔

ہم سب جب انفرادی طور پر اپنے اوپر اسلامی تعلیمات کو نافذ کریں گے تو اس کی روشنی میں عین ممکن ہے کہ ہم سے کوئی غلطی سرزد نہ ہو اور جب ہم ایک صاف ستھرا معاشرہ قائم کرلیں گے تو ہم میں سے کوئی عیب دار نہیں ہوگا اور ہم کسی کے عیب نہیں نکالیں گے۔

معاشرہ ایک ایسے پودے کی مانند ہے جس کی نشوونما میں اگر کسی چیز کی بھی کمی آجائے تو یہ پودا پھل پھول نہیں سکتا۔اس پودے کو تناور درخت بنانے کے لئے انتھک محنت کرنا پڑتی ہے۔(محمد ادریس حبان رحیمی)

والدین کا نافرمان جنت کی خوشبو سے محروم رہتا ہے

والدین ماں اور باپ کو کہتے ہیں جن کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہم پر فرض ہے اوران کی خدمت کرنا لازم ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا یعنی والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا: ترجمہ: اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجھو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔

اور اگر وہ تمہاری موجودگی میں دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان پر نہ بھڑکو اور ان سے ادب سے پیش آنا تو والدین کا مرتبہ اتنا بلند وبالا ہے کہ اللہ کی عبادت

کے ساتھ ساتھ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا لازم ہے جس کے متعلق احادیث میں بہت بڑی فضیلت آئی ہے۔حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ والدین کی رضا میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور والدین کی ناراضگی میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے۔

(ترمذی شریف، جلد دوم)

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا کہ یعنی ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔اللہ نے ہم کو والدین کے ساتھ احسان مند رہنے کا اس لئے حکم دیا کہ والدین ہماری ہر طرح کی پرورش کرتے ہیں جب بچہ ماں کے رحم میں ہوتا ہے تو وہ ماں حمل کے وقت سے ولادت کے زمانہ تک ہر طرح کی تکلیف اٹھاتی اور برداشت کرتی ہے پھر جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کو دودھ پلاتی ہے اور اس کو ہر طرح سے پاک وصاف رکھتی ہے اور اپنی اولاد پر جان ومال راحت وآرام سب کچھ قربان کردیتی ہے اور اب اس کے لئے ہر چیز کو مہیا کرتا ہے اور ان کا سارا بوجھ اپنے سر لیتا ہے لیکن اپنی اولاد کو کوئی تکلیف ہونے نہیں دیتا اسی لئے والدین کا بہت بڑا مرتبہ ہے اللہ کی عبادت کے بعد والدین کی فرمانبرداری کرنا اولین فریضہ ہے۔

حدیث مبارکہ میں آتا ہے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا، نفل نماز، صدقہ، روزہ، حج اور جہاد سے بھی افضل ہے۔(بیہقی) جو شخص ان کے ساتھ حسن سلوک نہ کرے ان کی نہ کوئی عبادت قبول ہوتی ہے اور نہ صدقہ خیرات قبول ہوتا ہے ان کی نافرمانی کرنے سے دنیا وآخرت دونوں میں ذلت ہوتی ہے اور نہ اسی شخص کے زبان پر مرتے دم تک کلمہ جاری ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا اگر ایک نظر بھی محبت سے دیکھے تو اس کو ایک حج مبرور کا ثواب لکھا جاتا ہے تو صحابہ نے عرض کیا اگر کوئی دن میں سو مرتبہ دیکھے تو حضور ﷺ نے فرمایا تب بھی ہم

والدین کی کتنی بھی خدمت کریں ان کا حق ادانہیں ہوسکتا۔ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کرنے لگا میں نے اپنے والدہ کو اپنے کاندھے پر بیٹھا کر طواف کرایا کیا میں نے ان کے حق کو ادا کیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا نہیں تیری ولادت کے لمحہ کے وقت کی تکلیف کے حق کو بھی ادانہیں کیا۔

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ ہم کو والدین کی کتنی خدمت کرنا چاہئے۔ والدین میں بھی ماں باپ سے تین گناہ زیادہ ثواب کا درجہ رکھتی ہے کیونکہ وہ تین ایسے چیزیں انجام دیتی ہے کہ باپ تصور بھی نہیں کرسکتا یعنی حمل کے وقت اپنے بچہ کو اپنے پیٹ میں اٹھائے پھرتی ہے اور ولادت کی تکلیف کو سہتی ہے، تیسرا یہ کہ وہ رضاعت کرتی ہے لیکن پرورش میں دونوں برابر ہیں۔ اسی لئے دونوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ملعون ہے وہ شخص جو اپنے ماں باپ کو ستائے۔ (بیہقی) افسوس صد افسوس کہ آج کے اس معاشرے میں کئی لوگ ایسے ہیں جو اپنے والدین کو دکھ درد اور تکالیف پہونچاتے ہیں ان کو گالی گلوچ کرتے ہیں اور ان کو طعنہ زنی کرتے ہیں ایسے بدبخت انسانوں کی قیامت میں ضرور پوچھ ہوگی اور ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہوگا۔

نزہۃ المجالس میں مکتوب ہے کہ ایک تابعی کا گذر ایک قبرستان سے ہوا کیا دیکھتے ہیں کہ ایک قبر شق ہوئی اور اس قبر سے ایک آدمی نکلا جس کا سر گدھے کا اور جسم انسان کا تھا اور وہ قبر سے نکل کر تین مرتبہ گدھے کی آواز نکالا اور پھر قبر میں چلا گیا۔ آپ نے اس آدمی کا حال اس کی بیوی سے دریافت کیا تو اس نے کہا کہ میرا شوہر ہے جو روزانہ شراب پیا کرتا تھا جب اس کی ماں اس کو نصیحت کرتی کہ بیٹا تم شراب کب تک

پیو گے مت پیو وہ کہتا تھا تم کیا گدھے کی طرح چلاتی ہو اسکے بعد اس شخص کا انتقال عصر کے وقت ہوا تب سے اس قبر سے روزانہ عصر کے وقت گدھے کی آواز آتی ہے۔ اس لئے والدین کی نافرمانی سے بچنا چاہئے کیونکہ جنت کی خوشبو ہزار برس تک آتی ہے جو شخص اپنے والدین کی نافرمانی کرتا ہے وہ اس جنت کی خوشبو سے محروم رہتا ہے۔

ایک شخص حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا، اے اللہ کے رسول ﷺ! میں کس کے ساتھ حسن سلوک کروں تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا! اپنی ماں کے ساتھ پھر وہ شخص نے کہا کس کے ساتھ تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ماں کے ساتھ پھر وہ شخص نے کہا کس کے ساتھ پھر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ماں کیساتھ اسکے بعد چوتھی مرتبہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے باپ کے ساتھ، ماں اور باپ دونوں میں سے اگر کوئی پانی مانگے تو پہلے ماں کو دے، پھر باپ کو اسی لئے ہم پر والدین کی فرمانبرداری کرنا لازم وفرض ہے۔

والدین کی رضا میں ہی اللہ کی رضا ہے اور اس کا رسول ﷺ راضی ہے جس شخص سے والدین ناراض رہتے ہیں اللہ اور اس کا رسول ﷺ بھی اس سے ناراض ہوتا ہے اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی ناراضگی کی وجہ سے ہمیں ہر طرح کی مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اطاعت وفرمابرداری والدین میں رضائے خداوندی اور رضائے مصطفوی حاصل ہوتی ہے اور گھروں میں برکت وراحت حاصل ہوتی ہے اور عامۃ المسلمین کو چاہئے کہ دائمی طور پر اپنے والدین کو خوش رکھیں ان سے حسن سلوک سے پیش آنا اور ان کی خدمت کرنا اولاد کا اولین طریقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین! (محمد ادریس حبان رحیمی)

نگاہیں نیچی رکھنے کی خیر و برکات

"قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُم ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ . وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُن"۔ (النور ۳۰) اے محمد ﷺ! آپ مومنوں سے فرمادیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ اور یہ تمہارے لئے پاکی حاصل کرنے کا بہترین راستہ ہے۔ اور عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ (سورہ النور: ۳۰) حضرت شیخ الاسلام دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ اس ذریعے یہ بتادیا کہ شرمگاہ کی حفاظت کا راستہ یہ ہے کہ اس کا آغاز آنکھ کی حفاظت سے ہو، اور جب آنکھ محفوظ رہے گی تو تمہاری شرمگاہ بھی محفوظ رہے گی اور تم بدکاری سے محفوظ رہو گے۔ یہ حکم کسی مولوی اور ملا کا بیان کردہ حکم نہیں ہے یہ کسی قدامت پسند، مذہبی، دہشت گرد کا حکم نہیں ہے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جو قرآن کریم کے اندر بیان فرمایا ہے۔

قلعے کا محاصرہ کرنا

جب تک مسلمانوں نے اس حکم پر عمل کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو ان فتنوں اور فسادات سے محفوظ رکھا۔ میں نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ واقعہ سنا تھا جو ایک تاریخی واقعہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور بڑے درجے کے صحابہ میں سے ہیں اور شام کے فاتح ہیں، اس لئے کہ بہت سے علاقوں کی فتح کا سہرا اللہ تعالیٰ نے ان کے سر رکھا، بعد میں وہ شام کے گورنر رہے۔

ان کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے غیر مسلموں کے قلعے پر حملہ کیا۔ اور اس قلعہ کا محاصرہ کرلیا، محاصرہ لمبا ہوگیا اور قلعہ فتح نہیں ہو رہا تھا، یہاں تک کہ جب قلعہ کے لوگوں نے دیکھا کہ مسلمان بڑی ثابت قدمی سے محاصرہ کئے ہوئے ہیں تو انہوں نے ایک سازش تیار کی، وہ یہ کہ ہم مسلمانوں سے یہ کہتے ہیں کہ ہم قلعہ کا دروازہ آپ کے لئے کھول رہے ہیں آپ اپنی فوج کو لے کر داخل ہوجائیں۔ اور یہ سازش کی کہ شہر کا دروازہ جس طرح کھلتا تھا اس طرف بہت لمبا بازار تھا جس کے دونوں طرف دکانیں تھیں اور بازار شاہی محل پر جا کر ختم ہوتا تھا۔ ان لوگوں نے بازار کے دونوں طرف عورتوں کو مزین کر کے اور آراستہ کر کے ہر دکان پر ایک ایک عورت کو بٹھادیا۔ اور ان عورتوں کو یہ تاکید کردی کہ اگر یہ مجاہدین داخل ہونے کے بعد تم کو کہیں چھیڑنا چاہیں اور تمہارے ساتھ کوئی معاملہ کرنا چاہیں تو تم انکار مت کرنا، رکاوٹ مت ڈالنا۔ ان کے پیش نظر یہ تھا کہ یہ لوگ حجاز کے رہنے والے ہیں، مہینوں سے اپنے گھروں سے دور ہیں، جب اندر داخل ہونے کے بعد ان کو اچانک خوبصورت اور آراستہ عورتیں نظر آئیں گی تو یہ لوگ ان کی طرف مائل ہوں گے اور جب یہ ان کے ساتھ مشغول ہوں گے اس وقت ہم پیچھے سے ان پر حملہ کردیں گے۔

مومن کی فراست سے بچو

منصوبہ بنا کر قلعے کے والی نے حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام بھیجا کہ ہم ہار مان گئے ہیں اور اب ہم قلعے کا دروازہ آپ کے لئے کھول رہے ہیں آپ اپنی فوج کو لے کر قلعے کے اندر داخل ہوجائیں، جب حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام ملا۔ جب اللہ تعالیٰ ایمان عطا فرماتے ہیں تو فراست ایمانی بھی عطا فرماتے ہیں۔ حدیث شریف میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ

اَلْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ ''یعنی مومن کی فراست سے بچو، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے''۔ جب یہ پیغام ملا تو حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا ماتھا ٹھنک گیا کہ اب تک یہ لوگ مقابلے کیلئے تیار تھے اور دروازہ نہیں کھول رہے تھے۔ اور اب اچانک یہ کیا بات ہوئی کہ انہوں نے دروازہ کھولنے کی پیش کش کردی اور نوجوان کو داخل ہونے کی اجازت دیدی۔ اس میں ضرور گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔

پورا لشکر بازار سے گزر گیا

چنانچہ آپ نے سارے لشکر کو جمع کیا اور ان کے سامنے خطبہ دیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دشمن نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں اور وہ ہمیں داخل ہونے کی دعوت دے رہا ہے، آپ لوگ بیشک داخل ہوں لیکن میں آپ کے سامنے قرآن کریم کی ایک آیت پڑھتا ہوں آپ اس آیت کو پڑھتے ہوئے اور اس آیت پر عمل کرتے ہوئے داخل ہوں اس وقت آپ نے یہ آیت تلاوت کی:

''قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ''. (سورہ نور:۳۰)

''یعنی مومنوں سے کہدو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لئے پاکیزگی کا راستہ ہے'' چنانچہ لشکر قلعے کے اندر اس شان سے داخل ہوا کہ ان کی نگاہیں نیچی تھیں اور اسی حالات میں پورے بازار سے گزر گئے اور شاہی محل تک پہنچ گئے اور کسی نے دائیں بائیں آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا کہ کیا فتنہ ان دکانوں میں ان کا انتظار کررہا ہے۔

یہ منظر دیکھ کر اسلام لائے

جب شہر والوں نے یہ منظر دیکھا تو آپس میں کہنے لگے کہ یہ کونسی مخلوق ہے اس لئے کہ کوئی فوج فاتح بن کر کسی شہر میں داخل ہوتی ہے تو سینہ تان کر داخل ہوتی

ہے، آزادی کے ماحول میں داخل ہوتی ہے اور لوٹ مار کرتی ہے اور عصمتیں لوٹتی ہے، لیکن یہ عجیب وغریب لشکر اس شان سے داخل ہوا کہ چونکہ ان کے امیر نے کہدیا تھا کہ نگاہیں نیچی رکھنا تو سب کی نگاہیں نیچی تھیں اور اس حالت میں پورا لشکر اس بازار کو پار کرگیا اور شہر کے بے شمار لوگ صرف یہ منظر دیکھ کر مسلمان ہوگئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کی توفیق عطا فرمادی۔

کیا اسلام تلوار سے پھیلا ہے؟

لوگ کہتے ہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلا تھا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اس کردار سے پھیلا تھا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اس عمل سے پھیلا تھا۔

بہرحال! آنکھوں کو نیچے رکھنے کے اس عمل نے نہ صرف یہ کہ ان کو جسمانی اور نفسانی اور شہوانی فتنے سے محفوظ رکھا، بلکہ اس ذریعے سے دشمن کے منصوبے اور ان کی چال سے بھی حفاظت فرمائی۔ (ماخوذ از تحریر شیخ الاسلام حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی)

آج کے پرفتن ماحول میں نظر کی حفاظت اصل ہے کہ شیطان نظر کے ذریعہ ہی دل میں پراگندگی ڈالتا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے آمین۔

(محمد ادریس حبان رحیمی)

مرید کون ہے اور مراد کس کو کہتے ہیں؟

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا اسم مبارک ثوبان بن ابراہیم اور کنیت ابوالفیض ہے۔ لیکن آپ ذوالنون کے لقب سے معروف ہیں۔ آپ مصر کے موضع اخیم میں سکونت پذیر تھے۔ البتہ آپ کے والد مقام نوبہ کے رہنے والے تھے جو حوالی مصر میں ہے۔ حضرت شیخ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ

سے شرف تلمذ حاصل تھا جن سے موطا پڑھا اور فقہ کا درس بھی لیا آپ مالکی مسلک کے پیرو تھے۔ ایک مغربی بزرگ حضرت اسرافیل سے مرید ہوئے تھے۔ آپ امام وقت اور یگانہ روزگار تھے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ گروہ صوفیہ کے پیشوا مانے جاتے ہیں اکثر مشائخ کا سلسلہ آپ تک پہنچتا ہے اگرچہ کہ آپ سے پہلے بھی بہت سارے مشائخ گزرے ہیں لیکن یہ شرف آپ ہی کو حاصل ہوا کہ آپ نے ارشادات (تصرف ومعرفت) کو عبارت کا لباس پہنایا اور تصوف کے رموز کی تشریح فرمائی۔ حضرت ذوالنون مصری نے بہ عہد خلیفہ متوکل عباسی ۲۴۵ھ میں وفات پائی۔ خلیفہ متوکل حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ کا گرویدہ ہوگیا تھا۔ جب کسی مجلس میں صالحین کا ذکر ہوتا تھا تو وہ لوگوں سے کہتا ان حضرات میں شیخ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہ کو بھی شامل کرو۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ ''جس نے اللہ کے لئے اپنے نفس کو ذلیل کیا وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور میں معزز بندہ ہے''۔ یہ بھی کہا ''نفس کا دیکھنا اور اس کی تدبیر کرنا بہت بڑا اور سخت پردہ جمال الٰہی کا ہے'' حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے دریافت کیا ''مرید کون ہے اور مراد کس کو کہتے ہیں''۔ آپ نے جواباً فرمایا: ''مرید تو طلب کرتا ہے اور مراد بھاگتا ہے''۔

حضرت ذوالنون قدس سرہ نے اپنے ایک سفر کا واقعہ یوں بیان کیا ''ایک بار حالت سفر میں تھا دوران سفر ایک ایسے نوجوان سے ملاقات ہوئی جو بہت پرشور تھا۔ میں نے اس سے کہا نوجوان مسافر! کہاں سے آرہے ہو۔ اس نے کہا کہ ''مسافر تو وہ ہوتا ہے جو اس دنیا (عالم آخرت) سے محبت رکھتا ہو۔ اس نوجوان کا (محبت ومعرفت سے پر) یہ جواب سن کر میں نے بیساختہ نعرہ مارا اور بے ہوش ہوکر گر پڑا۔ کچھ دیر بعد جب مجھے ہوش آیا تو وہ کہنے لگا تمہیں کیا ہوگیا تھا؟ میں نے کہا کہ ''بیماری کے موافق علاج مل گیا تھا''۔ (تمہارا جواب میرے درد کا درماں تھا)۔

حضرت ذوالنون مصری کسی مسئلہ کو دریافت کرنے کے لئے مغرب (ممالک غربیہ) میں شیخ عزیزی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے۔ ان بزرگ نے حضرت ذوالنون مصری کو دیکھ کر فرمایا ''کہ کیوں آئے ہو؟ اگر اس لئے آئے ہو کہ اولین وآخرین کا علم حاصل کرو تو یہ ناممکن ہے کیوں کہ اس کا جاننے والا تو اللہ ہے اور اگر اسلئے آئے ہو کہ اس کو تلاش کرو تو تم نے جس مقام سے پہلا قدم اٹھایا تھا وہ رات تو وہاں بھی موجود تھی پھر اس کی تلاش میں یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ جستجو کرنے والے کو جس کی تلاش اور جستجو ہے وہ خود اس ڈھونڈنے والے کے ساتھ ہے بلکہ وہ خود ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو تلاش کے راستے پر پھراتا ہے۔ (اخذ وتلخیص: نفحات الانس ترجمہ سشمی)

آج مسلمان کا حال یہ ہے کہ غیر اللہ کی طرف دیکھ رہا ہے حالانکہ ہمہ وقت اللہ رب العزت اس کو دیکھ رہے ہیں بزرگوں سے دعا کراتا ہے۔ عملیات کے چکر میں جہاں تہاں پھرتا ہے۔ لیکن خود عمل سے کوسوں دور ہے جو چیز باہر تلاش کرتا پھرتا ہے اسے خود اپنے اندر تلاش کرے۔ اللہ رب العزت کے سامنے اپنے کو ہمہ وقت حاضر سمجھے اور جو بھی مانگے رب سے مانگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے وہ بھی اللہ سے مانگو، وہی ہر بڑی چھوٹی نعمتوں کا مالک اور مختار اور داتا ہے۔ (محمد ادریس جہان رحیمی)

شکر، نفسِ انسانی کے درجۂ کمال کی نشانی ہے!

بندہ ناچیز اپنے دوستوں سے کہتا ہے کہ ''شکر'' کے حوالے سے قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے: ''اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں پاکیزہ چیزیں (شوق سے) کھاؤ اور اگر اللہ ہی کی عبادت کرتے ہو تو اس کا شکر ادا کرو''۔

''شکر'' کی عادت نفس انسانی کے کمال کی نشانی ہے۔نعمتوں کے زیادہ ہونے اور ہمیشہ رہنے کی ضمانت فراہم کرتیا ہے،''شکر'' مخلوق پر اپنے خالق کا ایک فریضہ ہے کہ خداوند عالم نے اس سے بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔

''شکر'' اپنے پروردگار کی بے نیازی کا اعتراف ہی نہیں بلکہ اس کا فائدہ شکر کرنے والوں کو بھی ملتا ہے کیونکہ انہوں نے ان نعمتوں کو اللہ کی رضا اور خوشنودی پر خرچ کریا ہے اور یہی بات ان کی زندگی کی سعادت ہے۔اسی لئے قرآن وحدیث میں بے شمار مقامات پر شکر ادا کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

سورہ سباء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:''اپنے پروردگار کے رزق میں سے کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو'' اعتراف شکر اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت اور اس رحیم وکریم کی عظمت کا اعتراف ہے۔مگر ان کیلئے جن کے دل صاحب ایمان ہیں ورنہ جن کے دلوں میں کفر کے اندھیرے راج جما چکے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی کوئی رحمت دکھائی نہیں دیتی۔ یہ لوگ دنیوی ترقی پر فخر وتکبر کرتے اور بغاوت کے علم بردار بن جاتے ہیں۔ضروری نہیں کہ سرکشی کے نتائج فوراً آشکار ہوں لیکن اس کا انجام بہر حال تباہی ہے۔انسان کو امن وسلامتی کی زندگی بھی نصیب ہوسکتی ہے وہ اس صورت کہ وہ نیت وارادے اور قول وفعل سے اپنے رب کے لئے سراپا شکر بن جائے۔ یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو بھی تسلیم کرے کہ اس نے اس شکر گزاری کی توفیق دی۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا''اللہ نے جس شکر کا دروازہ کھول دیا اس پر نعمت کی زیادتی کا دروازہ بھی کھول دیا''۔

انسان شکر کا اظہار کرے یعنی اللہ کی ربوبیت کو مانے ،عبادت کرے، سیدھے راستے پر چلے اور اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے سامان کو اس کا منشا ورضا کے موافق کام میں لائے۔ یہ بندگی کا تقاضہ ہے۔کتنے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں

سے فائدہ اٹھاتے ہیں اس کی بخشی ہوئی متاع کو ڈھنگ سے استعمال کرتے ہیں اور دوسروں کو اس سے بہرہ مند کرتے ہیں۔مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بے مثال رحمت اور ربوبیت کے پیش نظر انسان کو اس کا شکر ادا کرنا چاہئے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ بہت کم لوگ اس فرض کو پوری طرح انجام دیتے ہیں۔

''شکر'' کے تین درجے ہیں جن کا مدار نیت کے فرق پر ہے۔اللہ تعالیٰ کا صرف اس لئے شکر ادا کرنا کہ اس نے کوئی دنیوی یا روحانی نعمت عطا کی ہے۔اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اس کے کرم کا ثبوت سمجھنا اور اس بات پر شکر ادا کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی میرے حال پر توجہ ہے اور وہ مزید فضل وکرم کرے گا۔اس بات پر شکر گزار ہونا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت نے میرے دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد بڑھادی ہے۔میرا دل اس کی طرف اور زیادہ جھک گیا ہے۔اس نعمت کو جائز کام میں لاکر مجھے اللہ تعالیٰ کا مزید قرب حاصل ہوگا۔یہی شکر کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔اسی کو نصب العین بنانا چاہئے۔

''شکر'' حسن اخلاق کا بنیادی ہی نہیں، دائمی عنصر بھی ہے۔شکر وہ فضیلت ہے جو آخرت میں بھی مقصود ہے۔جنت کے مکین دنیا کی آلودگیوں اور تفکرات سے آزاد رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے۔اس وقت رہ رہ کر اللہ تعالیٰ کی حمد کریں گے۔

''سورہ یونس'' میں ارشاد ربانی ہے:''بیشک جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے کام کئے انہیں ان کا پروردگار ان کے ایمان کے سبب منزل مقصود تک پہنچاوے گا کہ وہ آرام وآسائش کے باغوں میں رہیں گے اور ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ان باغوں میں ان لوگوں کا بس یہی قول ہوگا۔اے پروردگار تو پاک وپاکیزہ ہے اور ان کی باہم ہم کلامی سلام سے ہوگی اور ان کا آخری قول یہ ہوگا کہ سب تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے جو سارے جہانوں کو پالنے والا ہے''

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب اللہ اپنے کسی بندے کو نعمت عطا فرمائے خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی اور وہ کہے (الحمدللہ) تو اس نے نعمت کا پورا پورا شکر ادا کر دیا۔''

شکر کی دو شرائط ہیں: (۱) قناعت واطمینان (۲) تواضع۔

وہی بندہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا احساس کر سکتا ہے جو خواہشات کا غلام نہ ہو۔ حریص آدمی کبھی سیر نہیں ہوتا اسے ہمیشہ مزید کی طلب رہتی ہے۔ بجائے شکر کے وہ اپنی بدنصیبی یا کم بختی کا رونا روتا ہے۔ قناعت کیلئے رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یہ مال سرسبز وشیریں ہے جو شخص اسے بے طمعی سے حاصل کرے، وہ برکت پاتا ہے اور جو شخص اسے لالچ اور حرص سے حاصل کرے اس کیلئے اس میں برکت نہیں۔ حریص اور لالچی شخص کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کھاتا جائے اور اس کا جی نہ بھرے۔

قناعت سب سے بڑی دولت ہے۔ یہ صفت انسان کے اندر شکر کا مادہ پیدا کرتی ہے۔ جب کہ طمع انسان کو ہمیشہ بے قرار اور ناشکرا رکھتی ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ شکر اور تکبر ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ متکبر انسان دوسرے کا احسان ماننے میں کسر شان سمجھتا ہے۔ شکر کے لئے ضروری ہے کہ آدمی اپنے محسن کی کچھ نہ کچھ عظمت تسلیم کرے۔ لیکن تکبر اس میں مانع ہوتا ہے۔ تکبر انسان کے دل پر پردہ ڈالنے کے ساتھ ساتھ حق کی شعاعوں کو روک دیتا ہے۔ مغرور شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اپنا ذاتی کمال سمجھتا ہے۔ جب تک قناعت کی زمین کی تواضع کے پانی سے نہ سینچا جائے شکر کی فعل پیدا نہیں ہو سکتی۔

انسان دل کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا اعتراف کرے کہ میرے پاس ہر نعمت اسی مالک کی دی ہوئی ہے۔ پاکیزہ اور اچھے نفوس کی صفت یہی ہے کہ وہ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں پر ہر وقت شکر کرتے ہیں جب وہ شکر کرتے ہیں تو زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے حق دار بنتے چلے جاتے ہیں۔

''شکر'' کے خصائص میں سے یہ ہے کہ بندہ اپنے منعم حقیقی، پروردگار کا نعمتوں کی فراوانی پر شکر ادا کرے۔ جب کہ شکر ادا کرنے کی تین اقسام ہیں (۱) قلبی شکر (۲) زبانی شکر (۳) عملی شکر۔

قلبی شکر سے مراد یہ ہے کہ انسان کے دل میں اپنے محسن کا اعتراف ہو، محض دکھاوے کے لئے شکر کا اظہار نہ کرے تہہ دل سے اس کا شکر گزار ہو اور اس سے ایک قلبی ربط اور انس ومحبت پیدا کرے شکر کا سرچشمہ دل ہے دل میں شکر نہ ہو تو زبانی قرار محض فریب ہوگا۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا! تم جب کسی شخص کو کسی دکھ میں مبتلا پاؤ تو اسے سنائے بغیر تین مرتبہ کہو ''تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے اس سے محفوظ رکھا جس میں تو مبتلا ہے اور وہ کبھی بھی اس مصیبت میں مبتلا نہ ہوگا''۔

زبانی اظہار بھی ضروری ہے بعض خود پرست افراد اپنی انا کی وجہ سے زبانی شکر کو سنگ گراں سمجھتے ہیں اور اس میں اپنی تذلیل سمجھتے ہیں لیکن شکر کا جذبہ تب ہی پنپ سکتا ہے جب انانیت کو ختم کیا جائے۔ دل سے اپنے محسن کا شکر ادا کرنا اس قدر مشکل نہیں جتنا اس کا برسر عام اعتراف مشکل ہے۔ اس حقیقت سے آگاہ رہنا چاہئے کہ اگر جان بوجھ کر زبانی شکر سے گریز کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک قلبی شکر بھی بے کار ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''جس بندے پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت نازل کی اور اس نے اپنے دل سے اسکی معرفت حاصل کی اور اللہ کی حمد کی اپنی زبان سے تو اس کا کلام تمام ہوتے ہی اللہ اس پر اپنی نعمتوں کے اضافہ کا حکم دیتا ہے۔

عملی شکر اللہ تعالیٰ کی اطاعت بجالانا اور اعضاء کو اللہ کی نافرمانی سے بچانا ہے۔ عملی شکر کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ انسان نعمت کے حصول پر سجدہ شکر ادا کرے۔ مختصر یہ

کہ لفظ شکر کی دنیا بہت وسیع ہے اور انسان کے پورے کردار کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ حق پرستی شکر ہے اور باطل پرستی کفران نعمت ہے۔ (محمد ادریس حبان رحیمی)

مغفرت تو ہوگئی رزق کریم کا انتظار ہے

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برأت میں جو آیت نازل ہوئی ہے اس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّئُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ. (النور ۲۶) ''یعنی گندی عورتیں گندے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لئے ہوتے ہیں اور ستھری عورتیں ستھرے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور ستھرے مرد ستھری عورتوں کے لائق ہوتے ہیں۔ یہ لوگ (بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم) اس بات سے پاک ہے جو یہ (منافق) بکتے پھرتے ہیں ان لوگوں کے لئے مغفرت اور عزت کی روزی ہے''۔

آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور رزق کریم کا ذکر فرمایا ہے تو مغفرت تو ہوگئی اس کی خبر میں نے سن لی۔ اب رزق کریم ''یعنی جنت'' مرنے کے بعد ملے گی۔ اس کی منتظر ہوں یعنی یہاں کا کام تو ہوگیا کہ قیامت تک کے لئے برأت نازل ہوگئی۔ کوئی تہمت لگائے گا تو کافر ہوجائے گا رزق کریم کا انتظار باقی ہے جو جنت میں ملے گا۔

کیسی شان بندگی ہے

حرم نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور امت کی ماں ہے اور امہات المومنین میں سب سے زیادہ محبوب رب العالمین کو پسند ہے۔ محدث کبیرہ ہیں۔ ہزاروں صحابہ اور تابعین کی

معلّمہ ہیں۔ سخی، متقی، زاہدہ، عابدہ اور متوکلہ علی اللہ ہیں لیکن آخرت کی نعمتوں کا انتظار ہے اور اللہ رب العزت سے طلبگار ہیں کہ رزق کریم عطا فرمائے۔ آج کے دور میں لوگ کیسے بے نیاز ہیں جب کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور صحابیات رضی اللہ عنہن بھی بے نیاز نہ ہوئے بلکہ یوں کہئے کہ سراپا نیاز مند رہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی بندگی کے گوہر سے سرفراز فرمائے۔ آمین! (محمد ادریس حبان رحیمی)

صدقہ اور خیرات کی اہمیت

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ زینب رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہائے جماعت خواتین! تم لوگ صدقہ وخیرات کا اہتمام کرو اگرچہ وہ تمہارے زیورات ہی سے کیوں نہ ہو''۔ وہ کہتی ہیں کہ میں نے ارشاد نبوی کو سننے کے بعد (اپنے شوہر) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے آکر کہا کہ آپ تنگ دست ومفلس آدمی ہیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو صدقہ وخیرات کرنے کا حکم دیا ہے، آپ اللہ کے رسول سے جاکر دریافت کیجئے کہ اگر آپ کو دینے سے صدقہ ادا ہوجائے گا تو میں آپ ہی کو دے دوں گی ورنہ کسی دوسرے کو دوں گی، وہ کہتی ہیں کہ میرے شوہر عبد اللہ نے مجھ سے کہا کہ اس استفسار کے لئے تم ہی جاؤ، وہ کہتی ہیں کہ جب میں آپ کے دروازہ پر پہنچی تو انصار کی ایک خاتون پہلے سے وہاں پر وہی مسئلہ دریافت کرنے کے لئے موجود تھی جس کے لئے میں وہاں آئی تھی، ان کا بیان ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت رعب ودبدبہ والی تھی۔ (اس لئے اندر جاکر پوچھنے کی ہماری جرأت نہیں ہوسکی) اتنے میں وہاں بلال رضی اللہ عنہ آگئے تو ہم نے ان سے کہا کہ آپ اللہ کے رسول کے پاس جاکر بتائیے کہ دروازہ پر دو خواتین یہ مسئلہ پوچھ رہی ہیں کہ اگر وہ اپنے شوہروں اور گود میں پل رہے یتیموں پر اپنے صدقہ کا

مال خرچ کریں تو کیا صدقہ کی ادائیگی ہوگی؟ لیکن آپ یہ نہیں بتائیے گا کہ ہم کون ہیں؟ وہ کہتی ہیں کہ بلال اندر گئے اور مسئلہ دریافت کیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے (پہلے تو) ہمارے بارے میں دریافت فرمایا: ''وہ دونوں کون عورتیں ہیں؟'' بلال رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ایک گروہ انصار کی خاتون ہے اور دوسری زینب ہیں، آپ نے پھر دریافت فرمایا: ''کون سی زینب؟'' بلال رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اہلیہ اس کے بعد آپ نے فرمایا: ''ان لوگوں کے لئے اس میں دوہرا اجر ہے، ایک تو حق قربت کا، دوسرا صدقہ دینے کا''۔ (متفق علیہ) الفاظ حدیث صحیح مسلم کے ہیں۔

میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے عہد مبارک میں ایک باندی کو آزاد کیا اور اس کا تذکرہ جب آپ ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا: ''اگر تم نے اس باندی کو اپنے ماموؤں میں سے کسی کو دیدیا ہوتا تو تمہیں زیادہ اجر وثواب ملتا''۔ (متفق علیہ)

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے دو پڑوسی ہیں، میں ان میں سے کس کے یہاں تحفہ وہدیہ بھیجوں؟ آپ نے فرمایا: ''ان دونوں میں سے جس کا دروازہ تم سے زیادہ قریب ہو''۔ (بخاری)

ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''جب تم کوئی شوربہ دار چیز پکاؤ تو اس میں پانی کی مقدار بڑھادو اور اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو''۔ (مسلم)

انس رضی اللہ عنہ کا بیان کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں جماعت انصار میں کھجور کے باغات کے اعتبار سے سب سے زیادہ مالدار تھے۔ اور ان کے نزدیک تمام مالوں میں سب سے زیادہ محبوب بیرحاء نامی باغ تھا جو مسجد نبوی کے سامنے تھا، اللہ کے رسول

ﷺ اس باغ کے اندر تشریف لے جاتے اور اس کا پاک وشیریں پانی پیتے، انس کہتے ہیں کہ جب آیت مبارکہ: ''لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ''

(آل عمران:۹۲)

''تم بھلائی کو نہیں پاسکتے جب تک کہ تم اپنے پسندیدہ مال کو اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو'' نازل ہوئی تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ. اور میرا پسندیدہ مال بیرحاء (کھجوروں کا باغ) ہے، اب میں اسے اللہ تعالیٰ کے لئے صدقہ کرتا ہوں اور اس کے ذریعہ بھلائی اور اللہ کے نزدیک اجر وثواب کی امید رکھتا ہوں، اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ اسے جہاں اللہ کی مرضی ہو وہاں خرچ کریں، آپ نے یہ سن کر تعجب سے فرمایا: ''شاباش! شاباش! یہ تو نفع پہنچانے والا مال ہے، میں تمہاری بات سن لی، میری رائے یہ ہے کہ تم اسے اپنے قریب ترین رشتہ داروں میں تقسیم کردو''۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں ایسا ہی کروں گا۔ چنانچہ انہوں نے اس باغ کو اپنے رشتہ داروں اور چچرے بھائیوں میں تقسیم کردیا۔ (متفق علیہ)

شوہر کے مال سے بیوی کا صدقہ کرنا

عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''جب عورت اپنے گھر کے کھانے میں سے بغیر اسراف کے (ضرورت مندوں پر) خرچ کرتی ہے تو اسے اس کے بدلہ میں اجر وثواب ملتا ہے اور اس کے شوہر کو مال کمانے کی وجہ سے ثواب ملتا ہے، ان میں سے کسی کے ثواب میں دوسرے کی وجہ سے کمی نہیں ہوتی''۔ (متفق علیہ)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''کوئی عورت جب اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اس کی کمائی سے (کسی محتاج وضرورت مندوں پر) خرچ کرتی ہے تو اسے آدھا اجر ملتا ہے۔'' (متفق علیہ)

ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان امانتدار خازن جب کسی شخص کو کوئی چیز پوری پوری اور خوش دلی کے ساتھ دے، جسے دینے کے لئے اس سے کہا گیا ہے تو وہ صدقہ کرنے والے دو اشخاص میں سے ایک ہے''۔ (متفق علیہ)

عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ میری والدہ کا اچانک انتقال ہوگیا، میرا گمان ہے کہ اگر انہیں مرتے وقت بات کرنے کی مہلت ملی ہوتی تو وہ صدقہ (کے لئے وصیت) کرتیں، اگر میں ان کی جانب سے صدقہ کروں تو کیا انہیں اس کا ثواب حاصل ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں!'' (متفق علیہ)

ابواللحم کے آزاد کردہ غلام عمیر بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے مالک ابواللحم نے مجھے گوشت کو سکھانے کے لئے پارچہ بنانے کا حکم دیا (میں اسی کام میں مشغول تھا کہ) میرے پاس ایک مسکین آیا، میں نے اسے اس گوشت میں سے تھوڑا سا کھانے کے لئے دے دیا، یہ بات جب میرے مالک کو معلوم ہوئی تو انہوں نے مجھے مارا، میں اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پورا ماجرا آپ کو کہہ سنایا۔ آپ نے میرے مالک کو بلوا کر فرمایا: ''تم نے اسے کیوں مارا؟'' تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ میری اجازت کے بغیر میرے کھانے میں سے دوسرے کو دے دیتا ہے۔ آپ نے اس سے فرمایا: ''تم دونوں کو اجر وثواب ملے گا''۔

ایک دوسری روایت میں عمیر سے منقول ہے کہ میں نے زمانۂ غلامی میں اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا میں اپنے مالک کے مال سے اللہ کی راہ میں

خرچ کرسکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، اور اس کا ثواب تم دونوں کو آدھا آدھا ملے گا''۔ (مسلم)

ان تمام اعمال میں آج کے مسلمان کو زیادہ حریص ہونا چاہئے کیوں کہ مال کی محبت لوگوں کے دلوں میں زیادہ پیدا ہوگئی ہے تاکہ صدقہ اور خیرات کی برکت سے مال کی محبت دل سے دور ہو اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت نصیب ہو۔

(محمد ادریس حبان رحیمی)

بدبخت ہیں وہ لوگ

قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے: ''اور تیرے رب نے یہ فیصلہ کردیا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اف بھی مت کہو اور نہ ان پر خفا ہو اور نہ ان کو جھڑکو اور ان سے ادب عزت اور نرم لہجے میں بات کرو اور ان کے لئے اطاعت کا باز و محبت سے بچھا دو اور کہو 'اے پروردگار! تو ان پر ایسے ہی رحم فرما جس طرح انہوں نے میرے بچپن میں مجھے مہربانی سے پالا پوسا ہے۔ (سورہ بنی اسرائیل)

اللہ تعالیٰ ہی ہمارا حقیقی مربی ہے۔ والدین یعنی ماں باپ مجازی مربی اور پرورش کرنے والے ہیں۔ اولاد پر ماں باپ کا بڑا احسان ہے کہ وہ بچپن سے بچوں کی پرورش کرتے اور پالتے ہیں اور اس سلسلہ میں ہر قسم کی تکلیفیں اٹھاتے ہیں اس لے اولاد پر فرض ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کی خدمت کریں اور ہر طرح انہیں آرام پہنچانے کی کوشش کریں کسی قسم کی تکلیف نہ دیں۔ اس خدمت گذاری کو اللہ تعالیٰ نے فرض کردیا ہے۔ جیسا کہ درج بالا آیت میں فرمایا ہے۔ والدین کی اطاعت وفرمابرداری کی جائے لیکن اگر وہ کفر وشرک پر آمادہ کرنا چاہیں تو پھر ان کی بات تسلیم

نہ کی جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور ہم نے انسان جو جتادیا کہ ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور اگر وہ تجھے مجبور کریں کہ اللہ کیساتھ اس کو شریک کر جس کا تجھے علم نہیں ہے تو تو ان کا کہنا نہ مان، تم سب کو میرے پاس لوٹ آنا ہے''۔ (سورہ العنکبوت)

اسی طرح ایک اور مقام پر والدین کے ساتھ نیکی کا حکم یوں دیا گیا کہ: ''اور ہم نے انسان کو جتادیا کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اس کی ماں نے تھک تھک کر پیٹ میں رکھا، کہ وہ میرا اور اپنے ماں باپ کا احسان مانے میرے ہی پاس پھر آنا ہے اگر وہ دونوں تجھے اس پر مجبور کریں کہ میرے ساتھ اس کو شریک کر جسے تو نہیں جانتا تو ان کا کہنا نہ مان اور دنیا میں ان کے ساتھ بھائی چارہ سے گذارہ کر۔

(سورہ لقمان)

غرض خالق کائنات نے ماں باپ کی اطاعت وفرمابرداری پر کس قدر زور دیا ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں والدین کے حقوق کو اپنی عبادت کے ساتھ بیان فرمایا گیا تا کہ مسئلہ کی اہمیت کا اندازہ ہو سکے کہ جس طرح انسان پر اپنے رب کی عبادت کرنا فرض ہے بعینہٖ ماں باپ کی اطاعت وفرمابرداری اور خدمت بھی فرض ہے اور یہ فرض اس طرح ادا کرنا ہے کہ ان کے سامنے بے زاری کے اظہار کے طور پر اف بھی نہ کہو کہ کیا مصیبت ہے ہم تو ان کی بیماری سے تنگ آ گئے۔ فرمایا اس قسم کے کلمات بھی ادا نہ کرو بلکہ انہیں محبت کی نظر سے دیکھو اور ان کی دلجوئی کرتے رہو اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہو کہ یا اللہ ان پر اسی طرح رحم فرما جس طرح انہوں نے میری ناتوانائی کے عالم میں مہربانی ومحبت سے پرورش کی۔ والدین اپنی اولاد کی محبت وشفقت کے ساتھ پرورش کرتے ہیں اور بچوں کی چھوٹی چھوٹی خواہشات پوری کرنے کے لئے والدین بے چین رہتے ہیں بالخصوص ماں جو اپنے بچوں کی ہر طرح سے حفاظت کرتی ہے اپنے نونہال کو گرم سرد موسموں سے محفوظ رکھتی ہے خود گیلے

کپڑے بستر پر سوتی ہے اور اپنی اولاد کو خشک جگہ پر سلاتی ہے تا کہ اس کے بچے کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ چنانچہ جب نیک اولاد والدین کے احسانات کے بدلے ان کے ساتھ حسن سلوک کرتی ہے ان کی حدمت بجالاتی ہے اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائے خیر کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس نیکی کے بدلے ان کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ اور اپنی خوشنودی اور رضا مندی کی لازوال دولت سے انہیں سرفراز فرماتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ''اور ہم نے انسان کو تاکید کر کے کہہ دیا ہے کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا اس کی ماں نے اسے تکلیف سہہ کر پیٹ میں اٹھایا اور تکلیف سہہ کر جنا یہاں تک کہ وہ بچے سے بڑھ کر جوان ہو گیا اور چالیس برس کا ہوا اس نے کہا کہ پروردگار مجھے توفیق دے کہ تیرے احسان کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیا اور اس کی کہ میں وہ کام کروں جسے تو پسند کرے اور میری اولاد کو نیک کر میں تیری طرف لوٹ آیا اور تیرے فرماں برداروں میں سے ہوں۔ یہی وہ ہیں جن کے اچھے کام ہم قبول کرتے ہیں اور برے کاموں سے درگذر کرتے ہیں۔ یہ جنت والوں میں ہوں گے۔ یہ سچائی کا وعدہ ہے جن کا ان سے وعدہ کیا گیا۔'' (سورہ الاحقاف)

قرآن مجید کی ان آیات مبارکہ سے واضح ہوا کہ جو لوگ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں ان کے لئے رب تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا ہے اور اس سے بھی بڑھ کر اپنی رضا وخوشنودی کا اعلان فرماتا ہے۔ البتہ ماں کا رتبہ باپ سے بڑھ کر بتایا گیا ہے۔ کیونکہ اولاد کی پیدائش اور پرورش کی اکثر تکالیف ماں ہی برداشت کرتی ہے۔ جیسا کہ مندرجہ بالا آیت کریمہ میں موجود ہے: رحمت عالم ﷺ نے ماں کی خدمت میں تاکید فرمائی ہے۔ حدیث مبارکہ ہے کہ ایک شخص نے آ کر نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ

مستحق کون ہے؟ آپ نے فرمایا تیری ماں، تین مرتبہ آپ نے یہی جواب دیا۔ چوتھی مرتبہ اس نے پوچھا تو آپ نے فرمایا تیرا باپ۔ (بخاری وترمذی)

اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ اللہ نے ماؤں کی نافرمانی تم پر حرام کردی ہے۔ (بخاری) اور فرمایا کہ ماں باپ کا نافرمان جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

اسلام نے ماں باپ کا مرتبہ ومقام بہت بلند رکھا۔ بالخصوص ماؤں کا وہ اولاد کے لئے اپنی ہر خوشی قربان کردیتی ہے پیدائش کی ناقابل برداشت تکلیف سہتی ہے اور انہیں پروان چڑھاتی ہے۔ اسی لئے شریعت محمدی ﷺ میں جو بلند سے بلند مرتبہ ماں کو عنایت کیا گیا ہے وہ یقیناً اس کی حق دار ہے۔ ماں کے ساتھ جو دوسری ہستی بچے کی پیدائش میں شریک ہے وہ باپ ہی کی جسمانی ومالی کوششیں شامل ہیں اسی لئے جب بچہ ان کی محنتوں اور کوششوں سے قوت کو پہنچے تو اس پر فرض ہے کہ اپنے ماں باپ سے حاصل کی ہوئی قوت کا شکریہ ماں باپ کی خدمت کی صورت میں ادا کرے۔ چنانچہ اسلام نے نہ صرف ان کی عزت کرنے ان سے ڈرتے رہنے کی نصیحت کی بلکہ خدمت اطاعت ان کی امداد ودلجوئی وغیرہ ہر چیز فرض قرار دی بلکہ یہاں تک تاکید کی کہ ان کی کسی بات پر اف تک نہ کہو۔ ان کے سامنے ادب سے جھکے رہو ان کی دعاؤں کو اپنے حق میں سمجھو۔ ان کی خدمت انسان کا سب سے بڑا جہاد ہے بلکہ ان ہی کی خوشنودی سے اللہ کی خوشنودی ہے۔ جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی خوشنودی باپ کی خوشنودی میں ہے اور اللہ کی ناراضی باپ کی ناراضی میں ہے''۔ (ترمذی)

سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ماں باپ کا اولاد پر کیا حق ہے؟ فرمایا وہ تیری جنت اور دوزخ دونوں ہیں۔ (ابن ماجہ) معلوم ہوا کہ والدین کے فرمانبردار بشرطیکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے بھی

اطاعت گزار ہوں وہ جنت میں داخلے کے حقدار قرار پائیں گے اور ان کے نافرمان اور انہیں ایذائیں پہنچانے والے جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ بڑے سعادت مند ہیں وہ جو والدین کی فرمابرداری اختیار کرکے رب کی رضا حاصل کرتے اور بڑے بدبخت ہیں وہ لوگ جو والدین کو بڑھاپے کی حالت میں نظرانداز کردیتے ہے اور انہیں اذیتیں پہنچاتے ہیں۔ (محمد ادریس حبان رحیمی)

بعض مشائخ صفتِ تعظیم میں خدا کا شریک بننا چاہتے ہیں؟

مشائخ ناقصین کو جب مخلوق کا اعتقاد اپنے ساتھ محسوس ہوجاتا ہے تو اول اول وہ خوب محنت کرتے ہیں کہ مشیخت کا درجہ ان کو حاصل ہوجائے اور معتقدین زیادہ ہوجائیں اور جب یہ مراد پوری ہوگئی تو اب وہ کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں کہ نہ وہ روزے رہے نہ شب بیداری، نہ خاموشی، نہ احتیاط اور اب مخلوق کو اس وہم میں ڈال دیتے ہیں کہ ہم خدا تعالیٰ سے ایک ساعت بھی غافل نہیں رہتے۔ (بلکہ ہمارا باطن ہر وقت ذکر میں مشغول ہے) اور اعمال ظاہرہ کی ضرورت تو مبتدیوں کو ہوا کرتی ہے۔ (کاملین کو ان کی ضرورت نہیں رہتی)۔

بس اب وہ ہر دم مخلوق ہی کے ساتھ ہنسی دل لگی میں مشغول پائے جاتے ہیں اور ان کے مریدین ذکر وقرات اور تلاوت قرآن میں رہتے ہیں تو اب سمجھ لو (کہ ان دونوں میں کون افضل ہے) اور کسی مرید سے اپنے کو بڑا نہ سمجھنے کی یہ بھی علامت ہے کہ اگر سارے مرید اس سے اعراض کرکے کسی دوسرے ہم عصر بزرگ کے پاس چلے جائیں تو اس کو بال برابر بھی ان سے تغیر (وتکدر) نہ ہو، اگر اس میں کچھ بھی تغیر پیدا ہوا تو یہ شخص حق تعالیٰ کی ربوبیت میں منازعت کرنے والا ہے۔ اور اس کی حالت چھپی نہ رہے گی۔ کیونکہ یہ صفت عظیم میں خدا کا شریک بننا چاہتا ہے کہ جس

طرح لوگ خدا کی تعظیم کرتے ہیں اسی طرح میری بھی تعظیم کریں۔(اورحق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جوکوئی عظمت وکبریاء میں مجھ سے منازعت کرے گا میں اس کی گردن توڑ دوں گا اس لئے بہت جلداس کی قلعی کھل جائے گی۔(مسند احمد ج:۲،ص:۲۴۴)

اوراگر یہ شخص عبودیت میں سچا ہوتا تو مخلوق کواس کے ہاتھ سے ہدایت ہوتی یادوسرے کے ہاتھ سے دونوں (کو یکساں سمجھتا اوران دونوں صورتوں میں کچھ فرق نہ کرتا اور یہ سمجھتا کہ مقصودتو ہدایت خلق ہے خواہ میرے ہاتھ سے ہو یادوسرے کے ہاتھ سے) کیونکہ ہدایت کرنے والے تو حقیقت میں صرف حق تعالیٰ ہیں وہ جس کے ہاتھ سے چاہیں ہدایت کردیں۔(تم اپنے آپ کو ہادی کیوں سمجھتے ہو اور دوسروں کے پاس اپنے مریدوں کے چلے جانے سے یہ غم کیوں کرتے ہو کہ ہائے اب ان کو ہدایت نہ ہوگی۔خوب سمجھ لو اور جان لو کہ جس شخص کی ہنوز یہ حالت ہے اس کو مشیخت اورارشاد پر پیش قدمی کرنا ہرگز مناسب نہیں ہے کیونکہ ابھی تو اسی کے نفس کی اصلاح اور پوشیدہ امراض کا علاج بہت کچھ باقی ہے(وہ دوسروں کی کیا خاک اصلاح کرے گا؟ اورسیدی ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ اس بات سے بچو کہ کہیں حق تعالیٰ کے ادب میں شیطان نے حق تعالیٰ کی کسی صفت میں کبھی منازعت نہیں کی اورہمیں یہی کہا:''اِنِّیۡۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الۡعَالَمِیۡنَ''۔(کہ میں حق تعالیٰ سے ڈرتا ہوں جوتمام عالم کا پروردگار ہے) بہت سے بہت اس نے ایک حکم کی مخالفت کی ہے جس پر لعنت وطرد کا مستحق ہوگیا ارمخالفت حکم کا درجہ اس سے کم ہے کہ بندہ حق تعالیٰ کا ان معاملات میں شریک بننا چاہے جن کے وہ اپنے بندوں سے مستحق ہیں۔(جیسے تعظیم وتکریم وغیرہ) انتہی اورسمجھ لو کہ بندہ کوان مصائب میں مبتلا کرنے والی دو باتیں ہیں ایک حب جاہ دوسرے قابلیت سے پہلے شیخ بننے میں جلدی کرنا۔(مولانا ظفراحمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ)

شیطان کا حملہ چاراطراف سے

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو جنت سے نکالا اوراس کو راندۂ درگاہ کیا تو اس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے بڑے چیلنج کے انداز میں کہا تھا کہ جب آپ نے مجھے جنت سے نکالا ہے اورمیری یہ دعا بھی آپ نے قبول کرلی ہے کہ میں قیامت تک زندہ رہوں گا تو اس نے یہ عزم کیا تھا کہ یہ آدم جس کی وجہ سے مجھے جنت سے نکلنا پڑا اس کی اولاد کو میں اس طرح گمراہ کروں گا کہ:لَاٰتِیَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡهِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ وَعَنۡ اَیۡمَانِهِمۡ وَعَنۡ شَمَآئِلِهِمۡ وَلَا تَجِدُ اَکۡثَرَهُمۡ شٰکِرِیۡنَ.(الأعراف ۱۷)

''یعنی میں ان کے سامنے سے حملہ کروں گا ان کے پیچھے سے حملہ کروں گا، دائیں سے حملہ کروں گا، بائیں سے حملہ کروں گا، اورآپ کی اس مخلوق پر چاروں طرف سے حملے کروں گا لہٰذا شیطان نے چاروں جہتیں گھیر رکھی ہیں۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ دوسمتوں کو بیان کرنا بھول گیا، ایک اوپر کی جہت اورایک نیچے کی جہت۔لہٰذا یہ چاروں طرف سے حملہ آور ہے او راس سے بچاؤ کا راستہ یا تو اوپر ہے یا نیچے ہے اوراوپر کے راستہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے رابطہ قائم کرو اوراس سے مدد مانگو، اس سے رجوع کرو اس کی طرف انابت کرو اورکہو کہ اے اللہ! یہ شیطان مجھے چاروں طرف سے گھرے ہوئے ہے۔ اپنے فضل وکرم سے مجھے شیطان کے حملوں سے بچائے۔لہٰذا اوپر کا راستہ تو ہے جس کی رہنمائی سے اس راستہ کو طے کرے اوروہ (رہنما) شریعت کا نور ہے مع نور بصیرت کے حق تعالیٰ فرماتے ہیں:''نورعلی نور'' ایک نور پر دوسرا نور ہے پس اگر کسی کے پاس صرف ایک ہی نور ہو(یعنی نور بصیرت) تو اس کی روشنی ظاہر نہ ہوگی بلکہ

اس تاریک راستہ میں ایک دوسرے نور کی بھی ضرورت ہے جو کہ شریعت کا نور ہے خوب سمجھ لو۔ (شیخ الاسلام حضرت مفتی تقی عثمانی مدظلہ)

اپنے لقموں کو پاکیزہ بنانے والے

روایت ہے کہ جب حارث محاسبی رضی اللہ عنہ کسی ایسے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتے جس میں شبہہ ہوتا (یعنی مشکوک کھانا ہوتا) تو آپ کی انگلیوں کی رگیں کھینچ جایا کرتی تھیں۔ اوران میں کپکپی پیدا ہوجاتی، تب آپ جان لیتے کہ یہ کھانا حلال نہیں۔

روایت ہے کہ بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کوئی مشکوک چیز رکھی جاتی تو آپ کے ہاتھ ہی اس جانب نہیں اٹھتے تھے۔

روایت ہے کہ جن دنوں بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ والدہ کے پیٹ میں تھے ان دنوں آپ کی والدہ کے سامنے اگر شبہہ کی کوئی چیز آجاتی اور وہ کھانے کے لئے ہاتھ بڑھانے لگتیں تو کھانا ان کے سامنے سے چلا جاتا اور وہ اس تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔

آپ کے خاندان میں ایسے افراد بھی تھے کہ ان کو مشتبہ کھانے سے بدبو آجایا کرتی تھی، جس کی بنا پر وہ یہ جان لیتے تھے کہ یہ مشکوک مال ہے اور وہ اسے چھوڑ دیتے تھے۔ تو ان سے وہ چبایا نہیں جاتا تھا وہ ریت کی طرح بن جاتا تھا۔

یہ ان لوگوں کا حال ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے مہربانی اور شفقت فرمائی تھی۔ اور یہ اس لئے کہ وہ ان مکروہ چیزوں سے محفوظ رہیں۔ جب انہوں نے ارادہ کیا کہ اپنے نوالوں کو پاکیزہ بنائیں، صرف حلال ہی کھائیں۔ حرام اور مشتبہ چیزوں سے بچیں تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی مدد فرمائی۔ حرام اور مشتبہ چیزوں کے استعمال سے انہیں بچالیا۔ انہیں حرام اور حلال کو پہچاننے کی قدرت دی۔

حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ نے کھانے کے لحاظ سے لوگوں کی تین قسم پر تقسیم فرمائی ہے:

پرہیزگار لوگ

جو اس قسم کا کھانا کھاتے ہیں جس میں مخلوق کا کوئی حق نہیں، نہ ہی شریعت کی طرف سے کوئی مطالبہ ہے یہ لوگ ایسا کھانا کھاتے ہیں جن پر ان کا پورا پورا حق ہوتا ہے اور جو جائز ذریعہ اور محنت سے کمایا ہوا ہوتا ہے، کسی سے چھینا ہوا نہیں ہوتا، اس لئے مخلوق میں سے کسی کا اس کھانے پر حق نہیں ہوتا سوائے کھانے والے کے۔

ولی

ان کا کھانا نہ صرف نفس امارہ کی خواہش سے بالکل بے واسطہ ہوتا ہے بلکہ محض اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کے مطابق ہوتا ہے۔

عارف

عارفوں یا ابدالوں کے کھانے کو وہ خود ہی بہتر جانتے ہیں۔ ان کا کھانا ان کی اپنی خواہش سے کوئی تعلق نہیں رکھتا بلکہ صرف تقدیر الٰہی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کا فضل ہمیشہ ان کے شامل رہتا ہے، وہی انہیں روزی دیتا ہے اور ان کی رہنمائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی عام قدرت اور مشیت سے جو نافذ ہوچکی ہوتی ہے ان کے لئے ہر شئے مہیا کرتا ہے اور اپنی نعمتوں سے سرفراز کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے دائرہ فضل وکرم میں اس طرح پرورش پاتے ہیں جس طرح شیر خوار بچہ ماں کی گود میں۔ جب اس بچے کو ایک سند مل جاتی ہے تو پھر دوسرے درجہ کی ملتی ہے۔ اس طرح درجہ بدرجہ سند ملتی رہتی ہے۔ اگر ایک درجہ میں ناکام ہوجائے تو اگلے درجے کی سند نہیں مل سکتی اور امتحان

میں ناکام ہونے پر اسے نکال دیا جاتا ہے۔ اسی طرح ان لوگوں نے بھی اللہ کی بارگاہ سے درجہ بدرجہ سندیں حاصل کی ہوتی ہیں۔

محتاط اور پرہیزگارانہ زندگی گزارنے والوں کی تاریخ میں احتیاط اور پرہیزگاری کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں جن سے مورخین اور محققین کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اس مختصر مضمون جو موضوع کے اعتبار سے مقالے کا متقاضی ہے یہاں مذکورہ کتاب کے متعلق اوراق سے چار مثالیں دی جارہی ہیں۔ عورتوں سے متعلق اور مردوں سے متعلق۔ یہ بات سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ روزی ورزق سے مراد صرف اشیائے خوردونوش ہی نہیں بلکہ وہ تمام چیزیں ہیں اپنی مختصر ومحدود زندگی میں انسان کو جن کی ضرورت پڑتی رہتی ہے خواہ انہیں جائز اور حلال وسیلہ سے حاصل کیا جائے یا ناجائز اور حرام یا مشکوک ذرائع آمدنی سے۔

ایک خاتون امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا ''میں اپنے کوٹھے پر سوت کاتا کرتی ہوں، اس وقت ایک شخص کی روشنی کا عکس مجھ پر پڑتا ہے کیا اس روشنی میں میں مجھے سوت کاتنا جائز ہے یا نہیں؟'' امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس خاتون سے دریافت کیا: آپ کون ہیں؟ وہ کہنے لگیں میں بشر حافی کی بہن ہوں، یہ سن کر امام صاحب رو دیئے، فرمایا پرہیزگاری کا ظہور آپ ہی کے گھر سے ہوتا ہے اس روشنی میں آپ سوت نہ کاتا کریں۔

حضرت رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہ کی قمیص پھٹی ہوئی تھی۔ انہوں نے بادشاہی مشعل کی روشنی میں اسے سی لیا۔ جس کے نتیجے میں کچھ عرصہ کے لئے حضرت رابعہ کے دل کی حالت عجیب ہوگئی۔ آپ کو مشعل کی روشنی میں قمیص کا سینا یاد آ گیا۔ اس کے خیال آتے ہی آپ نے قمیص کو دوبارہ پھاڑ دیا جس کے بعد آپ کی حالت درست ہوگئی۔ کھویا ہوا دل واپس مل گیا۔

اعمش رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں ایک گناہ سرزد ہوجانے پر چالیس سال تک روتا رہا۔ گناہ یہ تھا کہ میرا ایک بھائی ملاقات کے لئے آیا تو میں ۶ درہم کی ایک بھنی ہوئی مچھلی اس کے لئے لایا۔ وہ کھا چکا تو میں نے ہمسایہ کی دیوار سے مٹی کا ایک ڈھیلہ توڑ لیا۔ جس سے اس نے اپنے ہاتھ صاف کئے جب کہ میں نے مالک مکان سے ڈھیلہ توڑنے کی اجازت نہیں لی تھی۔ غیب سے آواز آئی کہ تم نے مٹی کو خفیف سمجھا، جلد ہی تمہیں اس کی قدر و قیمت معلوم ہوجائے گی۔ جاڑے کے موسم میں لوگوں نے مجھے اس حال میں دیکھا کہ بدن سے پسینہ جاری ہے۔

روایت ہے کہ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ ۴۰ سال تک بصرہ میں رہے مگر وہاں کے درختوں کا کوئی میوہ یا کھجور تک کھانا نصیب نہ ہوا یہاں تک کہ وفات پاگئے۔ جب کھجوروں کا موسم گزر جاتا تو آپ لوگوں سے فرماتے: لوگو! کھجور نہ کھانے سے میرا پیٹ گھٹ نہیں گیا، نہ ہی ان کے کھانے سے تمہارا پیٹ بڑھا ہے۔ (کھجوروں کی پیداوار کے لحاظ سے بصرہ کو شروع سے لے کر آج تک خصوصی اہمیت حاصل رہی ہے۔ اس وقت بھی کھجور کی عالمی منڈیوں میں اس کا شمار صف اول میں ہوتا ہے جہاں سے کھجوروں کی کم وبیش ۵۰۰ اقسام برآمد کی جاتی ہیں۔ ایک طرف کھجوروں کے باغات کی یہ کثرت ارزانی وفراوانی اور دوسری طرف اس سرسبز وشاداب اور زرخیز علاقے میں ایک صاحب نصیب کی یہ احتیاط: ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ.

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

(اقبال)

''مرید کے اوصاف''

خواجہ مختار دینوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''مرید ادب میں اس وقت کامل ہوتا ہے جب اس کے اندر مندرجہ ذیل اوصاف پیدا ہو جائیں''۔

۱-مشائخ کی تعظیم وتکریم اپنے اوپر لازم کرلے۔۲-اپنے ساتھیوں اور بھائیوں کی خدمت کو اختیار کرلے۔۳-اسباب وعلاقہ (یعنی دنیاوی تعلقات) کو ترک کرلے۔۴-توکل کا راستہ اختیار کرلے۔۵-ان سب کے ساتھ ساتھ شریعت کے آداب اصول وضابطہ کو ہر وقت پیش نظر رکھے۔

آپ نے فرمایا: ''میں جب بھی کسی پیر کی خدمت میں حاضر ہوا تو حاضری سے پہلے اپنی تمام آرزوؤں اور تمناؤں کو ختم کر کے حاضر ہوا۔ تمام مرادوں سے اپنے دل کو خالی کرلیا، اپنی کوئی خواہش کوئی تمنا کوئی مراد لے کر کسی شیخ کی خدمت میں کبھی نہیں گیا۔ جب اس حال میں ان کے سامنے گیا تو اس انتظار میں رہتا کہ دیکھئے ان کی نگاہ کرم سے مجھ کو کیا ملتا ہے۔ ان کی مجلس اور ان کے کلام کی برکت سے مجھے کیا نصیب ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جو شخص اپنی تمنا اور مرادیں لے کر پیر کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے وہ پیر کے مشاہدہ کی دولت سے محروم رہتا ہے۔ پیر کی مجلس اور ان کے کلام کی برکتیں اس کے حصہ میں نہیں آتیں۔

ظاہری وباطنی طہارت

کشف المحجوب: میں حضرت شیخ علی ہجویری داتا گنج بخش لاہوری رحمۃ اللہ علیہ تحریر کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہری طہارت کے بارے میں فرمایا ہمیشہ وضو سے رہو۔ تمہارے دونوں محافظ فرشتے تم سے محبت رکھیں گے اور باطنی طہارت کے

بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے تھے: ''اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ'' یعنی اے اللہ میرے دل کو نفاق سے پاک فرمادے، مشائخ صوفیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم بھی مریدوں کو ہمیشہ ظاہری وباطنی ہر قسم کی طہارت کا حکم فرماتے ہیں کہ اللہ کی بارگاہ میں جانے کے لئے جب کوئی ظاہری طہارت سے آراستہ ہو کر جائے تو اس کو چاہئے کہ باطنی طہارت سے بھی آراستہ ہو کر جائے۔ ظاہری وباطنی طہارت کو باہم ایک دوسرے کے موافق کرنا ضروری ہے اس لئے جب استنجا کرو تو تمہارے لئے لازم ہے کہ جس طرح اپنے ظاہری بدن کو نجاست سے پاک وصاف کرتے ہو اسی طرح باطن کو غیر کی دوستی سے خلاصی دلانے کی کوشش کرو جب اپنے ہاتھ دھوؤ تو تمہارے لئے لازم ہے کہ ان کے ساتھ ان کے دل کو بھی دنیا کی محبت سے دھوؤ۔ جب کلی سے منہ کو صاف کرو تو اپنے منہ کو غیر کے ذکر سے بھی پاک کرو۔ جب ناک صاف کرو تو تمام شہوتوں کے ساتھ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرلو۔ جب سر کا مسح کرو تو اپنی تمام سوچ اور فکر کو بھی اللہ کی منشاء کے تابع کردو اور جب پاؤں دھوؤ تو ان کو اللہ تعالیٰ کی موافقت کی راہ کے سوا اور کسی راہ پر نہ چلنے کا عہد کرو۔ اس طرح سے جو وضو کیا جائے گا اس سے ظاہری وباطنی دونوں طہارتیں حاصل ہوں گی۔

(مناقب الاصفیاء، ص:۔۱۸۰)

مشائخ چشت کے زریں منازل جو انہوں نے اپنے متبعین اور منتسبین کے حق میں تجویز فرمائے۔ پہلی منزل، ''حَاسِبُوْ قَبْلَ اَنْ تُحَاسِبُوْ'' اپنے اعمال کا محاسبہ کرلو قبل اس کے کہ ان کے حقیقی محاسبہ کا وقت شروع ہو جائے۔ (مرأۃ الاسرار، ص:۱۱۷۲)

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے نامور مرید محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کو مرید کرنے کے بعد جو وصیت فرمائیں ان میں مندرجہ ذیل باتیں بھی شامل تھیں۔

● اس فقیر کے مرید کو قرض نہیں لینا چاہئے۔ ● کئی بار ہدایت کی کہ دشمنوں کو خوش کرنا چاہئے۔ ● حق دار کو اس کا حق دینا چاہئے۔

محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے خلافت ناموں میں مندرجہ ذیل چلہ بھی درج ہوتا تھا اور اپنے مریدوں کو بھی یہی تاکید فرماتے تھے ''بر در شاہاں نروی وصلہ شاہاں نگیری'' (بادشاہ ہوں کے دروازے پر نہ جا اور بادشاہوں کے عطیات کو قبول نہ کر)۔

اخبار الاخیار مطبع مجتبائی دہلی، ۱۳۰۹ھ میں ۲۸۹ کے خاتمہ میں جہاں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حال احوال کا تذکرہ کیا ہے، لکھتے ہیں کہ: ''بموجب والد ماجد کی نصیحت وصیت کے کہ... خبردار خشک ملا نہ بننا ہمیشہ عشق ومحبت میں سرشار رہنا۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ اپنی طرف بلائے اور اپنے گھر کی طرف لے جائے اور جو کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت سے انعام پایا ہے بیان نہیں کرسکتا۔

نوٹ: شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ولادت ۹۵۸ھ مطابق ۱۵۵۱ء، رحلت ۱۰۷۳ھ بعمر ۹۰ سال۔

سعادت ابدی وعزت سرمدی اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت کے ساتھ وابستہ ہے اس دولت وخلعت کا محل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار شاہانہ ہے یہ دولت وخلعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی موافقت پر موقوف ہے۔ (مکتوب جدی مکتوب:۲۷)

آپ اس بات کو کیوں نہیں سوچتے ہیں کہ آپ نے ''یافت'' (پانا) کو چھوڑ دیا جب کہ آپ کے مدمقابل نے دریافت (تلاش میں رہنے) کو پکڑ لیا۔

غیر نیست بڑی چیز جہاں تگ ددو میں پہناتی ہے درویش کو تاج سردارا

ان کی چوکھٹ سے اٹھائی مٹی
رفعتوں کے لئے بنی اکسیر

شیخ بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور تالیف ''حضرات القدس'' جو وقت کے مرشد کامل حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے فرزندان کرام اور خلفاء عظام کے مناقب واحوال پر مشتمل ہے میں واقعہ بیان کرتے ہیں۔ (ترجمہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، سابق صدر شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی ناشر کتب خانہ گلزار اسماعیل محلہ کھٹیکان مالیر کوٹلہ پنجاب، ص:۱۶۲)

ایک صحیح النسب سید نے جو آپ کے (حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ) کے مخلصین میں سے تھے بیان کیا کہ میں ملک دکن کے شہر اجین میں لشکر کے ساتھ تھا۔ ایک دن مجھے انقباض ہوا تو میں تفریح کیلئے خیمے سے باہر آیا اور بازار میں ایک دکان میں بیٹھ گیا۔ اتنے میں ایک درویش نے جن سے ریاضت کے آثار اور جذب کے علامات ظاہر ہو رہی تھیں میری طرف التفات فرمایا اور سلام کیا۔ میں نے جواب دیا۔ وہ میرے قریب بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ میں یہاں پہاڑوں کے ایک گوشے میں رہا کرتا ہوں اور سب سے قطع تعلق، علیحدگی اور خلوت میں اپنا وقت گزارتا ہوں۔ میں اس گوشے سے باہر آنے والا نہ تھا۔ لیکن میں حضرت کا مرید ہوں۔ (حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا مرید ہوں) میں نے ان کا نام سنا تو ان کی خوشبو میرے شام جان میں آنے لگی۔ میں اس خوشبو کے پیچھے روانہ ہوا تو وہ خوشبو تم میں سونگھ رہا ہوں۔ میں بھی حضرت کا مرید ہوں۔ اور اسی نسبت سے تم کو یہاں کھینچ لیا ہے۔ پھر ہم دونوں دیر تک ساتھ بیٹھے اور ہر معاملے میں باتیں کرتے رہے۔ اثنائے گفتگو انہوں نے یہ بھی بتایا کہ میں ایک مدت تک حضرت کی خدمت میں رہ چکا ہوں۔

معلوم ہوا کہ آج رسماً مرید ہوجانا عام بات ہوگئی ہے ہمارے حضرت حاذق الامت رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا حکیم ذکی الدین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے، مرید آکر کہتا کہ میں آپ سے بیعت ہوں اور شیخ کو معلوم نہیں، یہ کیسی بیعت ہے اور کیسا مرید ہے؟ ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ مرید کا شیخ سے ایسا قریبی تعلق ہو کہ اللہ اور اس

کے رسول ﷺ کی اطاعت کے بعد پہلی اطاعت شیخ کی ہو اور اس میں درجہ کمال حاصل ہو۔ اور شیخ اس کو بنظر تحسین دیکھے۔ (محمد ادریس جہان رحیمی)

عشقِ مجازی کا عجیب واقعہ

ایک دن حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے حالت وجد میں جب کہ وہ سماع کی مجلس میں تشریف فرما تھے اپنے رومال کو لہراتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''افسوس کی بات ہے کہ عشق ومحبت کے معاملات میں ابھی تک ہمیں دھوبی کے لڑکے کی ہمسری بھی حاصل نہ ہوسکی'' اس مودبانہ مجلس میں کسی منظور نظر کو یہ ہمت نہ ہوسکی کہ دریافت کرتا کہ آخر اس بے ربط جملے کی ادائیگی سے حضور کا مطلب کیا ہے؟ لیکن کچھ دنوں کے بعد کسی مناسب موقع پر حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے اس ضمن میں استفسار کیا جس کی وضاحت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس طور پر کی:

کسی بادشاہ کی محل سرا کے دھوبی کا نوجوان بیٹا غائبانہ طور پر شہزادی کے عشق میں مبتلا ہوگیا۔ وہ باوقار سلیقہ مند لڑکا اپنی محبت کی ترنگ میں شہزادی کے ملبوسات کو نہ صرف یہ کہ نہایت نفاست واہتمام سے دھویا کرتا تھا بلکہ ضرورت پڑنے پر رفو کردیا کرتا اور مختلف فنی ترکیبوں سے اس کی آراستگی وزیبائش میں چار چاند لگادیا کرتا۔ باوجودیکہ اس نے شہزادی کے رخ زیبا کی جھلک تک نہ دیکھی تھی۔ وہ اس کے فراق میں آہیں بھرتا، آنسوؤں کے تار لگادیتا اور اس کی حسین یادوں میں گم ہوکر غم واندوہ کے مظاہرے کرتا۔ اس کے والدین اس سنگین صورت حال پر سخت فکرمند رہتے۔ اس لئے کہ اس آمرانہ حاکمانہ دور میں ایک فلوک الحال نوجوان کے حق میں بادشاہ زادی کو پالینا آسمان کے تارے توڑنے کے مترادف تھا۔ معاملہ کی نزاکت ایسی تھی کہ اس مسئلہ پر نہ انہیں کچھ بولنے میں بنتا تھا اور نہ چپ رہنے میں۔ یعنی نہ تو

کسی ہمدرد اور بہی خواہ سے مشورہ کرنے میں بنتا تھا اور نہ حال دل چھپا کر منہ پر پٹی باندھنے میں۔ بیچارے غریب اور پس ماندہ لوگ نہایت افسوس کے ساتھ سوچتے کہ ہم لوگ معمولی حیثیت کے آدمی ہیں۔ ہمارے گھر میں اس بے جوڑ رشتہ کا تصور کیا؟ آخر پستی اور بلندی کے فرق کو کیوں کر مٹایا جاسکے گا۔

لہٰذا ان لوگوں نے کافی غور وخوض کے بعد اپنے بیٹے کے خیالات اور طور طریقوں کو بدلنے کے لئے ایک موثر حکمت عملی اختیار کی۔ ایک دن اس نوجوان عاشق کی ماں اس کے پاس روتے پیٹتے آئی۔ لڑکے نے اپنی ماں سے اس کے سوگوارانہ طور طریقوں کی وجہ دریافت کی۔ اس نے غمگین پیرائے میں جواب دیا: تمہیں نہیں معلوم تین دن سے شاہی مملکت میں کہرام برپا ہے۔ پوری راجدھانی سوگ میں ڈوبی ہوئی ہے۔ آج شہزادی کے سوئم کی تیاریاں ہورہی ہیں۔ وہی شہزادی جس کے کپڑے تم بڑے اہتمام کے ساتھ دھویا کرتے تھے۔ لڑکے کو اس خبر سے جھٹکا لگا۔ اس نے متعدد بار اپنی ماں سے پوچھا: کیا واقعی ایسا ہی ہوگیا۔ ہر بار ماں کے مثبت جواب پر اس نے ایک دردناک چیخ ماری اور ڈھیر ہوگیا۔

لڑکے کی موت کے بعد چوتھے دن یعنی اس کی سوئم سے فراغت کے بعد دھوبن (لڑکے کی ماں) حرم شاہی کے دھلے ہوئے کپڑوں کو لے کر حسب معمول شہزادی کے پاس گئی۔ اس ذہین اور صاحب فہم بادشاہ زادی نے ملبوسات کی نئی ترتیب اور بے رونقی کو دیکھ کر حیرت کے ساتھ پوچھا: اس بار ملبوسات کی دھلائی کس شخص نے کی ہے؟ اس بار تو یہ کپڑے اس اہتمام کے ساتھ دھلے ہوئے نہیں دکھائی دے رہے ہیں جیسا کہ اس سے قبل ہوا کرتے تھے۔ ان ملبوسات کی سابقہ رعنائی اس بات کی شہادت دیتی تھی کہ اس کوشش میں کسی کی محبت کو دخل حاصل تھا'' شہزادی کے منہ سے اس حقیقت افروز بیان کو سن کر دھوبن (لڑکے کی ماں) کے ضبط کا پیمانہ

لبریز ہوگیا اور وہ اپنے اس بیٹے کے غم میں جو خود اپنی ہی حماقت سے موت کے منہ میں چلا گیا تھا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ شہزادی کے ہمدردانہ اصرار پر آخر کار اس نے یکا یک اسے بتادی جسے سن کر وہ حساس صاحب دل خاتون بے حد متاثر ہوئی اور اس بات کی تمنا کی کہ اسے اپنے ناکام مراد عاشق کی قبر پر لے جایا جائے۔ چنانچہ کسی حکمت سے یہ صورت کی گئی۔ جوں ہی وہ اس عاشق صادق کی قبر پر پہنچی اچانک غیر متوقع قبر شق ہوگئی اور شہزادی حیرت سے بول بیٹھی: اس میں تو مختلف جگہوں پر شگاف پڑ گئے ہیں۔ آہ! یہ کس کی قبر ہے؟ شاید اس قبر کا مکین بے چین و بے قرار دل کا مالک ہے۔ اس کے بعد وہ حساس نفسیات کی شہزادی بھی غش کھا کے گر پڑی اور اس دنیا سے رخصت ہوگئی۔ (ماخوذ از تذکرۂ غوثیہ)

عشق الٰہی سے سرشار اولیاء کی کیفیات

حضرت سمنون ''عشق الٰہی کے موضوع پر بیان دے رہے تھے کہ ایک چڑیا ان کے قریب آکر بیٹھ گئی پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ چڑیا ان کی گود میں آبیٹھی اور تڑپنے لگی اور اس طرح تڑپ تڑپ کر ان کی گود میں مرگئی۔ (ص:۱۰۷، بحوالہ مکاشفۃ القلوب)

ابوعمرو مازنی کہتے ہیں کہ میں نے جاڑے کے دنوں میں ایک جوان کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور یہ کہ اس کا پسینہ ٹپک رہا تھا۔ اس ماجرے سے مجھے بڑا تعجب ہوا۔ اس پر وہ کہنے لگا کہ جب تو محبت میں سچا ہوگا تو جاڑے کی سردی اور موسم کی گرمی سب تجھ سے دور ہو جائے گی۔ (ص:۱۲۸، بحوالہ نزہۃ المجالس)

حضرت خواجہ گیسودراز بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بھائی کا ایک واقعہ اپنے ملفوظات میں لکھا ہے کہ میرے بڑے بھائی کو ایک عورت سے محبت تھی۔ ایک رات وہ عورت اپنے گھر میں تھی کہ ایک بچھو نے اس کے پاؤں پر ڈنک مارا۔ میرا بھائی

اپنے گھر میں اس وقت تڑپ اٹھا اور تمام رات ان کے پاؤں کے اسی حصے میں سوزش اور تکلیف ہوتی رہی جس جگہ بچھو نے ڈنک مارا تھا۔ آخر جب اس عورت کے پاؤں کی سوزش کم ہوئی اور زہر کا اثر ختم ہوا تو میرے بھائی کے پیر کی تکلیف بھی جاتی رہی۔ عشق و محبت کی یہ کیفیات و برکات تو اس فانی دنیا کی صورتوں میں ظاہر ہوتی ہیں تو پھر عشق حقیقی کی برکات اور نعمتوں کا کوئی کیا اندازہ کرسکتا ہے۔

(ص:۲۷۴، بحوالہ محبت کے اثرات، ص:۲۶)

حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مکہ معظّمہ کی راہ میں مجھے ایک معذور شخص ملا جو گھٹنوں کے بل پر چلتا تھا۔ میں نے پوچھا کہاں سے آتے ہو؟ کہا سمرقند (ازبکستان) سے۔ میں نے تعجب کی نگاہ سے اسے دیکھا، اس نے کہا اے شفیق! تو مجھے کیا دیکھتا ہے۔ میں نے کہا مجھے تیرے سفر دراز اور ضعف جان سے تعجب ہے۔ پھر میری طرف مخاطب ہوا: اے شفیق! میرا سفر دور دراز ہے مگر شوق قریب کر رہا ہے۔ ضعف جان ضرور ہے لیکن میرا مالک اس کو اٹھائے لئے جاتا ہے اے شفیق! کیا تعجب ہے کہ بندے ضعیف کو اس کا مولی مہربان لے جاوے۔

(ص:۱۷۸، بحوالہ نزہۃ البساتین)

میاں عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست
تو خود حجاب خودی حافظ از میاں برخیز

(حافظ شیرازی)

دوسرے مصرع میں مولانا فرماتے ہیں کہ سینکڑوں طبق سے ایک قناعت بہتر ہے۔ دیکھئے کیسی مثال دی کہ اگر تمہارے پاس سینکڑوں قسم کی بریانیاں سینکڑوں قسم کی پلیٹوں میں رکھی ہوں لیکن اگر قناعت نہیں ہے تو تم ہائے ہائے کرتے رہو گے اس لئے ان سینکڑوں طبق کے مقابلہ میں ایک قناعت اگر تمہارے پاس ہے تو وہ کافی

ہے۔مراد یہ ہے کہ کثرت عبادت کے ناز سے بہتر ہے کہ شیخ کی صحبت سے تمہارے اندر ایک شکستگی آجائے جو ہزار عبادت سے افضل ہے۔

پیر باشد نرد بانے آسماں
تیر پراں از کہ گردد از کماں

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ پیر آسمان کی سیڑھی ہے کیا تیر بغیر کمان کے اڑ سکتا ہے؟ تیر چاہے دس لاکھ روپے کا ہو چاہے سونے، چاندی اور جواہرات کا ہو زمین ہی پر پڑا رہے گا جب تک کمان میں نہیں آئے گا۔شیخ کمان ہوتا ہے اگر شیخ سے تعلق نہیں ہے تو تم علم وفضل کے باوجود زمین ہی پر دھرے رہو گے۔کبھی اللہ تک نہیں پہنچ سکتے۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں اصلاح کی ضرورت نہیں بس آٹھ سال مدرسہ میں پڑھ لینا کافی ہے۔علم سے سب اصلاح ہوجاتی ہے۔اگر یہ بات صحیح ہے تو کیا مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، مولانا قاسم نانوتوی، مولانا اشرف تھانوی رحمۃ اللہ علیہم کے پاس علم کم تھا۔

بنی اسرائیل میں ایک عابد عبادت خانے میں عبادت کرتا تھا۔کچھ لوگ اس سے حسد کی بنا پر ایک فاحشہ کے پاس آئے۔اس سے کہا کہ تم کسی طریقے سے اس عابد کو بھٹکا دو۔چنانچہ وہ فاحشہ عورت عابد کے پاس بارش ہونے والی اندھیری رات میں آئی اور اس کو حجرے کے باہر سے پکارا۔اس عابد نے فاحشہ کو جھانک کر دیکھا تو عورت نے کہا اے خدا کے بندے مجھے اپنے پاس پناہ دے۔اس عابد نے اس کی پرواہ نہ کی اور نماز میں مشغول ہوگیا اور وہ عورت بار بار پکار پکار کر پناہ کی درخواست کرتی رہی۔بالآخر عابد نے مجبور ہوکر اس کو پناہ دے دی۔یہ وہ عورت عابد کے سامنے لیٹ گئی۔اور اپنے جسم کی خوبصورتیاں دکھانے لگی۔یہاں تک کہ عابد کا نفس اس کی طرف مائل ہوگیا۔اسی اثناء میں عابد پر محبت الٰہی کا غلبہ بھی ہوا اور اس

نے اپنے نفس سے کہا اللہ کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔چنانچہ اس نے اپنے نفس کو سزا دینے کے لئے اپنی ایک انگلی چراغ پر رکھ دی۔حتی کہ وہ جل گئی۔پھر وہ دوبارہ اپنی نماز کی طرف لوٹ آیا لیکن اس کے نفس نے پھر پکارا۔یہ پھر چراغ کی طرف گیا اور ایک انگلی رکھ کر جلا ڈالی۔پھر اسی طرح سے اس کا نفس اس کی خواہش کرتا رہا اور وہ چراغ کی طرف لوٹتا رہا۔حتی کہ اس نے اپنی ساری انگلیاں جلا ڈالیں۔مگر اس فاحشہ کی طرف مائل نہ ہوا۔اس عورت نے جب اس نوجوان کی نفس کشی اور خوف خدا کا منظر دیکھا تو اس نے ایک چیخ ماری اور مرگئی۔(ص:۱۳۹، بحوالہ نزہۃ المجالس، کرامات اولیاء)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک نوجوان کے پاس سے گذرے جو باغ کو سیراب کررہا تھا۔نوجوان نے عیسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی۔اپنے رب سے دعا کیجئے کہ مجھے اپنی محبت کا ذرہ عطا فرمادے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا! تیرے اندر ذرہ کی طاقت نہیں۔اس نے کہا: اچھا نصف ذرہ ہی کی دعا فرمادیجئے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی: اے میرے محبوب اس کو اپنی محبت سے نصف ذرہ عطا فرمادے۔اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام چلے گئے۔ایک طویل عرصہ کے بعد اس نوجوان کے مکان سے گزرے تو اس کے بارے میں دریافت فرمایا۔لوگوں نے بتایا کہ وہ دیوانہ ہوچکا ہے اور پہاڑی پر چلا گیا ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اے اللہ! اس جوان کو دکھادے۔تو پہاڑوں کے درمیان ایک بلند ترین چوٹی پر کھڑا ہے اور آسمان کی طرف رخ کئے ہوئے ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کو سلام کیا۔مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔آپ نے فرمایا: میں عیسیٰ علیہ السلام ہوں۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اللہ نے وحی کی: جس کے دل میں میری محبت کا نصف ذرہ بھی ہو وہ انسانوں کا کلام کیسے سن سکتا ہے۔میرے عزت وجلال کی قسم اگر تو اس کو آرے سے چیر دے گا تو بھی اس کو خبر نہیں ہوگی۔(ص:۱۲۹، بحوالہ مکاشفۃ القلوب)

قرآن مجید سے محبت کا عجیب وغریب واقعہ

ورش رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں اپنے وطن مصر سے حضرت نافع مدنی سے قرات سیکھنے کے لئے مدینہ پہنچا۔ جب وہاں پہنچا تو دیکھا کہ حضرت نافع مدنی کے پاس طلباء کی اتنی زیادہ تعداد ہے کہ اب مزید کسی اور طالب کو پڑھانے کے لئے ان کے پاس وقت نہیں ہے۔ بلکہ موجودہ طلبا کو بھی ایک خاص مقدار میں سبق پڑھایا کرتے۔ لہٰذا کسی بھی طالب علم کو تیس آیتوں سے زیادہ قراءت کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ جب میں نے دیکھا کہ اس طرح گنجائش نکلنی مشکل ہے تو میں نے ان کے ایک شہری دوست سے رابطہ قائم کیا اور ان کو لے کر حضرت نافع مدنی کی خدمت میں حاضر ہوا، اس شخص نے استاد سے کہا کہ یہ لڑکا مصر سے صرف آپ سے قراءت پڑھنے کے لئے آیا ہے۔ تجارت یا حج کے ارادہ سے نہیں آیا ہے۔ حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ مہاجرین اور انصار کے طلباء کا کس قدر ہجوم ہمارے یہاں ہے ان صاحب نے عرض کیا کہ آپ اس مصری طالب علم کے لئے کوئی نہ کوئی وقت نکال ہی دیں۔

ورش رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس پر حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے پوچھا کہ لڑکے! کیا تم رات مسجد میں گزار سکتے ہو؟ میں نے جواب دیا کیوں نہیں؟ ضرور گزار لوں گا۔ چنانچہ میں نے وہ رات مسجد نبوی ﷺ میں گزاری۔ جب صبح ہوئی تو حضرت نافع مسجد میں آئے اور پوچھنے لگے وہ غریب الوطن مسافر کہاں ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حاضر ہوں۔ اللہ آپ پر رحمت نازل فرمائے آپ نے مجھ سے فرمایا کہ پڑھو۔ چنانچہ میں نے پڑھنا شروع کیا۔ چونکہ میری آواز اچھی اور بلند تھی، رسول اکرم ﷺ کی مسجد گونجنے لگی۔ جب میں تیس آیتیں پڑھ چکا تو آپ نے فرمایا کہ

خاموش ہو جاؤ چنانچہ میں نے قراءت بند کر دی۔ اسی وقت ہمارے حلقۂ درس سے ایک نوجوان طالب علم اٹھا اور حضرت نافع سے کہنے لگا۔

''اسے خیر اور بھلائی سکھانے والے ہم لوگ مدینہ ہی میں آپ کے ساتھ رہنے والے ہیں اور یہ بیچارہ تو پردیسی ہے صرف آپ سے قراءت سیکھنے کے لئے اتنی دور سے آیا ہے لہٰذا میں اپنی باری میں سے دس آیتیں اس کو دیتا ہوں اور باقی بیس آیتیں اپنے لئے رکھ چھوڑی ہیں۔ حضرت نافع نے مجھ سے فرمایا اچھا پڑھو۔ چنانچہ میں پھر پڑھنے لگا۔ پھر جب وہ دس آیتیں بھی مکمل ہو گئیں تو ایک نوجوان اور کھڑا ہوا اور اس نے بھی اپنی باری میں سے دس آیتیں عنایت کر دیں۔ لہٰذا میں نے دس آیتیں اور تلاوت کیں۔ اسی طرح باری باری ہر طالب علم مجھے اپنی قراءت میں سے دس دس آیتیں دیتا رہا۔

پھر میں بیٹھ گیا اور دوسرے طالب علم سنانے لگے۔ جب سنا چکے تو پھر استاد نے مجھ سے فرمایا کہ پڑھو۔ چنانچہ میں نے پھر پچاس آیتیں قراءت سے پڑھیں اسی طرح مدینہ منورہ سے واپسی سے پہلے میں نے پورے قرآن شریف کی قراءت سیکھ لی۔''

آج کے طلباء کو ایسا ہی انہماک اور عشق ہونا چاہئے قرآن مجید سے اور سالکین بھی قرآن مجید کی تلاوت کو اپنے اوپر جب تک لازم نہ کر لیں۔ راہ سلوک کے انوارات حاصل نہ ہوں گے۔ (محمد ادریس حیان رحیمی)

واعظین کے لئے ضروری سبق

ایک شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے دریافت کیا کہ انسان مختار (بااختیار) ہے یا مجبور (بے بس)؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اپنی ایک ٹانگ اٹھا۔

اس نے اٹھالی، پھر فرمایا، اب دوسری ٹانگ بھی اٹھا۔ اس نے مجبوری ظاہر کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا بس یہی مثال مختار اور مجبور کی ہے۔

کشف المحجوب میں شیخ علی ہجویری نے حکایت درج کی ہے کہ ایک شخص خانہ کعبہ کا طواف کررہا تھا اور یہ دعا کررہا تھا۔ "اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ اِخْوَانِیْ" (اے ہمارے اللہ! میرے بھائیوں کو نیک بنادے) کسی نے اس سے پوچھا کہ اس مقدس مقام پر پہنچ کر تو اپنے لئے دعا کیوں نہیں کرتا، اپنے بھائیوں کے لئے کیوں دعاء کررہا ہے؟ اس شخص نے جواب دیا: میرے جو بھائی اور دوست ہیں میں لوٹ کر انہیں کے پاس جاؤں گا۔ اگر وہ نیک اور صالح ہوئے تو میں بھی نیک اور صالح بن جاؤں گا اور اگر وہ مفسد اور بدکار ہوئے تو ان کے ساتھ میں بھی ویسا ہی ہوجاؤں گا۔

حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے کہ جب عالم صاحب زہد نہیں ہوتا تو وہ اپنے ہم عصروں کیلئے موجب عذاب ہوتا ہے۔ اس کی وجہ کیا کہ وہ دوسروں کیلئے سبب عذاب ہو؟ حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اخلاص اور عمل کے بغیر وعظ کہا کرتا ہے لہٰذا وہ نہ لوگوں کے قلوب میں اثر کرتا ہے اور نہ قلوب میں قائم رہتا ہے۔ پس لوگ سنتے ہیں اور عمل نہیں کرتے۔ اور سن کر عمل نہ کرنے پر عذاب نازل ہوتا ہے۔ جب قلب علم صحیح سے منور ہوجاتا ہے تو اپنی روشنی سے مخلوق کی معصیتوں کو ماند کردیتا ہے۔ جس طرح پل صراط پر سے گزرتے وقت مومن کا نور نار جہنم کو ماند کردے گا۔ بزرگوں کا قول ہے کہ اصل عزت نشینی یہ ہے کہ نفس وخواہشات اور مخلوق کی مخالفت کی جائے۔ صاحب زہد عالم نفس وخواہشات اور مخلوق سے باہر ہوتا ہے اور اس کی تمام خواہشات خدا کی مرضی کے تابع ہوتی ہیں۔ پس وہ اللہ کے حکم سے بولتا ہے تو جو بولتا ہے وہ دلوں پر اثر کرتا ہے۔ (ماہنامہ کشف الاسرار، بنگراوا، اعظم گڑھ)

مومن کی صفتِ خاص

ایک بار حضرت شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ الہ آبادی نے ارشاد فرمایا: آج ہمارے معاشرے میں یہ خیانت پھیل گئی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد ہمارے اس دور پر صادق آرہا ہے جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ ایک وقت ایسا آجائے گا کہ امانت دنیا سے اٹھ جائے گی اور لوگ کہا کریں گے کہ فلاں ملک میں فلاں شہر میں، فلاں بستی میں ایک شخص رہتا ہے، وہ امانت دار ہے۔ یعنی امانت دار لوگ ختم ہوجائیں گے۔ سب خائن ہوجائیں گے اور اِکا دُکا لوگ ہوں گے جو امانت کا پاس رکھنے والے ہوں گے۔ ایک مومن کی خاصیت یہ ہے کہ وہ خیانت نہیں کرتا۔

آج کے دور میں خیانت کا بازار گرم ہے

حالانکہ امانت داری ایمان کی عظیم علامات سے ایک بڑی اہم علامت ہے اللہ تعالیٰ امانت داری کی توفیق عطا فرمائے۔ اس موضوع پر بہت کچھ کہا جاسکتا ہے۔ لکھا جاسکتا ہے۔ لیکن عمل کرنے والے کیلئے بھی درج بالا سطور ہی کافی ہیں۔

(محمد ادریس حبان رحیمی)

☆☆☆

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ .

خاکسار محمد عثمان حبان دلدار قاسمی

خانقاہ رحیمی احاطہ دارالعلوم محمدیہ بنگلور

مورخہ ۱۲ر جون ۲۰۱۴ء مطابق ۱۳ر شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ بروز جمعرات

شیخ طریقت حبیب الامت حضرت مولانا
ڈاکٹر حکیم محمد ادریس حبان رحیمی حفظہ اللہ
کی دیگر تالیـــــــــــفات

1 انوارالسالکین
2 انوارِطریقت
3 اسرارِطریقت
4 زیاراتِ حرمین شریفین
5 افاداتِ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ
6 تصوف اور سلوک کی حقیقت
7 اسلام میں عورت کی عظمت
8 اہلِ معرفت کی راہیں
9 عملی زندگی
10 فیضانِ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ
11 فضائلِ اعمال کی فضیلت واہمیت
12 الحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم
13 خواتین کیلئے اصلاحی تقاریر
14 مستورات کیلئے انقلابی تقاریر
15 خواتین کیلئے منتخب تقاریر

16 ملفوظاتِ حبیب الامت حفظہ اللہ — تین جلدیں
17 خطباتِ رحیمی — دس جلدیں
18 خطباتِ حبان برائے دخترانِ اسلام — دس جلدیں
19 خطباتِ رمضان المبارک — چار جلدیں
20 طالبات تقریر کیسے کریں؟ — دس جلدیں
21 مجالسِ رحیمی — دوجلدیں
22 امت کے روشن چراغ — تین جلدیں
23 رمضان المبارک کے فضائل ومسائل — دوجلدیں
24 گناہوں کے انبار — دوجلدیں
25 تفسیری خطباتِ حبان — اول (دوم سوم زیرطبع)
26 عورت پر اسلام کی مہربانیاں
27 سفرنامہ جنوبی ہند تا جنوبی افریقہ
28 سوانح حیات حضرت حاذق الامت رحمۃ اللہ علیہ
29 خوابوں کی تعبیر اور ان کی حقیقت